b 1029

۱۵۱ م

ناظر و و کلام

مذاهب الاسلام

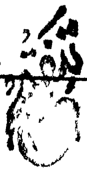
جس میں اسلام کے تمام فرقوں کے حالات اُنھیں کے
مذاهب کی کتابوں سے اور اُن کے عقاید اور بانیان
مذاهب کے حالات بھی لکھے گئے ہیں

مؤلفہ

مولانا محمد نجم الغنی صاحب خلف مولانا عبد الغنی خاں صاحب مرحوم رامپوری
مصنف شرح عقاید نسفی اردو موسوم بہ تہذیب العقاید و نجم العقاید و بحر الفصاحت
و تاریخ روسیا و تذکرہ السلوک و معیار الافکار وغیرہ وغیرہ

دوسری مرتبہ ۱۹۲۴ء میں

کارخانہ پیسہ اخبار کے خادم التعلیم سٹیم پریس لاہور میں منشی محمد عبد العزیز منیجر کے
اہتمام سے چھپا



بسم اللہ الرحمن الرحیم

ونصلی علی رسولہ الکریم

دیباچۂ کتاب بمدح نواب معلی القاب ناصیہ ہفت کشور بارقۂ ہفت اختر حامد علی خان صاحب دام اقبالہ والی ریاست رامپور ملک روہیلکھنڈ



کروں حمد شاہنشہ دو جہاں — خداوند اقلیم کون و مکاں
کئے جلوہ گر جس نے شمس و قمر — زمیں پر نمایاں کئے بحر و بر
گہر آب تر سے ہویدا کئے — دل سنگ سے لعل پیدا کئے
دکھائی بہار نسیم چمن — کھلائے گل و لالہ و یاسمن
خموشی کی لذت لب گل کو دی — تمنائے فریاد بلبل کو دی
زبانوں کو قدرت سے گویا کیا — بیان مطالب پہ شیدا کیا
ہمیں کی یہ توفیق اس نے عطا — کہ دل محو تعلیم عقائد ہوا
کیا اس رسالے کو ہم نے تمام — بعہد خداوند عالی مقام
جہان عطا آسمان کرم — سلیمان نژاد و سکندر حشم
سزاوار اورنگ فرماندہی — دُر تاج اقبال شاہنشہی
رعایا کے غمخوار و فریاد رس — ستمدیدہ مخلوق کے دادرس
یہی خلق کہتی ہے لیل و نہار — کہ حامد علی خان عالی تبار

یونہی حکمراں تا قیامت رہیں
رعایا کے سر پر سلامت رہیں

مخفی نہ رہے کہ فرقہائے اہل اسلام وہ ہیں جنکا ذکر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے

اس حدیث میں کیا ہے افترقت الیهود علی احدی وسبعین او اثنین وسبعین فرقة وافترقت النصاری علی احدی وسبعین او اثنین وسبعین فرقة وتفترق امتی علی ثلث وسبعین فرقة - ترجمہ - یعنے یہود اکہتر یا بہتر فرقے ہو گئے اور نصاری بھی اکہتر یا بہتر فرقے ہو گئے - میری امت تہتر فرقے ہو جائے گی - اس حدیث کو ابو داؤد اور ترمذی اور ابن ماجہ نے ابو ہریرہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے - اور ابن ماجہ کی ایک روایت عوف ابن مالک سے یوں ہے کہ یہود اکہتر فرقے ہو گئے جنمیں سے ایک جنت میں ہے اور ستر دوزخ میں - اور نصاریٰ بہتر فرقے ہو گئے کہ اکہتر آگ میں ہیں اور ایک جنت میں قسم ہے اُس خدا کی جس کے قبضہ قدرت میں بقائے ذاتِ محمدؐ ہے تحقیق میری امت تہتر فرقے ہو جائیگی جنمیں سے ایک فرقہ جنتی ہے اور بہتر دوزخی - اور عبداللہ بن عمرو ابن عاص کا لفظ مرفوع یہ ہے - قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لیاتین علی امتی ما اتی علی بنی اسرائیل حذو النعل بالنعل حتی ان کان منهم من اتی امه علانیة لکان فی امتی من یصنع ذلك وان بنی اسرائیل تفرقت علی ثنتین وسبعین ملة وستفترق امتی علی ثلث وسبعین ملة کلهم فی النار الا ملة واحدة قالوا من هی یا رسول اللہ قال ما انا علیه واصحابی (رواه الترمذی وقال حسن غریب) یعنے میری امت کے لوگوں پر وہی آوے گا جو بنی اسرائیل پر آیا مطابق ہو نگے اُنکے یہانتک کہ اگر کسی نے اُنمیں سے اپنی ماں کے ساتھ علانیہ صحبت کی ہو تو میری امت میں بھی کوئی شخص پیدا ہو جائیگا کہ وہ ایسا کام کریگا اور بنی اسرائیل بہتر فرقے ہو گئے میری امت تہتر فرقے ہو جائیگی - سب آگ میں جائینگے مگر ایک ملت والے صحابہ نے پوچھا وہ کون ہیں اے رسول خدا کے - فرمایا وہ طریقہ جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں - احمد اور ابو داؤد کا لفظ معاویہ سے یوں ہے قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فقال الا ان من کان قبلکم من اهل الکتاب افترقوا علی ثنتین وسبعین ملة وان هذه الامة ستفترق علی

سلہ حدیث تفرق میں لفظ امتی سے مراد امت اجابت ہے کہ عبارت اہل اسلام سے ہے نہ امت دعوت چنانچہ ملا سعد تفتازانی نے شرح عقاید عضدیہ میں اور دوسرے علمانے بھی اسکی تصریح کی ہے ۱۲

ثلث وسبعین فرقۃ ثنتان وسبعون فی النار وواحدۃ فی الجنۃ وھی الجماعۃ -
یعنے ہم میں آنحضرت خطبہ سنانے کو کھڑے ہوئے اور فرمایا خبردار ہو کہ تم سے پہلے جو اہل کتاب تھے وہ بہتر فرقے ہوئے اور قریب ہے کہ یہ امت تہتر فرقے ہو جائیگی بہتر نار میں جائینگے اور ایک جنت میں۔ اور وہ جماعت ہے۔ لفظ جماعت کا اطلاق اہل سنت پر اسی حدیث سے ثابت ہوا ہے۔ اور ابن عدی نے ابوہریرہؓ سے صرف اسیقدر روایت کیا ہے یہود کے اکہتر فرقے بنگئے اور نصاریٰ بہتر میری امت کے تہتر فرقے ہو جائینگے بیہقی نے افتراق امت کی حدیث کو حسن صحیح کہا ہے اور حاکم اور ابن حبان نے بھی اپنی صحیحین میں اس مضمون کی حدیث ابوہریرہ سے روایت کی ہے۔ اور حاکم نے کہا ہے کہ اصول میں یہ ایک بڑی حدیث ہے۔ سعد ابن ابی وقاص اور عبد اللہ بن عمر ابن عاص اور عوف ابن مالک نے مثل اسکی روایت کی ہے اور بقول مولف مقاصد حسنہ انس اور جابر اور ابوامامہ اور ابن مسعود اور حضرت عمر اور حضرت علی اور عویمر اور ابوالدرداء اور واثلہ اور عبد اللہ ابن عمرو اور معاویہ سے بھی اس مضمون کی روایتیں آئی ہیں اور ابوہریرہ بھی اسکے راوی ہیں اور ابوداؤد اور ترمذی اور ابن ماجہ اور ابن عدی اور حاکم اور ابن حبان وغیرہ محققین حدیث نے اسکو اپنی اپنی کتب میں روایت کیا ہے اور جامع الاصول اور تیسیر الوصول اور مقاصد حسنہ اور جمع الجوامع اور کتاب بیہقی وغیرہ میں ان روایات کو ان کتب صحاح حدیث وغیرہ سے نقل کیا ہے تو اسکی صحت میں کلام نہیں طریق اسکے بہت ہیں اور ائمہ حدیث نے اسکو صحیح مانا ہے اور ترمذی نے جو غریب کہا ہے سو اسکا یہ مطلب ہے کہ کسی زمانہ میں اسکی روایت ایک ہی راوی سے ہوئی ہے اور غریب احادیث صحیحہ کے اقسام سے ہے اور صحیح حدیث قابل حجت ہے پھر حسن لغیرہٖ اور تمام طریقوں میں تفرق امت ۷۳ فرقوں میں آیا ہے بہتر میں اگرچہ سیوطی نے ایک حدیث ابن ماجہ کی جو انس سے مروی ہے اس مضمون کی بھی نقل کی ہے کہ بنی اسرائیل کے اکہتر فرقے ہوگئے اور میری امت بہتر فرقے ہو جائے گی سب دوزخ میں جائینگے مگر ایک فرقہ اور وہ جماعت ہے۔ مگر شیخ عبدالحق محدث دہلوی کہتے ہیں کہ ان

۱؎ دیکھو جلد دوم دین خالص ۱۲ ۲؎ دیکھو شرح سفر السعادۃ ۱۲

روایت کا اعتبار ان بہت سی روایات کے مقابل نہیں ہو سکتا بلکہ سیوطی نے بھی ابن ماجہ کی حدیث عوف بن مالک سے امت محمدی کے ۷۳ فرقے ہو جانیکے باب میں نقل کی ہے سو یہی صحیح روایت ہے اور یہی وجہ ہے کہ صاحب سفر السعادۃ نے فرمایا ہے کہ "در باب افتراق امت بر ہفتاد و دو فرقہ چیزے ثابت نشدہ" مطلب یہ ہے کہ تفرق امت ۷۳ فرقوں پر ثابت ہوا ہے نہ ۷۲ پر۔ اور اگر یہ ثابت کیا جائے کہ مصنف سفر السعادت کی مراد یہ ہے کہ افتراق امت کے باب میں مطلقاً کوئی حدیث صحیح نہیں ہوئی اور جو کچھ اس معاملہ میں آیا ہے وہ سب موضوع ہے تو یہ قول اسکا کیسے معتبر ہو سکتا ہے جبکہ اتنے بہت ائمہ حدیث افتراق امت کی روایت کو صحیح تسلیم کرتے ہیں اور بہت سے طریقوں سے مروی بھی ہے۔

سوال۔ ان حدیثوں میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زیادہ تر حصہ امت ناری ہونیکا ثبوت ہے حالانکہ اور حدیثوں میں آیا ہے کہ یہ امت مرحومہ ہے۔ اور آخرت میں اسپر عذاب نہ ہوگا انکا عذاب دنیا میں فتنے اور زلزلے اور قتل ہے جنت میں سب امتوں سے زیادہ یہی امت ہوگی۔ یہانتک کہ وہاں دو ثلث اس امت کے لوگ ہوں گے اور ایک ثلث باقی امتیں۔

جواب یہ ہے کہ فرقہائے ناری آگ میں سوء اعتقاد کی وجہ سے داخل ہونگے اور فرقہ ناجی اعتقاد کی وجہ سے دوزخ میں نجائیگا گو بسبب بعض تقصیرات عمل کے آگ میں جائینگے۔ یا فرقہ ناجی سے مراد وہ لوگ ہیں جو مطلق آگ میں نہ جائینگے۔ نہ اعتقاد کی وجہ سے اور نہ عمل کے سبب سے۔ انکی معصیت خواہ معاف ہو جائیگی یا موت و قبر کے شدائد اور قیامت کے خوف و دہشت میں مجرا ہو جائے گی۔ یا حضرت خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے وہ سارے گناہ معاف ہو جائینگے۔ یہ وہی فرقہ خواص اہل سنت وجماعت کا ہے جنکے عقیدے وعمل میں کسی طرح کا خلل بدعت سیئہ کیطرف سے نہیں آیا ہے۔ گو بعض تقصیرات فروعیات ان سے صادر ہو جاویں۔ اسی فرقہ پر یہ تفسیر چسپاں ہوتی ہے من کان علی ما انا و اصحابی اور یہ ارشاد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ ہے اسلئے کہ جو کچھ ارشاد فرمایا تھا وہ بے کم و کاست ظہور میں آیا۔ ابن حزم[1] نے ملل ونحل میں کہا ہے اہل سلام کے پانچ فرقے ہیں۔ ایک اہلسنت[2]۔

[1] حجج الکرامہ میں بھی تعیین فرقۂ ناجیہ کے باب میں پوری بحث کی ہے۔ [2] دیکھو فتح الباری شرح صحیح بخاری ۱۲

دوسرے معتزلہ اور انہی میں قدریہ داخل ہیں۔ تیسرے مرجیہ اور انہی میں جہمیہ کرامیہ کا شمار ہے چوتھے شیعہ ہیں۔ پانچویں خوارج انہی میں ازارقہ واباضیہ ہیں۔ پھر ہر ایک فرقہ ان میں سے کئی فریق ہو گیا ہے۔ بڑا افتراق اہل سنت کا فتویٰ میں ہوا اور تھوڑا سا اعتقادات میں۔ فتوے میں چار مذہب ہو گئے۔ حنفی۔ شافعی۔ مالکی۔ حنبلی۔ اعتقاد میں تین گروہ ہو گئے۔ اشعری۔ ماتریدی۔ حنبلی۔ رہے چار فرقے سوائے اہلسنت کے سو انہیں سے کیسا خلاف اہلسنت کے ساتھ بعید ہے اور کیسا قریب۔ مرجیہ کے فرقوں میں اہل سنت سے قریب وہ ہیں جنکا قول ہے کہ ایمان کہتے ہیں دل اور زبان دونوں سے تصدیق و اقرار کرنے کو۔ رہے سارے اعمال سو فقط فرائض وشرائع اسلام ہیں۔ ایمان انہیں داخل نہیں اور انہیں اہلسنت سے بعید دو فرقے ہیں ایک اصحاب جہم ابن صفوان جنکا قول یہ ہے کہ ایمان صرف تصدیق بالقلب کا نام ہے۔ اگرچہ مومن کفر وتثلیث کے کلمے زبان سے کہے اور بت پرستی کرے اور یہ بطور تقیہ کے بھی نہ ہو تب بھی ایمان نہیں جا سکتا جب تک تصدیق بالقلب باقی ہے۔ دوسرے اصحاب محمد بن کرام جنکا قول یہ ہے کہ ایمان فقط زبان سے اقرار کرنے یعنے کلمۂ شہادت کے پڑھنے کو کہتے ہیں۔ پس اگر کوئی شخص دل سے کفر کا معتقد ہو تو اسکا ایمان باطل نہیں ہو سکتا جب تک زبانی اقرار باقی ہے۔ اسی طرح اور باقی فرقوں کا ذکر کیا ہے۔ خبیۃ الاکوان میں لکھا ہے کہ معتزلہ میں اہلسنت سے قریب وہ ہیں جو کہ اصحاب حسین نجار و بشر بن غیاث مریسی ہیں اور بعید انکے اصحاب ابو ہذیل علاف ہیں اور مذاہب شیعہ میں اہلسنت سے قریب اصحاب حسن بن صالح بن حی ہیں جنکا فرقہ صالحیہ کہلاتا ہے اور شیعہ زیدیہ میں شمار پاتا ہے۔ اور ان میں سے بعید فرقہ امامیہ ہے ہے غلاۃ انکے سو وہ سرے سے مسلمان ہی نہیں بلکہ اہل ردت و شرک ہیں اور قریب فرقہ خوارج میں اصحاب عبداللہ بن یزید اباضی ہیں اور بعید انکے ازارقہ ہیں۔ سو یہ طبقے اور وہ جو منکر کسی شئے کے قرآن سے ہیں اور اجماع کے مخالف ہیں جیسے عجاردہ وغیرہ سو وہ باجماع امت کفار ہیں۔ واضح رہے کہ ہم نے فرقوں کے بیان میں شرح مواقف وملل ونحل وغیرہ کی حذو اختیار کی ہے اسی واسطے ہم نے جہمیہ کو جبریہ میں اور کرامیہ کو

قدریہ میں اور مریسیہ کو مرجیہ میں ذکر کیا ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس صاحب اشعۃ اللمعات کا قول ہے کہ ۷۳ فرق اہل امت کا ۷۳ فرقوں پر حدیث صحیح سے ثابت ہے اسطرح کہ معتزلہ کے ۲۰ فرقے ہیں۔ اور شیعہ ۲۲۔ اور خوارج ۲۰ اور مرجیہ ۵ اور نجاریہ ۳۔ اور ایک ایک فرقہ جبریہ اور مشبہ اور ناجیہ یعنے اہل سنت وجماعت کا۔ اور واضح رہے کہ ۷۳ فرقے جو جو مشہور ہیں اُن میں بھی کئی فرقے شل شاخوں کے ظاہر ہوئے ہیں جو شخص جس فرقے کا کام کریگا اُس میں شمار پاوے گا۔ اور ان شاخوں کی وجہ سے شمار فرقوں کا تہتر سے بڑھ گیا ہے میر سید شریف نے تعریفات میں لکھا ہے اہل اہوا سے مراد وہ اہل قبلہ ہیں جنکا عقیدہ اہلسنت کا نہیں۔ اور وہ جبریہ اور قدریہ اور شیعہ اور خوارج اور معطلہ اور مشبہ ہیں اور انمیں سے ہر ایک کے بارہ فرقے ہیں۔ اس صورت میں بہتر فرقے ہوگئے مگر یہ قول سید صاحب کا تحقیق نہیں اسلئے کہ اسی قدر فرقوں میں اہل اسلام کے فرقوں کا حصر نہیں ہے۔ تہتر سے بہت زیادہ تعداد ہوگئی ہے اور آنحضرت نے جو تہتر کا عدد فرمایا ہے وہ غالباً انحصار کے لئے نہیں بلکہ اظہار کثرت مقصود ہے۔

اب سمجھنا چاہیئے کہ انحصار بڑے بڑے گروہ اسلام کا اِن فرقوں میں ہے۔ ناجیہ۔ معتزلہ۔ شیعہ۔ خوارج۔ مرجیہ۔ نجاریہ۔ جبریہ۔ قدریہ۔ مشبہ۔

فرقہ ناجیہ

سب سے بہتر تفسیر واسطے تعیین اس گروہ کے یہی حدیث نبوی ہے جو کہ دلیل صریح ہے اس بات پر کہ ناجی وہی گروہ ہے جو کہ خاص حضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپکے اصحاب کی راہ پر چلتا ہے اور کسی طرح کی بدعت وہوا میں مبتلا نہیں ہے۔ جس طرح ابوہریرہ نے بخاری ومسلم نے روایت کی ہے کہ ایک اعرابی نے شرائع اسلام کو حضرت سے دریافت کرکے یہ عرض کیا تھا والذی نفسی بیدہ لا ازید علی ھذا شیئا ولا انقص منہ یعنے قسم ہے اُس ذات پاک کی کہ جان میری اُسکے ہاتھ میں ہے کہ جو آپنے فرمادیا ہے میں اُس پر نہ کچھ زیادہ کرونگا اور نہ اس سے کچھ کم کرونگا۔ اسپر حضرت نے اسکو جنتی فرمایا تھا

یعنے ناجی نار ہے۔ سو جو کوئی دعویٰ نجات کا کرے اور اسکے عقائد و اعمال خلاف طریقہ حضرت و سیرت صحابہ کے ہوں تو وہ دعوے اسکا باطل ہے۔ اسلام کے تہتر فرقوں میں سے کوئی فرقہ ہے جو آپکو ناجی اور اپنے مخالف کو ناری نہیں جانتا ہے۔ ایک امامیہ مذہب شاعر کہتا ہے کہ ناجی بجز فرقۂ اثنا عشری ہے۔ لیکن تصدیق اس دعوی کی یا تکذیب اسکی اسی طرح پر ممکن ہے کہ جسکا عقیدہ و عمل "ما انا علیہ و اصحابی" کے موافق ہو وہ ناجی ہے اور جسکا عقیدہ و عمل اسکے مخالف ہو وہ ناری ہے۔ سو ایسا فرقہ ہر زمانہ میں یہی فرقہ سلف صالحین اور اہلسنت و جماعت کا ہے۔ اور مراد سلف سے اصطلاح شرح شریف میں اولاً و بالذات عصر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا ہے۔ ثانیاً و بالعرض زمانہ تابعین پھر عہد تبع تابعین بالاحسان کا۔ اور نہایہ میں ہے کہ سلف اور خلف کے درمیان فرق یہ ہے کہ سلف صالحین سے مراد تابعین کا صدر اول ہے۔ انہیں سے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور خلف بفتح لام وہ لوگ ہیں جو تابعین کے بعد نیک لوگ ہیں اور صدر الشریعۃ نے کہا ہے کہ سلف سے مراد صحابہ اور علماء مجتہدین ماضیین ہیں اور احسان کی تعریف حدیث جبرئیل علیہ السلام میں جسکو مسلم نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے یوں آئی ہے ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔ یعنے وقت عبادت خدا کے یوں سمجھے کہ گویا اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ پھر اگر یہ جانے کہ اسکو نہیں دیکھتا ہے تو اسمیں تو کچھ شک نہیں ہے کہ اللہ اسکو دیکھ رہا ہے۔

اہل سنت کے اعتقاد میں تین فرقے ہیں۔ اشعری۔ ماتریدی۔ حنبلی

اشعریہ۔ تبع ہیں شیخ ابو الحسن علی اسمٰعیل اشعری ساکن بصرہ کے جنہوں نے ۳۲۰ھ میں بمقام بغداد انتقال کیا ہے۔

ماتریدیہ۔ تابع ہیں ابو منصور محمد بن محمود ماتریدی کے جو تین واسطے سے امام ابو حنیفہ کے شاگرد ہیں اور ۳۳۳ھ ہجری میں وفات پائی۔ اور ماترید جو سمرقند کے قریب ایک گاؤں ہے وہاں کے رہنے والے تھے۔

حنابلہ۔ اتباع امام ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل شیبانی ہیں جو بغداد میں ۲۴۱ھ ہجری

میں پیدا ہوئے اور اسی شہر میں ۴۷۱ھ ہجری میں وفات پائی۔

اشاعرہ و ماتریدیہ و حنابلہ میں مسئلہ تکوین اور استثناء اور ایمان اور حدوث وقدم وکلام لفظی وغیرہ دس بارہ مسائل میں اختلاف ہے باقی میں اتفاق سو مسئلہ اختلافیہ میں مالکی اور شافعی لوگ امام ابوالحسن اشعری کے تابع ہیں اسواسطے انکو اشعریہ کہتے ہیں اور حنفی لوگ امام ابو منصور ماتریدی کے قول کے تابع ہیں اسی سبب سے انکو ماتریدیہ کہتے ہیں اور امام احمد حنبل کے مقلد لوگ حنبلی کہلاتے ہیں۔ اس طریقہ کے کچھ لوگ شام عراق بغداد اور نجد کے نواحی میں ہیں یہ معتقد تاویل صفات کے نہیں ہیں جو لوگ خاص متبع ہیں وہ آپکو ہرگز حنبلی نہیں کہتے کہلاتے انکا لقب محدث اور خطاب اہل سنت ہے

عقاید ماتریدیہ کی تفصیل

اسباب علم یعنے یقین[1] بلحاظ جریان عادت الٰہی ظاہر میں تین ہیں اول حواس خمسہ ظاہرہ

[1] ۔ علم کے یہ معنے لینے کی وجہ سے کہ اس فن میں ان مسائل سے بحث کیجاتی ہے جو دین اسلام کی اصلی باتوں سے متعلق ہوتے ہیں اور جنپر شرع اور اثبات شرع کا دارمدار ہوتا ہے اور جو باتیں ایسی ہوتی ہیں انکا اذعان کامل اور عقیدہ جازم ہوتا ہے۔ اگرچہ عرف علماء میں علم کا اطلاق بہت سے معانی پر ہوا کرتا ہے چنانچہ (۱) ادراک مطلقاً تصور ہو یا تصدیق یقینی ہو یا غیر یقینی (۲) تصدیق مطلقاً یقینی ہو یا غیر یقینی (۳) تصدیق یقینی (۴) تعین و تصور مطلقاً (۵) تعقل (۶) توہم و تعقل و تخیل (۷) ادراک کلی مفہوم ہو یا حکم (۸) ادراک مرکب تصور ہو تصدیق وغیرہ وغیرہ مگر متکلمین کے یہاں علم کا استعمال سوائے یقین کے کسی اور معنے میں نہیں۔ اور علم کی تعریف میں بھی اختلاف ہے (۱) معتزلہ کہتے ہیں کہ علم نام ہے اعتقاد کرنے شے کا جس حالت پر وہ ہے ضرورت سے یا دلیل سے اور جس حالت سے مراد یہ ہے کہ واقع کے مطابق ہو اسکے خلاف نہ ہو۔ اس تعریف پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے۔ ممتنعات جن کو نفس الامر میں ثبوت نہیں وہ اشیاء میں داخل نہیں اور تم نے علم کی تعریف میں شے کو بھی لیا ہے تو ممتنعات کا علم اس تعریف سے خارج ہو جائیگا ہاں لغت کی رو سے ممتنع بھی ایک شے ہے مگر اصطلاح کے مطابق اسپر شے کا اطلاق نہیں ہوسکتا

کہ سمع و بصر و شم و ذوق و لمس ہیں۔ گو کبھی بعض موقعوں پر کسی مانع کے سبب سے حس غلطی کرتی ہے جیسا کہ بھینگا ایک کو دو دیکھتا ہے اور صفراوی شیرین کو تلخ جانتا ہے مگر یہ نادر ہے والنادر کالمعدوم پس غالباً عدم موانع کی صورت میں حس سے علم یقینی حاصل ہوتا ہے، اسلئے حس کو مفید علم یقینی و قطعی جانتے ہیں دوم عقل کو۔ عقل بھی کبھی بسبب مزاحمت وہم و خیال کے یا بسبب لحاظ کرنے شرائط برہان کے خطا کرتی ہے لیکن چونکہ اکثر موانع نہ ہونیکی صورت میں یقین حاصل ہوتا ہے اسلئے عقل بھی مفید علم یقینی و قطعی ہے سوم۔ خبر ہے کہ حقتعالی نے واسطے حاصل ہونے علم سامع کے مافی الضمیر متکلم پر اسکو وضع کیا ہے۔ لیکن احتمال کذب متکلم کبھی قصداً اور کبھی خطاءً بسبب قصور فہم اور حافظے وغیرہ کے البتہ مانع حصول علم یقینی ہوتا ہے اسلئے خبر مطلق اسباب علم یقینی سے نہیں بلکہ ظنیات سے ہے البتہ جس خبر میں احتمال کذب باقی نہ ہو اُس سے یقین حاصل ہوتا ہے۔ اور خبر صادق دو قسم پر ہے (۱) خبر متواتر جو ایسی جماعت سے حاصل ہوئی ہو کہ عقل کے نزدیک اُنکا اتفاق کذب پر بالبداہتہ ممتنع ہو اور اس جماعت نے اسی طور جماعت اول سے یقین حاصل کیا ہو و ہکذا۔ یہانتک کہ وہ خبر کسی ایک حس پر منتہی ہو

(۲) ابو الحسن اشعری کہتے ہیں علم وہ صفت ہے کہ جسکے ساتھ قائم ہو اسکا عالم ہونا واجب کرے اور اشعری نے یوں بھی تعریف کی ہے کہ علم ادراک معلوم کا ہے مطابق واقع کے۔ مگر دونوں تعریفوں میں علم اور معلوم ماخوذ ہونیکی وجہ سے دور ہے اور دور محال ہے اور مطابقت واقع کی قید بھی زائد ہے اسلئے کہ جو علم واقع کے مطابق نہ ہو وہ جہل ہے۔ (۳) علمائے ماتریدیہ کے نزدیک جو تعریف علم کی مختار ہے وہ یہ ہے۔ علم ایک ایسا وصف ہے کہ جسکے ساتھ وہ قائم ہوتا ہے اُس موصوف پر سبب اُس وصف کے مذکور ظاہر ہو جاتا ہے اور مذکور سے مراد وہ شے ہے جسکا ذکر زبان یا دل کے ساتھ ہو سکے اس صورت میں تمام مفہومات داخل تعریف رہینگے خواہ وہ بالفعل ذہن میں موجود ہوں یا نہوں۔ غرض کہ یہاں شے کا مرادف ہے اور حیوانات مطلق کی صفات اس تعریف سے نکل گئیں اگرچہ بوجہ انکے انسان کو حالات معلوم ہو جاتے ہیں۔ مگر اُن صفات سے اپنے موصوفوں کو کوئی فائدہ کشف و علم کے قبیل سے حاصل نہیں ہوتا۔ اسی طرح انسان کی بھی وہ کل صفات نکل گئیں جنسے اظہار و کشف کا کوئی تعلق نہیں ہے

(بقیہ حاشیہ برصفحہ ۷)

اور پھول کے اور سردی پانی کے اور گرمی آگ کے اور افعال اختیاری حیوان کے بغیر موجود نہیں ہو سکتے اور تمام اعراض حادث ہیں۔ بعضے کا حادث ہونا مشاہدے سے معلوم ہوتا ہے مثلاً سیاہی کے بعد سفیدی یا گرمی کے بعد سردی یا نور کے بعد ظلمت پیدا ہو جاتی ہے اور بعض کا حادث ہونا اس دلیل سے ثابت ہوتا ہے کہ عرض عدم کو قبول کرتا ہے یعنے فنا ہو جاتا ہے۔ مثلاً سفیدی جا کر سیاہی آجاتی ہے۔ یا کسی بدن میں سردی آنے سے گرمی دور ہو جاتی ہے اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ جو چیز قدیم ہوتی ہے وہ کبھی فنا نہیں ہوتی۔ پس ثابت ہوا کہ اعراض قدیم نہیں ہیں اور یہی مدعا ہے اور اعیان بھی سب حادث ہیں کیونکہ عین یا تو جسم ہے یا جوہر فرد پس ہر جسم اور جوہر کو حرکت اور سکون عارض ہے۔ اسلئے کہ اُنکے واسطے مکان یا حیز یعنے ٹھیرنے کی جگہ تو ضرور ہے پس اگر اس آن سے پہلے بھی اس حیز یا مکان میں تھے تو ساکن ہیں ورنہ متحرک اور حرکت وسکون بسبب عرض ہونیکے حادث ہیں پس یہ جسم اور جوہر کہ جن کو یہ حرکت وسکون عارض ہے حادث ہیں ورنہ لازم آئیگا کہ حوادثات ازل میں پائی جاویں۔ اور قدیم کہلائیں اور یہ محال ہے پس جب کل اعیان اور اعراض کا حادث ہونا ثابت ہوا تو کل عالم کا حادث ہونا بھی ثابت ہو گیا۔ کیونکہ کل عالم اُنہی دو میں منحصر ہے اور وہ ایک دن فنا ہو جائیگا اور عالم کا عدم سے وجود میں لانے والا اللہ تعالےٰ ہے جو موجود ہے کیونکہ اُس نے عالم کو پیدا کیا اور وجود عطا فرمایا پس جو ایسا ہوگا وہ موجود ہوگا اور واجب الوجود ہے یعنے خود بخود ہے اُس نے سب کو بنایا ہے۔ اسکو کسی نے نہیں بنایا نہ ہو اُسکا ممتنع ہے۔ کیونکہ اگر وہ ممکن الوجود ہو تو صانع کیطرف محتاج ہوگا اور احتیاج ممکن کے

بھی داخل ہیں (۳) بدیہیات یعنے وہ قضایا کہ عقل بمجرد اُنکے تصور کے حکم لگا دیتی ہے اور کسی حس یا غیر حس کی استعانت کی ضرورت نہیں پڑتی اور متکلمین کہتے ہیں کہ ضروری اور کسبی علم حادث کی قسمیں ہیں اور منطقی کہتے ہیں کہ مطلق علم کے اقسام ہیں پس متکلمین کے نزدیک اللہ تعالےٰ کا علم ضرورت اور کسب کے ساتھ متصف نہیں ہو سکتا بلکہ ان دونوں میں واسطہ ہے اور منطقیین کے نزدیک ضروری میں داخل ہے۔ بعدم موقوف ہونے کے نظر پر ۱۲

بقیہ حاشیہ صفحہ

پیدا کرنیوالے کے لئے منافی ہے یکتا ہے اسلئے کہ اگر آسمان وزمین میں بہت سے معبود ہوتے
تو انتظام بگڑ جاتا کیونکہ اگر دو ہوتے تو دونوں قدرت والے ہوتے یا ایک عاجز ہوتا
تو جو عاجز ہوتا وہ خدائی کے لائق نہ ہوتا اور دونوں قدرت والے نہیں ہو سکتے کیونکہ
آپسمیں مخالفت کسی کے مارنے اور زندہ کرنے میں مثلاً ممکن ہے پس دونوں میں سے
ایک کو ضرور عاجز ہونا پڑتا اگرچہ بالفعل آپسمیں اتفاق ہے۔ قدیم ہے یعنے ہمیشہ سے
ہے اور ہمیشہ رہیگا کیونکہ وہ واجب الوجود ہے پس محال ہے کہ قدیم نہ ہو۔ علیم ہے کہ ہر
جزی وکلی کو ازل سے ابد تک جانتا ہے کیونکہ اسکے کام استوار و مستحکم ہیں پس فاعل ایسے
افعال کا بالضرور عالم ہے اور ہر جزو کل پر ممکنات سے ازل ہی سے قدرت رکھتا ہے
کیونکہ تمام مقدورات کو اسکی ذات مقدس کیطرف برابر نسبت ہے پس بعض کے
ساتھہ اسکی قدرت کا متعلق ہونا اور بعض کے ساتھہ نہیں ترجیح بلا مرجح ہے اور یہ
محال ہے۔ زندہ ہے کیونکہ اسکے لئے علم وقدرت وارادہ ثابت ہے اور یہ بدوں
حیات کے ممکن نہیں اور یہاں مراد حیات سے بقا اور وجود ایسی حالت کے ساتھہ ہے
کہ اشیا کو ادراک کر سکے اور انپر قدرت حاصل ہو۔ نہ وہ معنے مراد ہیں جو حیات سے عرف
میں سمجھے جاتے ہیں یعنے قوت حس وقوت تغذیہ اور وہ قوت جو اعتدال نوعی کے تابع
ہوتی ہے۔ اور اسکے طفیل تمام قوائے حیوانی حاصل رہتے ہیں مختار ہے جو چاہتا ہے
کرتا ہے فعل اور ترک فعل اسکے اختیار میں ہے کیونکہ عالم پہلے نہ تہا پھر دوسرے
زمانہ میں اسکو ایجاد کیا پس زمانہ سابق میں عالم کو ایجاد نہ کرنا اور زمانہ لاحق میں
ایجاد کرنا دلیل اس امر پر ہے کہ حقتعالے مختار ہے۔ بے زبان کے گویا ہے کانوں کے
شنوا ہے آنکھوں کے بینا ہے کیونکہ گونگا اور بہرا اور اندہا اور ناقص لائق خدائی کے
نہیں اور سننے اور دیکھنے کی صفات اسکے لئے علیحدہ ثابت ہیں مسموعات و مبصرات
کے جاننے کا نام سمع و بصر نہیں اور اسکا کلام حروف اور آواز سے مبرا ہے۔ کیونکہ یہ
دونوں حادث ہیں اور حق تعالے قدیم ہے اور یہ بات محال ہے کہ ذات قدیم محل حوادث
ہو بلکہ کلام الہی ایک معنی ہے جو اسکی ذات کے ساتھہ قائم ہے اسے کلام نفسی کہتے ہیں

اور جو کلام اس کلام نفسی پر دلالت کرتا ہے وہ کلام لفظی ہے اور کلام لفظی حروف اور اصوات سے مرکب ہوتا ہے اور کلام نفسی غیر مخلوق ہے کہ یہ صفت ازل سے ابد تک اُسکو حاصل ہے اسکے سبب سے جس سے چاہتا ہے کلام کرتا ہے سو یہ کلام الٰہی اس سبب سے ہے کہ اُسکی صفت ہے اور یہ الفاظ اور عبارات قران کے جو کلام لفظی ہے انکو کلام الٰہی اسلئے کہتے ہیں کہ یہ سوا خدا کے کسی اَور کی تالیف اور تصنیف نہیں ہے بلکہ انکو خاص اللہ تعالےٰ نے اپنے کلام نفسی کے سمجھنے کے لئے نہایت فصیح و بلیغ زبان عربی میں کہ جسکا مثل بنانا طاقت بشری سے باہر ہے. محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا ہے. اور قران کا اطلاق کلام نفسی اور کلام لفظی دونوں پر ہوتا ہے. اور غیر مخلوق قران نفسی ہے نہ لفظی. اور خدائے تعالےٰ کے کلام میں یہ تین مضمون ہیں امر و نہی اور خبر اور حق تعالےٰ صاحب ارادہ ہے اور ارادہ اسکا حادث نہیں ہے قدیم ہے. اور ارادہ الٰہی متعلق ہوتا ہے ہر موجود سے خواہ وہ عین ہو یا عرض خیر ہو یا شر کفر ہو یا اسلام طاعت ہو یا معصیت. اور حکم خدا مستلزم ارادہ کو نہیں اور نہ نہی مستلزم عدم ارادہ کو بلکہ حکم کیا ہے کافۂ انام کیواسطے اسلام اور طاعت کے اور نہی فرمائی ہے کفر و معصیت سے اور ارادہ کرتا ہے اسلام مومن کا اور کفر کافر کا اور بغیر ارادہ الٰہی کے کوئی چیز موجود نہیں ہوسکتی اسلئے کہ قدرت ایجاد کی بہ نسبت ہر ممکن کے برابر ہے اختلاف اوقات سے مختلف نہیں ہوتی.

ارادہ وہ ہے کہ تخصیص کرتا ہے موجودات کو بوقت دُون وقت و کمیتہ دُون کمیتہ و کیفیتہ دُون کیفیتہ اور مثل اسکے. اور جس چیز کا کہ حق تعالےٰ ارادہ کرتا ہے بے شک واقع ہوتی ہے. تخلف مراد الٰہی سے محال ہے کہ مستلزم عجز کو ہے اور جس چیز کے عدم وقوع کو اللہ تعالےٰ جانتا ہے تعلق ارادہ کا اُسکے ساتھ محال ہے ورنہ عجز یا جہل لازم ہوا اور جائز ہے کہ حکم کرے واسطے اظہار عصیان عاصی کے یا کسی دوسری حکمت کیواسطے پس اگر خدا چاہے کہ کسی شخص کو ہدایت فرمائے تو کسی کی قدرت نہیں کہ اسکو گمراہ کرسکے ورنہ کوئی دوسرا خدا پر غالب آوے اور اگر خدا چاہے کہ کسی کو گمراہ کرے تو کسی کی مجال نہیں کہ اسکو ہدایت کرے اور سب کمال کی صفتیں اُسکی ذات میں موجود

ہیں اور نقصان و زوال کی چیزوں سے اُسکی ذات پاک و منزہ ہے اور صفات اُسکی قدیم و باقی ہیں جیسی اُسکی ذات قدیم و باقی ہے اور کوئی چیز حادث اُسکی ذات میں قائم نہیں ہوتی کیونکہ قدیم محل حادث نہیں ہوتا۔ اور یہ سب صفات اُسمیں یوں نہیں ہیں جیسی انسان اور حیوان میں پائی جاتی ہیں کیونکہ انکی صفات اعضا و حواس و روح و دل سے متعلق ہوتی ہیں اور اللہ تعالےٰ ان چیزوں سے بری ہے اور با اینہمہ سب صفات کامل طور پر اُسمیں موجود ہیں اور ان صفات کے قدم سے ان کے متعلقات کا قدم لازم نہیں آتا کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ صفت قدیم ہو اور اُسکا تعلق حادث اور ان صفات کے تعلقات میں تغیر آنے سے صفات میں تغیر نہیں آتا اور اسکی صورت یہ ہے کہ مثلاً علم معلوم سے متعلق ہوگا تو اس صفت کے تعلق میں تغیر آئیگا کیونکہ معلوم کے وجود سے پہلے کسی سے متعلق نہ تہا۔ اسی طرح صفت خالقیت کا تعلق بہی مخلوقات کے تغیر سے متغیر ہوگا اور یہ سب صفات قائم ہیں ذات الٰہی کے ساتہہ اور قدیم ہیں مگر نہ عین ذات الٰہی ہیں اور نہ اُسکے مغایر یعنے منفصل ہیں۔ اسصورت میں قدم غیر اور تعدد قدما کی قباحت نکل گئی اور صفت خدا کی دوسری صفت کی نہ عین ہے اور نہ غیر ہے اور صفات خداے تعالےٰ کی تماثل و تجانس و متضاد نہیں ہیں اسلئے کہ یہ سب محدثات کی نشانیاں ہیں اور اللہ تعالےٰ کی صفات محدث نہیں ہیں۔

اور حق تعالےٰ کی صفات ذات اور صفات فعل میں فرق نہیں ہے صفات ذات صفات حقیقی اور کمالی ہیں اُسکی ذات مقدس سے انکا انفکاک محال ہے اور صفات کمال آٹھ ہیں۔ حیات۔ علم۔ قدرت۔ ارادہ۔ سمع۔ بصر۔ کلام۔ تکوین اور صفات فعل صفات ذات کے آثار ہیں فی الحقیقت انکے ساتہہ متصف ہونا کمال نہیں بلکہ انپر قابو رکہنا کمال ہے۔ مثلاً پیدا کرنا حقیقت میں کمال نہیں بلکہ اسپر قدرت حاصل ہونا کہ جس وقت میں اسکی ضرورت ہو وقوع میں آسکے یہ کمال ہے۔ پس یہ ممکن نہیں کہ حق تعالےٰ ایک زمانہ میں تو پیدا کرسکتا ہو اور دوسرے زمانہ میں پیدا نہ کرسکتا ہو یہی حال نعمت اور خشیت و حمد فعل اور ترزیق وغیرہ صفات فعل کا ہے اور اللہ تعالےٰ کی صفتوں میں ترتیب نہیں کہ ایک سے

دوسری پہلے پیدا ہوئی ہے جیسے بندوں میں پہلے زندگی آئی پیچھے علم پھر قدرت
آئی کیونکہ اسمیں حدوث لازم آتا ہے۔اور پروردگار عالم نہ جسم ہے[1] یعنے طول
وعرض وعمق نہیں رکھتا اور نہ جوہر یعنے جزو لایتجزی ہے جس سے جسم بنتا ہے اور نہ عرض
ہے کہ قائم بالغیر ہو جیسے رنگ و بو۔اور نہ صورت رکھتا ہے کیونکہ اگر ایسا ہو تو ممکن اور
محتاج طرف صانع کے ہوگا۔اور یہ محال ہے اور نہ مرکب ہے یعنے اُسکی ذات کیواسطے
نہ اجزا ترکیبی ہیں کہ کئی چیزوں سے ملکر بنی ہو اور نہ اجزا تحلیلی کہ اُسکی ذات کا
نصف وربع وغیرہ ہو سکے۔کیونکہ اگر مرکب ہو تو محتاج ہوگا اجزا کی طرف اور محتاج
ممکن ہوتا ہے اور نہ وہ معدود ہے کہ اسکو گن سکیں کہ کے ہیں اسلئے کہ وہ
ایک ہے اور ایک عدد میں داخل نہیں۔اور نہ محدود ہے کہ حد نہایت رکھتا
ہو اسلئے کہ حد اور غایت اُسکی ہوتی ہے جسکا حصر اور انتہا ہو سکے جیسے نقطہ
خط کی حد ہے اور خط سطح کی اور سطح جسم کی اور نہ کسی طرف ہے یعنے نہ اوپر ہے
نہ نیچے نہ آگے ہے نہ پیچھے نہ دائیں ہے نہ بائیں اور نہ کسی مکان میں ہے کیونکہ اگر
کسی مکان میں ہو تو ضرور اُسکا محتاج ہوگا۔اور ثابت ہوا ہے کہ اللہ تعالےٰ نہ جسم ہے
اور نہ عرض پس مکان میں نہ ہوگا۔اور نہ کسی زمانہ میں ہے۔یعنے زمانہ شامل اور
محیط اُسکا نہیں کیونکہ جب زمانہ نہ تہا تب بہی وہ موجود تھا اور اب کہ زمانہ ہے
اب بہی وہ موجود ہے۔مثلاً یہ نہیں کہہ سکتے کہ خدا لاکھ برس کا یا ہزار برس کا ہوا اور
کوئی اُسکا ذات و صفات میں مثل و مانند نہیں اور نہ کوئی اُسکا شریک ہے وجوب وجود

[1] ۔قرآن اور احادیث میں جو اللہ تعالیٰ کے حق میں منہ اور ہاتھ اور قدم اور ساق اور لب اور انگلی
اور فوقیت اور استوا علی العرش اور نزول اور دنو وغیرہ الفاظ وارد ہیں۔اس میں دو صورتیں ہیں۔ایک
یہ کہ یہ الفاظ اپنے معانی ظاہری پر محمول ہیں اور کیفیت اور تفصیل اُنکی اللہ ہی خوب جانتا ہے۔دوسرے
تاویل کرتے ہیں مثلاً استوا سے استیلا۔اور ید سے قدرت اور وجہ سے ذات اور قدم سے قدم
بعض مخلوقات الٰہی کا اور اللہ کے نزول سے اُسکی رحمت کا نزول اور لبوں سے کثرت [illegible] اصبع
سے لتصرف مراد ہے۔۔

اور استحقاق عبادت اور پیدائش و تدبیر میں اور نہ کوئی اُسکا مخالف ہے ہمجنس یا غیر منجنس سے اور نہ کوئی اُسکے کاموں میں معین و مددگار اور نہیں جائز ہے کہ حق تعالےٰ حلول کرے اپنے غیر میں کیونکہ غیر میں درآنا صفت جسم سے ہے۔ اور نہ اپنے غیر کے ساتھ متحد ہو سکتا ہے کیونکہ اتحاد کے معنے یہ ہیں کہ دو شئے ایک ہو جائیں بغیر زیادتی اور کمی کے۔ اور یہ محال ہے اور اللہ تعالےٰ متصف بالمحال نہیں ہوتا۔ اور نہ کیفیات نفسانی جیسے بھوک پیاس رنج و راحت وغیرہ کے ساتھ متصف ہے اور نہ لذات عقلی کے ساتھ اُسکا متصف ہونا جائز ہے کیونکہ اگر ایسا ہو تو لازم آتا ہے کہ نافرمانی کفار سے چاہیے متالم بھی ہو۔ اور بدا اللہ تعالےٰ پر جائز نہیں اسلئے کہ محال ہے کہ ظاہر ہووے اللہ پر وہ چیز کہ پہلے سے اُس پر ظاہر نہ تھی جس طرح کہ آدمی میں تبدیل رائے ہوتی ہے کیونکہ اس سے اللہ تعالےٰ کا جہل ثابت ہوتا ہے اور خالق و مکون جمیع موجودات یعنے اعیان و اعراض اور اُنکے افعال و حرکات و سکنات کا حق تعالےٰ ہے ممکن نہیں کہ کوئی اور کسی چیز کو پیدا کر سکے یا کسی چیز کے پیدا کرنے میں کوئی اور حق تعالےٰ کا شریک ہو۔ یا اُس نے کسی چیز کا پیدا کرنا اپنی مخلوقات میں سے کسی کے تفویض کیا ہے۔ پس سب خیر و شر اور نفع و ضرر اور حسن و قبح اُسکی قضا و قدر سے ہے انسان کو چاہیئے کہ کوشش کرے منافع کے حصول اور مضار کے دفع کرنے میں بقدر امکان کے پھر باوجود اسکے لائق ہے یہ کہ یقین کرے اس بات کا کہ اُسکی طرف وہی پہونچتا ہے جو کہ اللہ نے مقدر کیا ہے اور بندوں کے کاموں کا پیدا کرنے والا وہی ہے اسلئے کہ خالق سب چیزوں کا وہی ہے اور افعال و اعمال بھی بندوں کے سب چیزوں میں داخل ہیں بندے اپنے افعال کے کاسب ہیں خالق نہیں اور نہ شریک خلق ہیں کسب کے یہ معنے ہیں کہ جب بندہ کسی کام کا ارادہ مصمم کرتا ہے تو خدا تعالےٰ اُسمیں فعل پیدا کر دیتا ہے۔ کسب کی وجہ سے کاسب کو استقلال حاصل نہیں ہوتا اور خلق کی وجہ سے خالق مستقل ہوتا ہے۔ پس کفر و ایمان اور طاعت و عصیان اور نیکی و بدی بندوں کی اُسکے ارادے اور مشیت اور حکم و تقدیر سے صادر ہوتی ہے لیکن خدا تعالےٰ کفر و معصیت سے راضی نہیں اور نیکی سے راضی ہے خواہش کرنی اور پیدا کرنا اور ہے اور راضی ہونا اور۔ **رضا** وہ ہے کہ حکم نے کرے اور اکثر ہوتا ہے کہ حکم دیتا ہے

اور نہیں چاہتا ہے کہ واقع ہو لبسبب کسی حکمت کے کہ اُسکو سوا ے حق تعالےٰ کے دوسرا نہیں جانتا مگر باوجود اس بات کے کہ سب ارادہ وتقدیر الٰہی سے ہے بندوں کو بھی اعمال میں اختیار دیا گیا ہے کہ بندے اپنے کام اپنے ارادے واختیار سے کرتے ہیں نہ جبر واضطرار سے کہ اُسی کے سبب ثواب پاتے ہیں اور اُسی پر عذاب ہوتا ہے بندے کے افعال اختیاریہ اللہ تعالےٰ کے مقدور ہیں اختراع کی وجہ سے اور بندے کے مقدور ہیں تعلق کے سبب سے کہ اس کو **اکتساب** کہتے ہیں اللہ تعالےٰ کی قدرت مؤثرہ ہے اور بندہ کی قدرت کاسبہ وغیر مؤثرہ۔ پس افعال اختیاریہ جب بندے کی قدرت کیطرف منسوب ہوتے ہیں تو کسب کہتے ہیں اور جب اللہ تعالےٰ کی ذات پاک سے نسبت کئے جاتے ہیں تو خلق کہتے ہیں۔ پس بندے کے مکسوب اور اللہ تعالےٰ کے مخلوق ہونگے۔ اللہ تعالےٰ بندے کے افعال اختیاریہ کو اُسکے ارادے کے موافق پیدا کرتا ہے اگر وہ نیک کام کے کرنے کا قصد کرتا ہے تو فعل خیر کی قدرت و استطاعت اُسمیں موجود کر دیتا ہے اور اگر بُرے کام کا ارادہ کرتا ہے تو اُسکے کرنیکی قدرت اُسمیں پیدا کر دیتا ہے بندہ آپ ہی فعل خیر کی قدرت کو ضائع کر دیتا ہے اسلئے ذم و عذاب کا مستحق ہوتا ہے۔ غرضکہ بندہ کاسب ہے اور کسی قدر اختیار رکھتا ہے۔ اسی کا معتقد ہونا چاہیے کہ خلق خدا سے ہے اور عمل بندے سے فرق اتنا ہے کہ امر نیک پر اسکی رضا ہے اور بد کام اُسکی رضا اور خوشنودی کے خلاف ہے۔ اسکی مثال یوں سمجھنا چاہیئے کہ ایک شخص اپنے غلام سے کہے کہ تو بازار کو جا اور فلانی چیز لے آ۔ تجھے اختیار ہے کہ زبردستی چھین لا یا دام دیکر خرید لا۔ اگر دام دیکر لائیگا تو ہم خوش ہونگے اور جو زبردستی چھین لائیگا تو ہم ناخوش ہونگے اس صورت میں اگر اُس نے خلاف مرضی اپنے مالک کے کام کیا تو قطعًا سزا پانے کا سزاوار ہے اسی طرح حق تعالےٰ نے بندوں کو ایک طرح کا اختیار دیا ہے کہ وہ اُس اختیار سے اچھے اور بُرے دونوں طرح کے کام کا قصد کر سکتے ہیں اور یہ بھی کہدیا ہے کہ اچھے کاموں سے ہم راضی ہیں اور بد کام ہماری نارضامندی کا باعث ہیں اب بندہ جیسا کام کریگا ویسا اُسکا بدلا پائیگا اور یہ عین عدل و انصاف ہے حقیقت کار امر متوسط ہے درمیان جبر کے اور قدر کے دلیل اس مدعا کی شریعت ہے مگر جو معتقدات میں بحث کرتے ہیں اور اُنکو دلائل عقلی سے ثابت کرتے

جب تک کوئی بات معقول نہ ٹھہرے تصدیق نہیں کرتے وہ اس امر متوسط کے ادراک میں حیران ہیں اور اللہ پر کوئی شے واجب نہیں ہے نہ لطف و نہ قہر نہ ثواب و عذاب ہر چیز کا بدلہ دینا اور روزی پہونچانا اُسکا احسان ہے۔ ہمارا استحقاق اُس پر کچھ نہیں ہے اگر وہ عوض نہ دے اور روزی نہ پہونچائے تو اسپر قباحت لازم نہیں کیونکہ ساری مخلوقات اُسکی مملوک ہے اور مملوک کا مالک پر کیا استحقاق ہوتا ہے کہ اُسکے حق میں بہتری اور لطف و مہربانی اور رعایت مصلحت مالک پر واجب ہووے ورنہ کسی کافر مفلس کو پیدا نہ کرتا۔ کیونکہ اُسکو دنیا و آخرت میں خسارہ ہے۔ دوسرے اُسکا کسی بندے پر احسان و امتنان ثابت نہ ہوتا کیونکہ اگر اُس نے کسی کو دین و دنیا کی نعمتیں دیں تو اُس چیز کو کیا جو اُسپر واجب تھی تیسرے ابوجہل لعین اور نبی علیہ السلام پر اللہ کا احسان برابر ہوتا الخ کچھ زیادہ شکرگذاری حضرت پر واجب نہ ہوتی۔ اُس نے جو دونوں کے لئے اصلح تھا وہ کیا۔ اپنے واجب سے فارغ الذمہ ہوا۔ اور اللہ کے کاموں میں کچھ غرض نہیں۔ کیونکہ غرض والا محتاج ہوتا ہے اور باوجود اسکے اُسکا ہر ایک کام لاکھوں حکمتوں سے بھرا ہے کوئی اسکو دریافت نہیں کرسکتا اور اُسکے فوائد و منافع واسطے خاص و عام کے ہیں نہ واسطے اُسکی ذات مقدس کے کہ اسکو کسی چیز کی احتیاج نہیں۔ اور ہر چیز میں برائی بھلائی عقل کی طرف سے ہے جیسے کہ صانع عالم اور اُسکی توحید اور صفات کمالی کی معرفت عقلی ہے شرع پر موقوف نہیں ورنہ دَور لازم آئیگا باوجودیکہ اُسپر شرع موقوف ہے۔ اسی طرح اشیا میں برائی بھلائی شرعی نہیں اسطرح کہ شرع نے جس کو اچھا کہا وہ اچھا اور جس کو بُرا کہا وہ برا ہے اگر عکس کرتی تو عکس ہوتا۔ مگر حسن و قبح عقلی اسبات کو نہیں چاہتا کہ اُسمیں حکم الٰہی بھی بندے کے لئے صادر ہو۔ مگر ان وہ لائق اور مستحق اسبات کے ہوتا ہے کہ اُسمیں حکم الٰہی نازل ہو کیونکہ اللہ تعالٰی حکیم مطلق ہے۔ نہ ترجیح بلا مرجح نہیں جائز رکھتا کہ اچھی چیز کو برا اور بری کو اچھا قرار دے بلکہ جو واقعی اچھی ہوتی ہے اُسکی نسبت حکم وجوب کا دیتا ہے اور جو بری ہوتی ہے اُسے حرام کرتا ہے۔ سو اصل حاکم اللہ ہے۔ شرع کھولنے والی ہے۔ پس جب تک اللہ رسولوں کو بھیجکر اور اپنا کلام نازل کرکے حکم نہ دے تب تک کوئی حکم حسن و قبح امر و نہی کا نہو گا یہی وجہ ہے کہ زمانہ فترت کے

لوگ ترک احکام الٰہی کی سزا میں معذب نہ ہونگے اور اسی وجہ سے پہونچنا دعوت کا تعلق وتکلیف میں شرط ہے۔ یعنے آدمی تعمیل احکام کے ساتھ بعد پہونچنے دعوت کے مکلف ہوگا پس کافر کو جب تک دعوت نہ پہونچے اُسوقت تک نہ وہ ایمان کے ساتھ مکلف ہے اور نہ بسبب کفر کے آخرت میں مواخذہ دار ہے۔ اور استطاعت فعل کے ساتھ ہوتی ہے اور استطاعت کے دو معنے ہیں ایک قدرت حقیقی کو کہتے ہیں جو فعل کے موجود کر دینے کے لئے کافی ہوتی ہے، دوسرے اسباب و آلات اور اعضا کی صحت وسلامتی کا نام ہے۔ اور مدار تکلیف شرعی کا پچھلی قسم کی استطاعت پر ہے اسی لئے بچہ اور مجنون ایمان کے ساتھ مکلف نہیں اور گونگا اقرار زبانی کے ساتھ مکلف نہیں اور مریض کہڑے ہو کر نماز پڑہنے کے واسطے مکلف نہیں کیونکہ ایسے لوگوں کے اعضا صحیح وسالم نہیں اسلئے استطاعت انہیں مفقود ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے جو فقہ اکبر میں کہا ہے کہ کسی پر اللہ تعالے نے کفر و ایمان کا جبر نہیں کیا ہے اسکا بھی مطلب یہی ہے کہ انسان کے ساتھ تعلق تکلیف کا مدار استطاعت کے معنے دوم پر ہے نہ معنے اول پر۔ پس جن لوگوں نے یہ کہا کہ وہ مرجیہ یا جہمیہ تھے یہ نیز سراسر بہتان ہے اور جو چیز انسان کی قدرت سے باہر ہو اُسکی تکلیف اُسے نہیں ہو جاتی اس مسئلے میں عقل ونقل دونوں متفق ہیں۔ یہی رائے معتزلہ کی ہے مگر اشاعرہ کہتے ہیں کہ عقل تکلیف مالایطاق تجویز کرتی ہے اور مقتول اپنی اجل سے وقت پر مرتا ہے اللہ جتنی عمر اپنی تقدیر ازلی کے ذریعہ سے اُسکے لئے مقدر کر دیتا ہے اور وقت جو اُسکی موت کا علم الٰہی میں ہے اُسی وقت پر اسکو موت آتی ہے۔ اسکی موت اللہ تعالے کا فعل ہے اسلئے اُسمیں کسیطرح تغیر تقدیم وتاخیر کے ساتھ قاتل کیوجہ سے پیدا نہیں ہوسکتا اور قاتل پر قصاص جاری ہونا اور اُسکو عذاب الٰہی پہونچنا یہ امر شرعی ہے شرع نے رفع تنازع اور انسداد فساد اور انتظام کے لئے یہ سزائیں مقرر کر رکھی ہیں۔ بندہ اگرچہ فعل قتل کا خالق نہیں مگر کاسب تو ضرور ہے جب وہ ایسے نامشروع فعل کے کسب کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالے موافق عادت کے اُسکے فعل کے بعد مقتول کی موت پیدا کر دیتا ہے اور موت مُردے کے ساتھ قائم ہے لہذا اللہ تعالی کی مخلوق ہے بندے کو اُسکے پیدا کرنے میں دخل نہیں ہے اور موت کا وقت ایک ہے

مقدور نہیں جو موت علم الٰہی میں ہر شخص کے مرنے کے واسطے معین ہے جس طور سے
مقرر اور مقدر کی گئی ہے اُسی وقت پر آتی ہے تقدیم و تاخیر نہیں ہوتی۔ اگر اس میں کچھ
بھی تغیر و تبدل ہو تو علم آلٰہی میں نقصان پایا جائے۔ اور حرام بھی رزق ہوتا ہے۔ اور ہر ایک
جاندار اپنی روزی پوری کرتا ہے حلال ہو یا حرام کوئی شخص غیر آدمی کی روزی جو اللہ نے
اُسکے لئے ازل میں اپنے علم اور قسمت ازلی کے ذریعہ سے مقدر کر رکھی ہے نہیں کہا سکتا
کیونکہ تقدیر آلٰہی کے خلاف ہونا ممتنع ہے اور رویت حق تعالیٰ کی امکانی ہے لیکن دخول
جنت سے قبل واقع نہ ہوگی۔ بعد دخول جنت مسلمان البتہ حق تعالیٰ کی رویت سے مشرف
ہونگے اور رویت کے دو طریق خیال میں آتے ہیں۔ ایک یہ ایسی اچھی طرح انکشاف ہو جائے
کہ عقل کے ذریعہ سے اتنا یقین پیدا ہو نہیں سکتا۔ پس گویا کہ یہی نظر کے ساتھ دیکھنا ہے
مگر یہ بات ہے کہ ایسا دیکھنا بغیر برابری اور مقابلہ اور جہت اور رنگ اور شکل کے ہوتا ہے
اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کسی قسم کی صورت پکڑ کر مسلمانوں کو اپنا دیدار دکھلائے
جیسا کہ احادیث صحیحہ میں صورتوں کا دیکھنا آیا ہے۔ اس صورت میں اللہ تعالےٰ کو اپنی آنکھ
سے رنگ اور شکل اور مواجہہ کے ساتھ دیکھیں گے جیسا کہ خواب میں رویت واقع ہوتی ہے
مگر جنت میں رویت آلٰہی ایسی بالمشافہ واقع ہوگی کہ دنیا میں خواب کے اندر کبھی ایسی نہیں
ہوئی۔ یہی دو طریق معلوم ہیں اور اسپر ہمارا یقین ہے۔ اگر اللہ اور رسول کا رویت سے
کچھ اور مطلب ہے تو ہمارا ایمان اُسپر بھی ہے اگرچہ ہم واقف نہیں کہ وہ خاص کیا بات ہے[1]
اور حق یہ ہے کہ رویت کے لئے جو شرائط مثلاً کیف و جہت و مکان و صورت و مقابلہ و قرب
و بعد مسافت وغیرہ قرار دئے ہیں یہ سب شرائط عادی ہیں۔ تمام اقسام حواس میں احساس کیلئے
جو چند باتیں بطور عادت کے مقرر ہو گئی ہیں و ہم نے انکو شرائط و لوازم جان لیا ہے اور یہ جان لیا ہے کہ
حواس کا کام بغیر انکے نہیں نکل سکتا۔ درحقیقت بجز وجود رائی و مرئی کے کوئی اور شرط
نہیں ہے۔ اگر یہ شرطیں رویت کے لئے لازمی ٹھریں تو چاہئے کہ رویت آلٰہی سے نسبت
مکانات کے بھی انکار کریں کہ حق تعالےٰ ان سے منزہ ہے اور اور اتصال و شمول و مسافت

---

[1] دیکھو حسن العقیدہ مولفہ شاہ ولی اللہ صاحب۔

متوسط بکاراتی و مرئی کے درمیان مفقود نہیں۔ یہ شرائط لوازم اجسام متلون اور لوازم اجسام
کے لیے ہیں نہ اس ذات کے لئے جو مادہ سے بالکل مجرد ہو۔ اور لاتدرکہ الابصار
یعنے اسکو نہیں ادراک کر سکتیں آنکھیں۔ اس سے رویت کی نفی لازم نہیں آتی۔
کیونکہ ادراک شے کی حقیقت کے جان لینے کو کہتے ہیں اور آیت میں اسکی نفی کیگئی
ہے اور یہ ہوسکتا ہے کہ کسی شے کی رویت حاصل ہو اور اسکی حقیقت پر اطلاع نہ ہو سکے۔
جیسا کہ چاند کو دیکھتے ہیں اور اسکی حقیقت کا ادراک نہیں کرتے یا ادراک اسے کہتے ہیں کہ
مرئی کو اسکی تمام حدوں سمیت پورا پورا دیکھ لینا۔ یعنے اسکا احاطہ کر لینا اور عدم احاطہ سے
عدم رویت لازم نہیں آتی۔ جیسا کہ علم کا احاطہ نہ ہونے سے عدم علم لازم نہیں آتا۔ جائز
ہے کہ رویت ہو مگر احاطہ کے ساتھ نہ ہو جسکی آیت میں نفی کیگئی اور موسیٰ علیہ السلام کو جو
سوال رویت کے جواب میں کہا لن ترانی تو مجھکو ہرگز نہ دیکھے گا۔ یہ انکار اس غرض سے ہے
کہ عادت الٰہی یوں جاری نہیں ہوتی ہے نہ اس وجہ سے کہ رویت ناممکن الوقوع ہے اور
غرض اس خطاب سے یہ ہے کہ دنیا میں اللہ تعالےٰ کے دیدار کی طاقت ان آلات جسمیہ سے
کہ فنا پذیر ہیں نہ لاسکے گا۔ نہ یہ کہ آخرت میں بھی نہ دیکھ سکیگا۔ بلکہ قصہ سوال حضرت موسیٰ
علیہ السلام بنسبت رویت الٰہی کے ہمارے لئے حجت ہے جواز رویت کی اسلئے کہ انبیا
علیہم السلام سے حق جاننے والا زیادہ کون ہے۔ اگر رویت محال ہوتی تو سوال حضرت
موسیٰ کا اس سے خالی نہ تھا کہ مسئلہ دینی سے غافل تھے اور ایسی غفلت انبیا علیہم السلام
سے محال ہے اور اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام رویت الٰہی کو محال جانکر سوال کرتے تو حماقت
لازم آتی اور حمق سے انبیا منزہ ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ نے جو پہاڑ کے ٹھہرے رہنے پر اپنے دیدار
کو معلق کیا تو معلوم ہوا کہ دیدار الٰہی جائز ہے اسلئے کہ ٹھہر رہنا پہاڑ کا جائز ہے اور معلق
اوپر جائز کے جائز ہے۔

اور اللہ تعالےٰ کے فرشتے ہیں رات دن اسکی بندگی میں مصروف رہتے ہیں کبھی فرمان
الٰہی کے بجا لانے میں سستی اور کاہلی نہیں کرتے صاحب پر و بال ہیں حقیقت انکے پر و بال کی
خدا ہی جانتا ہے۔ سب گناہان صغیرہ کبیرہ سے بری ہیں کوئی ان میں مرد یا عورت نہیں ہے

چار فرشتے اُن میں سے اعلیٰ درجہ کے ہیں۔ ایک جبرئیل علیہ السلام جو پیغمبروں پر وحی لاتے ہیں
دوسرے میکائیل جو مخلوقات کو روزی پہونچاتے ہیں تیسرے اسرافیل جو قیامت میں صور
پھونکیں گے۔ چوتھے عزرائیل ہیں جو روح کو قبض کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ کی کتابیں
ہیں جو اپنے پیغمبروں پر اتاریں اور شمار اُنکا کسی دلیل قطعی سے ثابت نہیں مشہور چار کتابیں
ہیں جو پیغمبروں پر نازل ہوئیں وہ یہ ہیں۔ توریت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر۔ انجیل حضرت
عیسےٰ علیہ السلام پر۔ زبور حضرت داؤد علیہ السلام پر۔ قرآن حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ
علیہ وسلم پر۔ انمیں سے قرآن شریف پر عمل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اور جتنی کتابیں
اُسکے سوا نازل ہوئی ہیں وہ سب منسوخ العمل ہیں۔ یعنے اور کتابوں میں جو احکام قرآن
شریف کے احکام کے مخالف اور متناقض ہیں اُنپر عمل کرنا درست نہیں۔ اور نسخ میں بہت
سی مصلحتیں ہوتی ہیں کیونکہ احکام مصلحتوں کے تابع ہوتے ہیں اور یہ موافق اوقات
کے بدلتے رہتے ہیں۔ اس وقت جو کتابیں اس نام کی اہل کتاب کے پاس ہیں وہ اصل
نہیں اہل کتاب اپنی تمام کتب سماویہ کو بائبل کہتے ہیں جو لفظ یونانی بمعنے کتاب ہے
پھر اسکے دو حصے ہیں (۱) عہد عتیق یعنے پرانی کتابیں جس میں توریت وغیرہ
۳۹ کتابوں کا مجموعہ ہے۔ کبھی ان تمام صحیفوں کے مجموعہ کو مجازاً توریت کہتے ہیں۔ ان
کو یہود اور عیسائی سب مانتے ہیں لیکن عیسائیوں نے اس مجموعہ میں نو اور کتابیں
داخل کی ہیں جنکے تسلیم و عدم تسلیم میں انکے متقدمین و متاخرین میں بڑا اختلاف ہے
یہود ان کتابوں کو لغو قصے سمجھتے ہیں (۲) عہد جدید۔ اس مجموعہ میں یہ کتابیں
ہیں۔ اول انجیل متی جسکو حضرت عیسےٰ کے بعد متی حواری نے مسیح کا پیدائش سے
لے کر موت تک کے حالات کو تاریخ کے طور پر جمع کیا ہے دوم۔ انجیل مرقس اسمیں
بھی مرقس نے ابتدا سے لے کر اخیر تک حضرت مسیح کی سرگذشت سنی سنائی بیان کی ہے
سوم انجیل لوقا۔ یہ بھی حضرت مسیح کی تاریخ ہے جسکو لوقا نے تالیف کیا ہے۔ چہارم
انجیل یوحنا۔ اس میں یوحنا حواری نے حضرت مسیح کا حال ابتدا سے انتہا تک لکھا
ہے۔ ان چاروں تاریخوں کو کہ جنکے زمانہ تالیف میں بڑا اختلاف ہے عیسائی اناجیل اربعہ

کہتے ہیں اور یہ توریت و اناجیل اربعہ اصل توریت و انجیل منزل علی موسیٰ و عیسیٰ
علیہما السلام جنکا ذکر قرآن شریف میں اکثر جگہ آیا ہے نہیں۔ وہ گم ہوگئی ہیں۔ بلکہ
حسب اقرار علمائے اہل کتاب تاریخ اور روزنامچہ ہیں کہ جنمیں بہت عرصہ بعد انبیاء
اور حضرت مسیح کے احوال کو ابتدا سے انتہا تک معتبر اور غیر معتبر رواۃ سے بلا سند متصل
مجہول لوگوں نے نقل کیا ہے۔ اصل کتابیں عبرانی زبان میں ہیں جو ملک یہودیہ کی
قدیم زبان ہے۔ ان کے ترجمے یونانی اور لاطینی اور عربی وغیرہ میں ہوگئے ہیں۔ اور
عہد جدید میں اناجیل کے ساتھ عیسائیوں نے اور بھی بہت سے رسالے اور خطوط حواریوں
اور غیر حواریوں کے ملاکر اپنی کتب مقدسہ میں شمار کیا ہے اور سب کو واجب التسلیم قرار دیا ہے
اور ہونا کراماً کاتبین کا جو دو فرشتے ہیں دونوں پر نیک اور بد کام کے تحریر کرنیکے
لئے حق ہے اور مسلط ہونا ملک الموت کا وقت قبض ارواح کے حق ہے اور عذاب
قبر کا کہ عالم برزخ میں ہے۔ کافروں اور بدکاروں کے واسطے اور نعمتیں عابدوں
اور مطیعوں کے لئے اس چیز کے ساتھ کہ خدا جانتا ہے اور چاہتا ہے حق ہے۔ اور
منکر نکیر کا سوال حق ہے کہ وہ دو فرشتے ہیں۔ مہیب صورت نیلی نیلی آنکھوں والے
قبر میں مردے کے پاس آتے ہیں اور سوال کرتے ہیں کہ پروردگار تیرا کون ہے۔
اور دین تیرا کیا ہے۔ اگر جواب موافق سوال کے دیا تو ناز و نعمت میں رہے اور مثل
عروس خواب ناز میں استراحت کرے اور قبر اسکی ایک چمن چمنہائے جنت سے متصور
ہو اگر عہدہ جواب سے برأت نہ ہوئی تو محنت و عذاب دیکھے اور قبر اسکے حق میں
ایک غار غاروں دوزخ سے ہو اور بعد مرنے کے قبروں سے مردوں کا زندہ ہوکر اٹھنا
حق ہے۔ عاقل و مجنون و صبی و جن و شیاطین و طیور و حشرات کل اٹھیں گے ظاہر
ہے کہ جس نے اول عدم صرف اور نابود محض سے پیدا کیا اور کتم عدم سے وجود میں
لایا وہ بار دیگر بھی پیدا کرنے پر قادر ہے۔ سباع و بہائم وغیرہ سے باہمدیگر قصاص لیکر
اور نابود کئے جائینگے اور جن و انس و شیاطین ہمیشہ دوزخ یا بہشت میں رہیں گے۔
اور عملوں کا تولا جانا حق ہے تا مقدار نیکی و بدی کے بندوں کو معلوم ہو اور خدائے علیم تو

جاننا ہی ہے مگر یہ یاد رہے کہ اعمال کا وزن نہیں ہوگا۔ بلکہ اعمالناموں کا وزن ہوگا یعنے جن کاغذوں میں بندوں کے اعمال لکھے ہونگے وہ وزن ہوکر اُنکی کمیت معلوم کیجائے گی۔ کیونکہ اعمال اعراض ہیں۔ اور ہلکا بھاری ہونا جواہر کی شان سے ہے۔ مومن کو لازم ہے کہ ایمان تو ترازو کے ہونے اور اعمال کے تلنے پر لائے مگر دریافت حقیقت اور اوراک کیفیت کی جانب متوجہ نہ ہو کہ کہاں قائم ہوگی اور اعمال کیونکر وزن کئے جائینگے یا اعمال نامے وزن کئے جائینگے تو اُن میں اوراق کی کمی بیشی اور لمبے چوڑے اور ہلکے بھاری اور خط کے خفی اور جلی ہونے اور سیاہی کی جسمیت اور عبارت کے طول وقصر کی کیا کیفیت ہے۔ اِن سب باتوں کی تفتیش سے خاموش رہے اور نامۂ اعمال مسلمانوں کے داہنے ہاتھ میں سامنے سے اور کافروں کو پیٹھ کے پیچھے سے بائیں ہاتھ میں ملنا حق ہے اور حساب لینا بندوں سے ایک ایک ذرہ نیکی وبدی کا حق ہے۔ اور گواہی اعضا کی حق ہے۔ اور حوض کوثر حق ہے کہ جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے واسطے قیامت کے دن ہوگا۔ اور اُسکا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور اُسکی بُو مشک سے زیادہ عمدہ ہوگی۔ اور اُسمیں تاروں سے زیادہ اور روشن تر کوزے ہیں جو کوئی اُسکا پانی ایک دفعہ پئے گا پھر کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ اور پل صراط حق ہے کہ حقتعالیٰ روز قیامت کو ایک پل دوزخ کی پشت پر بال سے باریک تر اور تلوار کی باڑہ سے تیز تر رکھیگا اور اُس پر سے سب کو گذرنا ہوگا۔ بعض ہوا کی صورت بعض آب رواں کی مانند بعضے تیز گھوڑے کی چال سے بعضے پیادہ چلنے والے کی رفتار سے بعضے چیونٹی کی روش سے اُس پل کو طے کرینگے۔ اور یہ سب تفاوت بقدر ضعف وقوت ایمان کے ہر شخص کے گذرنے میں ہوگا۔ جتنا ایمان قوی ہوگا اُتنا ہی طے کرنا پل کا آسان ہے۔ بعض یہ بھی نہ جانینگے کہ پل تھا یا نہ تھا اور بعضے مجروح ہونگے اور بعضے کٹ کر دوزخ میں گر پڑینگے۔ اور شفاعت پیغمبروں اور علما اور صلحا کی گناہگاروں کے واسطے حق ہے مگر بعد اذن حق تعالےٰ کے اور جہاں شفاعت کا منع آیا ہے وہاں وہی شفاعت مراد ہے جو رب العالمین کے اذن اور رضا کے بغیر ہو۔ اور جنت ودوزخ حق ہیں۔ اور دونوں

مومن مطیع کو ایمان اور طاعت پر یقیناً ثواب دیگا اور وعدہ سے قطع نظر ثواب دینا مطیع کو یا عذاب کرنا عاصی کا حق تعالیٰ پر واجب نہیں ہے اور اگر کسی نے ایک کبیرہ سے توبہ کی اور دوسرے کبیرہ پر اصرار کیا توبہ اُسکی مقبول ہے اور جس نے تمام کبائر سے توبہ کی اُسکو صغائر سے بہی توبہ کرنا ضرور ہے ورنہ احتمال عذاب باقی ہے اور عفو کرنا حق تعالیٰ کا لوگوں کے حقوق کو بطور خرق عادت کے جائز ہے۔

اور واسطہ ہونا انبیا علیہم السلام کا درمیان ممکنات اور واجب الوجود کے ضرور تہا۔ کیونکہ ہدایت واجب الوجود کی نسبت ممکنات کے باہم متواتر نہیں بالواسطہ ہونا چاہیئے اور جو واسطہ دونوں کا برزخ ہو وہ انبیا علیہم السلام ہیں پس اللہ تعالیٰ نے اصلاح معاش و معاد کے لئے محض ازراہ تفضل جنس بشر سے انبیا و رسل کو واسطے پیغمبری کے بہیجا کہ آدمیوں کو معرفت الٰہی سے کہ عقل اُسکے معلوم کرنے سے عاجز ہے آگاہ و مطلع کریں اور احکام الٰہی سے بہ نسبت واجب و مندوب و حرام و مکروہ و مباح کے خبردار کریں اور سب پیغمبروں کی معجزوں کے ساتھ تائید کی اور وہ معجزے دلیل ہیں اُنکی نبوت کے حق ہونے پر۔ اور معجزہ امر خارق عادت کو کہتے ہیں کہ اُس سے اظہار صدق دعوے نبوت مقصود ہوتا ہے۔ کیونکہ مخالف کو خدا تعالےٰ کیطرف سے ایسے امر بنانے کی قدرت نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ عاجز ہوتا ہے۔ اور طریقۂ ہدایت کا از طرف خدائے عز و جل ہمیشہ ایسا ہی جاری رہا کہ ہر پیغمبر اور نبی اللہ کے زمانہ میں جس علم اور عمل کی وجہ سے قوم کو ضلالت ہوتی تھی وہی معجزہ اُس نبی کو خاصکر عطا ہوا۔ جیسے حضرت موسیٰؑ کو ابطال سحر کا معجزہ خواہ حضرت عیسےٰ کو شفائے امراض لاعلاج مثل برص حقیقی اور کوڑہ مادر زاد کا اور ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو فصاحت اور بلاغت اور بواسطہ خبر متواتر نسبت معجزات کی ہمارے حق میں اور بواسطہ حسن صحابہ کرام کے حقیقی عقل حکم کرتی ہے کہ حضرت محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بیشک رسول خدا ہیں جو خدا کیطرف سے پیغام امر و نہی اور وعد و وعید کا لائے ہیں اور سب سے بڑا معجزہ اُنکا قرآن مجید ہے جسکو اللہ تعالےٰ نے آپ پر وحی کیا تہا۔ قرآن کی عبارت اتنی اعلیٰ درجہ پر فصیح و بلیغ ہے کہ کوئی شخص فصحائے عرب سے

باوجود حد باندہ دینے اور دشمنوں کی کثرت کے بہی کسی چہوٹی سی چہوٹی سورت کی مثل نہیں بنا سکا۔ حالانکہ فصاحت و بلاغت میں آنحضرتؐ سے کسی طرح کم نہ تہے کیونکہ جہاں کے آپ رہنے والے تہے وہیں کے وہ بہی۔ بلکہ مجتمع ہوکر بہی اُسکی مثل نہ بنا سکے باوجودیکہ اُنکو عار دلاکر کہا جاتا تہا فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِہٖ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ یعنے قرآن کے کسی ٹکڑے کی مانند تم بہی بنا لاؤ اگر تم سچے ہو۔ مقابلہ حروف سے مقاتلہ سیوف اُنکے نزدیک آسان تہا۔ اور عدد انبیاؤ رسل کا دلیل قطعی سے ثابت نہیں ہے۔ پس ایمان لانے میں رسل وانبیا پر عدد کا لحاظ نہ کرنا چاہیئے۔ کہ کفر بہ نسبت بعض پیغمبروں کے اور اقرار نبوت بہ نسبت بعض کے کہ پیغمبر نہیں ہیں عاید نہ ہو۔ پس عدد سے درگذر کرکے انبیا سے وہ جنکا ذکر قرآن میں وارد ہوا یا متواتر حدیث سے ثابت ہوا بالصراحت اُنکی نبوت پر اقرار کرنا چاہیئے اور جنکا ذکر متواترات میں نہیں ہے اُنکی نبوت سے نہ اقرار کرنا چاہیئے نہ انکار۔ اول انبیا میں آدم علیہ السلام ہیں اور آخر سب کے حضرت سرور عالم فخر بنی آدم محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں اور آنحضرتؐ خاتم پیغمبران ہیں۔ بعد حضرتؐ کے کوئی پیغمبر نہ آیا اور نہ آئیگا شریک اُنکا نبوت میں اُنکے زمانہ میں کوئی نہ تہا۔ اور حضرت عیسٰےؑ کہ نازل ہونگے وہ بعنوان رسالت نازل نہ ہونگے بلکہ تابع دین محمدی ہونگے۔ اور عصمت شرط نبوت ہے اور مطاع ہونا اُنکا لوازمات نبوت سے ہے اور ظاہر ہے کہ بشر میں سے جو شخص بایں صفات متصف ہوگا اُس شخص سے جس میں یہ نہ ہوں افضل ہوگا۔ لہذا انبیاؤ رسل افضل خلائق ہیں اور خدا کے نزدیک محبوب ترین خلائق ہیں۔ اور سوائے نبی کے کوئی کسی وقت میں ادنےٰ درجہ پیغمبر کو نہیں پہونچ سکتا ہے۔ پس تقدم و تفوق کا انبیا سے کیونکر احتمال ہوسکتا ہے۔ پس تمام بنی نوع انسان سے کوئی آدمی انبیا کے مرتبہ کو نہیں پہونچ سکتا۔ البتہ انبیا آپسمیں فاضل اور مفضول ہیں یعنے بعضوں کا مرتبہ بعضوں سے زیادہ ہے مگر یہ تحقیق نہیں کہ کون پیغمبران پیغمبروں میں بڑے رتبے والا ہے اور کون رتبہ میں کم ہے البتہ ہمارے پیغمبر سب انبیا علیہم السلام سے افضل ہیں کیونکہ نبوت اُنکی ثابت ہوئی ہے اور خود اُنہوں نے اپنی فضیلت کی خبر دی ہے اور برخلاف اور انبیا و مرسلین کے وہ سب خلق کیطرف بہیجے گئے ہیں اُنکی دعوت تمام

ممالک کے بنی آدم اور جنوں کو عام ہے مگر بعثت اولی عرب کے جن و انس کی طرف ہے اور
اُن کے ذریعہ سے دوسرے ملکوں تک رسالت پہونچی اسلئے کتاب آپ پر عربی زبان میں
مذاق اہل عرب کے موافق نازل ہوئی تاکہ اُنکے ذریعہ سے اس کلام پاک کے وقائق اور
معانی اور احکام سلسلہ بہ سلسلہ اور ممالک میں پہونچ جاویں۔ اگر ہر قوم کی لغت کی
رعایت رکھی جاتی تو اختلاف اور تحریف اور کمی بیشی اس حد تک اُس کتاب میں ہو جاتی
کہ اصل مطلب کا سمجھنا دشوار ہو جاتا اور جبر ایسی کتاب نازل ہوتی وہ بھی ہر قوم کے لغات
و معانی بلکہ مخارج حروف و لہجہ کو نہیں جانتے تھے پس کلام مجہول اللفظ والمعنے کو کسطرح
اُن قوموں تک پہونچا سکتے۔ اور وحی میں رویت فرشتہ کی شرط نہیں ہے اور وحی نبی کا
خاصہ ہے۔ اور سب پیغمبر خدا کے حکم پہونچانے میں سچے ہیں اور جو امر و نہی کرتے ہیں
خدا کی طرف سے کرتے ہیں نہ اپنے دل سے اور سب انبیا پیغمبری پانے سے آگے بھی
اور پیغمبری پانے کے پیچھے بھی اصلی اور طبعی کفر اور گمراہی سے پاک اور محفوظ ہیں اور
کبائر بھی انبیا سے بعد نبوت عمداً اصادر نہیں ہوتے اور سہو گناہ کبیرہ سے بھی معصوم
مطلق ہیں۔ کیونکہ ہم لوگ انکی اقتدا کے ساتھ مامور ہیں جو کہ اُن سے قول و فعل صادر ہو
پس اُن سے کیونکہ وہ چیز واقع ہوگی جو ناشائستہ ہو اور ہم اُنکی اقتدا کے ساتھ حکم کئے جاویں
اور جو صغیرہ ایسے ہیں کہ اُن سے نفرت پیدا ہوتی ہے اور رذیلہ پن پایا جاتا ہے وہ انبیا
سے نہ عمداً صادر ہوتے ہیں اور نہ سہواً ہر طرح معصوم ہیں البتہ جو صغیرہ ایسے نہیں
ہیں وہ انبیا سے سہواً ممکن الوقوع ہیں مگر اپنی خطا پر جمے نہیں رہتے۔ اُنکو غیب سے
تنبیہ ہو جاتی ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ سہو و نسیان اُن اقوال میں جو متعلق ہیں ساتھ
خبر دینے اور احکام اور شرائع کے پہونچانے کے جائز نہیں۔ کیونکہ اخبار خلاف واقع
کذب ہے اور کذب سے انبیا کی عصمت واجب ہے اسلئے کہ کذب سے اُن کے اخبار سے
وثوق اُٹھ جائیگا۔ مگر جس بات کا کہ حق تعالے النسخ چاہتا ہے اُسکو فراموش کرا دیتا
ہے اور یہ جائز ہے کہ انبیا کسی کار مباح کا قصد کریں اور وہ اتفاقی طور پر معصیت ہو جاوے
اور انبیا کی اس لغزش کو زلت کہتے ہیں اور جن جن انبیا سے زلات سرزد ہوئی ہیں

سب معاف کردیگئی ہیں۔ اور نیز انبیا منزہ ہیں اصل فطرت میں اخلاق رذیلہ سے
مثل عُجب حسد حقد اور جبن اور مکر وغیرہ کے اسلئے کہ رذائل اخلاق معاصی قلب
ہیں جو معاصی اعضا سے بدتر ہیں۔ اصل فطرت انبیا علیہم السلام کی ایسے مادہ فاضلہ اور
جوہر علیہ سے واقع ہوئی ہے کہ صدور ایسے معاصی کا جنپر عام مکلفین کی نسبت
وعید وارد ہے۔ ناممکن ہے اور عطا ہونا ایسے مادہ فاضلہ اور جوہر علیہ کا امر وہبی ہے
اصل فطرت میں نہ کسبی[1]۔ ورنہ کوئی تو نوع بشر سے بحالت اکتساب ترقی کرتے ہوئے
مدارج کمال میں اُنکے رتبہ کو پہونچتا۔ اور معراج محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی بیداری میں
مع روح اور جسد مقدس کے مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک یعنے بیت المقدس تک
اور وہاں سے آسمان تک پہر جہانتک کہ خدا تعالےٰ نے چاہا حق ہے۔ مسجد حرام
سے مسجد اقصیٰ تک جانا قرآن سے ثابت ہے انکار اسکا کفر ہے اور اطباق سماوات
سے گذرنے میں احادیث صحیحہ صریحہ مشہورہ وارد ہیں انکار اسکا گمراہی و فسق ہے
اور آگے اس سے جانا اور عجائبات طرح طرح کے مشاہدہ کرنا احادیث احاد سے ثابت ہے
انکار اسکا موجب محرومی ثواب اور درجات اخروی ہے اور معراج آسمانوں کے اوپر
مخصوص ہے واسطے محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے اور لیجانا حضرت عیسیٰ کا
آسمانوں کے اوپر اُن کے حکم تونی میں تہا۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی امت
سب امتوں سے بہتر ہے اور انکی شریعت سب شریعتوں کی جامع ہے اور اُن کا دین
سب دینوں کا ناسخ ہے اور اُنکے اصحاب سب امت سے بہتر اور افضل ہیں۔ اور
خلفاء اربعہ سب اصحاب سے افضل ہیں اور انکی افضلیت بہ ترتیب **خلافت** ہے،
یعنے پہلے ابوبکر صدیقؓ پہر عمر فاروقؓ پہر عثمان ذوالنورینؓ پہر علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم
اجمعین افضل ہیں۔ اور افضلیت کے بیاں سعنے عنداللہ زیادتی ثواب کے لئے
جاتے ہیں۔ اور کسی دوسری وجہ کی تفضیل مثلاً کثرت علم و شرف نسب و سخاوت و
مروت وغیرہ جن کو عرف میں فضیلت سمجہتے ہیں یہاں مقصود نہیں۔ پس جس کو کثرت ثواب

[1] اور فلاسفہ کہتے ہیں تو تفتازانی نے معتقد میں کہا ہے کہ یہ اعتقاد کہ نبوت کسب سے حاصل ہو سکتی ہے کفر ہے ۱۲

کی وجہ سے تفضیل حاصل ہو۔ اُسکے لئے یہ بات منقصت کا موجب نہیں ہے کہ غیر شخص اُس سے کسی دوسری قسم کی صفت عرفی میں زیادہ ہو مثلاً کوئی صحابی کثرت روایت میں حضرت ابوبکرؓ سے زیادہ ہو تو اس فضل جزئی سے اُنکے فضل کلی میں نقصان نہیں آتا۔ کیونکہ من جمیع الوجوہ ایک صحابی کی تفضیل دوسرے صحابی پر محال ہے اسلئے کہ تفضیل حضرت علی کی جہاد سیفی و سنانی اور فنّ قضا اور ہاشمیت خصوصاً زوجیت بتول میں صدیق اکبر پر قطعی ہے۔ پس مراد تفضیل سے یہی ہے کہ جسکو نبی کے ساتھ زیادہ مشابہت ریاست امت کے معاملہ اور دین کی محافظت اور فتنہ و فساد کے مٹانے اور احکام شریعت کے جاری کرنے اور ملکوں میں اسلام پھیلانے اور حدود و تعزیرات قائم کرنے میں ہے کہ یہ باتیں ثواب کی ہیں وہ افضل ہے۔

اور خلفائے اربعہ کے بعد باقی عشرہ مبشرہ یعنے طلحہ و زبیر و عبدالرحمن بن عوف و سعد ابن ابی وقاص و سعید بن زید و عبیدہ بن جراح صحابہ میں افضل ہیں۔ بعد عشرہ مبشرہ کے اُن صحابہ کو فضیلت حاصل ہے جو جنگ بدر میں شریک ہوئے تھے اور بعد اُنکے اُن صحابہ کو فضیلت ہے جو جنگ احد میں شریک ہوئے اور بعد اہل احد کے اہلبیت رضوان کو فضیلت ہے۔ اور عشرہ مبشرہ اور بی بی فاطمہ اور بی بی خدیجہ اور بی بی عائشہ اور حسن و حسین رضی اللہ عنہم جنتی ہیں اور اسلام میں اُنکا مرتبہ اعلیٰ ہے اور بی بی فاطمہ سردار ہیں سب بہشت کی عورتوں کی اور حسن و حسین سردار ہیں جوانان اہل بہشت اور خلافت[1] محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد تیس برس تک رہی۔ بعد اُسکے بادشاہی

[1] محققین اہل سنت نے خلافت عامہ کو سلطنت و فرمان روائی مسلمین کے معنوں میں لیا ہے اور خلافت خاصہ سے مراد ہے ہجرت اور سابق الاسلام ہونا اور یہ باتیں اثنا عشری پیر ہوئے حضرت علی کے ثابت نہیں اور لفظ امامت بھی کبھی خلافت عامہ کے معنے میں استعمال پاتا ہے اور چونکہ ایسی امامت اور خلافت کے لئے ملک میں تصرف ساتھ غلبہ اور تحقق اور حکم کے جاری ہونے کی ضروری ہے۔ لہذا خلافت صرف خلفائے اربعہ اور حضرت امام حسن میں منحصر ہے۔ اور باقی آئمہ اہلبیت چونکہ تمام علوم دین اور ہدایت باطنی اور

تک اور سرداری ہو گئی۔

حضرت ابو بکر کا مدت خلافت دو برس اور چار مہینے اور حضرت عمر کی دس برس اور چھ مہینے اور حضرت عثمان کی بارہ برس چند روز کم اور حضرت علی کی چار برس اور نو مہینے ہے۔ اس حساب سے خلافت چاروں خلفا کی انتیس برس اور سات مہینے میں تمام ہوتی ہے۔ اور پانچ مہینے جو باقی رہے اُن میں حضرت امام حسن خلیفہ رہے ہیں۔ یہی خلفا میں سے ہوئے اور یہ خلافت راشدہ اور خلافت کبرٰے ہے کہ نبوت کے طور پر ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نیابت ہے۔ جب خلافت راشدہ کا زمانہ گذر چکا اور حکومت اور امارت کا دور شروع ہو گیا تو حضرت امام حسن نے امیر معاویہ سے جو برسر نزاع تھے صلح کر لی اور خلافت سے کنارہ کش ہو گئے پس یہ صلح امام حسن کی مقبول تھی اور حضرت معاویہ اسلام کے پہلے بادشاہ تھے اور خلفاء راشدین کے بعد کسی سلاطین اسلام پر لفظ خلفا کا استعمال مجاز[1] ہے اور خلفائے اربعہ کی خلافت کا ثبوت اجلی بدیہات سے ہے جبکہ مفہوم خلیفہ کا اور اُسکی شرطیں ذہن میں تصور کریں اور چاروں خلیفہ کی سوانح عمری اور احوال تاریخی پر نظر ڈالیں تو عقل بالبداہت حکم کرتی ہے کہ اُن میں خلافت کی شرطیں ثابت ہیں اگر خلافت کے ثبوت کا اخفا انہیں کچھ ہے تو وہ دوسرے معانی کی وجہ سے ہے۔ جو مفہوم خلافت میں مان لی گئی ہیں۔ جیسے شیعہ عصمت اور وحی باطنی امام میں ہونا شرط کرتے ہیں ورنہ یہ مسلمان بھی تھے عاقل بھی تھے بالغ بھی تھے آزاد بھی تھے مرد بھی تھے اعضا بھی انکے درست تھے قریش بھی تھے مجتہد بھی تھے اور انہوں نے کافروں سے جہاد بھی کئے۔ بلاد روم و عجم کو انہوں نے تسخیر کیا۔ اور خلافت کے لئے اسی قدر کافی ہے۔ اور جسقدر مخالفین نے اُنپر افترا کیا ہے اور عیب نکالے ہیں اُسکا مرجع امر مختلف فیہ ہے جیسے سوائے اُنکے اور مسلمان صحیح نہیں جا کر...

[1] پیشوا طریقت صاحب و اسلام و حفظ ۱۲ — اور ارشاد و طریقت میں یکتا تھے اسلئے امام کہلاتے ہیں۔ نہ اس وجہ سے کہ امامت جو خلافت کے معنے میں ہے وہ اُنپر صادق آتی ہے کیونکہ امامت یعنی خلافت کے لئے ملک میں تصرف شرط ہے اور کبھی امامت کے معنے بادشاہت اور ریاست کے لیتے ہیں اسلئے کہ بادشاہ بھی اگرچہ نیک سیرت نہ ہو لیکن دین کے بعضے کاموں جیسے جہاد اور تقسیم غنیمت اور امامت جمعہ وعیدین میں پیشوائی رکھتا ہے۔ ۱۲

اور امام حسین کا خروج خلافت راشدہ کے دعوے کے ساتھ نہ تھا بلکہ وہ رعایا کو یزید کے پنجۂ ظلم سے بچانے کے لئے گئے تھے تاکہ اُسکا تسلط جمنے نہ پائے کیونکہ ابھی تک اسکا پورا پورا تسلط ہونے نہ پایا تھا اور اہل مکہ و مدینہ و کوفہ نے اُس سے بھی برضا و رغبت بیعت نہ کی تھی اور حدیث میں جو آیا ہے کہ بادشاہ ظالم سے تعرض نہ کرنا چاہئے یہ اُس صورت میں ہے کہ اُسکی سلطنت بلا منازعت و مزاحمت جم چکی ہو۔ اور اگرچہ بڑے بڑے صحابہ گناہوں کے صدور سے عمداً محفوظ تھے مگر یہ نہ تھا کہ تمام صحابہ میں سے کوئی بھی قابل طعن نہ ہو۔ اسلئے کہ بعضے صحابہ سے شراب خوری ثابت ہوئی ہے اور جناب سرور کائنات نے اُنپر حد جاری کی ہے۔ اور مسطح بن اثاثہ اور حسان بن ثابت سے بی بی عائشہ پر تہمت زنا ثابت ہوئی اور اُنپر حد جاری کیگئی۔ اور ماعز اسلمی نے زنا کیا اور سنگسار کئے گئے مگر اتنا ضرور ہے کہ بوجہ حرمت صحبت خیر البشر اُنکی خطائیں قابل گرفت نہیں۔ دیکھو اللہ تعالے نے حضرت آدم علیہ السلام کے حق میں کہا ہے وَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی یعنے آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور گمراہ ہوگیا۔ اور یونس کی شان میں کہا ہے وَهُوَ مُلِیْمٌ یعنے وہ ملامت میں پڑا ہوا تھا۔ باوجود اسکے آدم کو گناہگار اور گمراہ کہنا کفر ہے اور یونس کے حق میں لفظ ملیم استعمال کرنا ناجائز۔ اس وجہ سے امتیوں کو مناسب ہے کہ صحابہ کے حق میں کلمہ خیر کے سوا کچھ نہ کہیں اگر کچھ برخلاف خیر و خوبی کے منقول ہو تو اس سے چشم پوشی کریں جب تک نفاق اور ارتداد اُنکا پورے طور پر نہ معلوم ہولے۔ یہ مناسب نہیں کہ کسی کو محض تہمت پر گناہگار قرار دیا جاوے کہ سلامتی اس میں ہے۔ کیونکہ صحابہ و محبین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے برا کہنے میں اگر دلائل قطعی کی مخالفت ہے تو یہ کفر ہے۔ جیسے بی بی عائشہؓ پر زنا کی تہمت کرنا اسلئے کہ خدا تعالے نے اپنے کلام پاک میں اس عیب سے اُنکی برأت بیان کر دی ہے۔ اور اگر ادلہ قطعی کے خلاف نہ ہو تو یہ گناہ کبیرہ ہے پس کسی صحابی پر لعنت نہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ نہایت کار کسی صحابی کا خلیفہ برحق سے بغاوت[۱]

[۱] شیخ علاؤ الدولہ نے فلاح میں اور شاہ عبد العزیز صاحب نے اپنی تالیفات میں اور مولوی جامیؒ نے سلسلۃ الذہب میں امیر معاویہ کو باغی قرار دیا ہے۔ مگر اہل سنت امیر معاویہ کی

اور اُسپر خروج ہوگا تو یہ ارتکاب کبیرہ ہے اور مرتکب کبیرہ قابل لعن نہیں۔ قرابتداران رسولؐ نے اپنے دشمنوں کی تکفیر کب کی ہے جو اوروں کو کرنا چاہیئے۔ اور نفرت جو اُنکو مخالفین سے تھی یہ بوجہ نزاع اور جنگ وجدل کے پیدا ہوگئی تھی۔ مگر ایمان اور اسلام میں اُنکے کسی طرح کا کلام نہ تھا۔ اللہ تعالےٰ نے لعنت کے فضول کام سے اپنے بندوں کو معاف رکھا ہے اسلئے کہ اگر کوئی عمر بھر ابلیس پر لعنت نہ کرے تو اُس سے قیامت کو سوال نہ ہوگا کہ تو نے لعنت کیوں نہیں کی۔ اور لعنت کرنے کی صورت میں تو سوال کا اندیشہ ہے اور کسی کا قتل یا بے حرمتی گناہ کبیرہ ہے کفر نہیں توبہ سے کفر بھی معفو ہے تو گناہ کبیرہ بدرجہ اولےٰ معاف ہوسکتا ہے۔ دیکھو وحشی نے حضرت حمزہ عمّ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو قتل کیا اور جب وہ مسلمان ہوگیا تو مستحق لعنت نہ رہا گناہ معاف ہوگیا۔ پس گناہگار مسلمان کے برا کہنے سے زبان کو روکنا چاہیئے۔ کیا بعید کہ اللہ نے اُسے توفیق توبہ اور حسن خاتمہ نصیب کیا ہو۔

اور اہل قبلہ کو جو مسلمانوں کے قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں اور قرآن وحدیث کے ساتھ تمسک کرتے ہیں اور شہادتین کی تصدیق واقرار کرتے ہیں کافر نہ کہنا چاہیئے جبتک کہ کوئی فعل وقول کفر کا اُن سے صریحاً نہ پایا جاوے۔ جیسے معاد کا یا خدا تعالےٰ کے وجود کا یا نبی اللہ کا یا امر ضروریات دین کا انکار کرنا اور کفر کا التزام کفر ہے اُسکا لزوم کفر نہیں۔ اگر مدلول نص کو مدلول نص اعتقاد کرکے بے تاویل انکار کرے اور کہے کہ ہر چند نص وارد ہے مگر میں اسبات کو قبول نہیں کرتا یہ کفر کا التزام ہے اور اگر نص کی تاویل کرکے اگرچہ وہ تاویل حقیقت میں صحیح نہ ہو مدلول ظاہر کو نہ مانے تو یہ لزوم کفر ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ جب کسی حکم منصوص کا جو بنص قطعی ثابت ہے تاویل باطل کے ساتھ انکار کرتے ہیں تو کفر لازم نہیں آتا۔ سو یہی حال شیعہ کا ہے۔ کہ وہ دین محمدی کو حق جان کر

تتمہ حاشیہ صفحہ ۳۴ — منازعت کو جناب امیر کے ساتھ خطائے اجتہادی کہتے ہیں اور انکو صحابی عادل جانتے ہیں اور صاحب ہدایہ نے انہیں سلاطین جابر یعنے ظالم میں سے قرار دیا ہے۔ اور مولوی عبدالعلی بھی مسلم الثبوت میں اُنکے مجتہد ہونیکی تغلیط وتردید کرتے ہیں " ۔ ؎ دیکھو کیمیائے سعادت میں لعن یزید کی بحث "

ایمان لائے ہیں اور انہوں نے اُس اجماع سے جو خلفائے ثلثہ کی خلافت پر ہوا ہے اجماع سمجھکر انکار نہیں کیا ہے۔ بلکہ ایک شبہہ اُنکے دل میں پیدا ہو گیا ہے جس سے اجماع کے منکر ہیں اور وہ شبہ یہ ہے کہ علی مرتضیٰ نے بہ سبب تقیہ کے خلفائے ثلثہ کے ساتھ بیعت کی تھی اور حقیقت میں اُنکے خلیفہ برحق ہونیکے معتقد نہ تھے۔ پس در اصل اجماع منعقد نہیں ہوا تھا۔ اگرچہ یہ شبہ باطل ہے مگر اُنکے عندیہ میں تو صحیح ہے اسلئے تکفیر سے روکتا ہے پس اس طرح کی باتیں بدعت ہیں کہ تاویل سے صادر ہوئی ہیں اور یہاں سے عدم تکفیر خوارج کا بھی ستر ظاہر ہوتا ہے اور یہ جو حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُنکے حق میں فرمایا ہے یمرقون من الدین کما یمرق السھم من الرمیۃ یعنے خارج دین سے ایسے نکل جاوینگے جیسے تیر شکار میں سے اس سے مقصود نکل جانا امام برحق کی اطاعت سے ہے۔ در حقیقت دین اسلام سے نکل جانا مراد نہیں۔ اور عموماً صحابہ خصوصاً شیخین کو بُرا کہنا کفر نہیں بلکہ فسق ہے اسلئے کہ مسلمان کو بُرا کہنا فسق ہے اور صحابہ اور دوسرے مسلمان اس حکم میں برابر ہیں۔ بالفرض اگر کوئی مسلمان خلفائے راشدین میں سے کسی کو قتل کر ڈالے تو بھی وہ دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ اور ظاہر ہے کہ قتل سے بُرا کہنا کمتر ہے ہاں۔ اِن معاصی کا حلال جاننا کفر ہے جس طرح ترکِ صلوٰۃ کفر نہیں بلکہ ترک کو حلال جاننا کفر ہے۔ تکفیر شیعہ[1] ہمارے آئمہ متقدمین کی رائے نہیں یہ افواہ متاخرین میں پھیل گئی ہے۔ امر منقح اور قول مفتی بہ و مرجح یہ ہے کہ جو شیعہ منکر ضروریات دین ہوں وہ کافر ہیں شرکت اُنکے ساتھ مثل شرکت اسلام کے جائز نہیں اور جو ایسے نہوں گو صحابہ کو بُرا کہتے ہوں وہ فاسق ہیں کافر نہیں۔ اور یہ جو امام ابو حنیفہ اور شافعی سے مروی ہے کہ شیعہ کے پیچھے نماز ناجائز ہے سو یہ بات اُنکے کفر کی وجہ سے نہیں بلکہ اہل سنت کو اُنکی اقتدا سے روکا ہے۔ کیونکہ اُنکی بدعت نے زور پکڑا تو اُنکے ایمان میں شبہہ پیدا ہوا۔ پس اہلسنت کو حکم دیا کہ انکے پیچھے تمہاری نماز خراب ہوگی۔[2]

---

[1] دیکھو بحر الرائق ۔ صـ ۔ دیکھو جلد دوم فتاوے مولوی عبد الحی صاحب صـ ۔ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت

اور کرامات اولیاء اللہ کی حق ہیں اور کرامت ایسے فعل خارق عادت کو کہتے ہیں
جو نہ دعوئے نبوت کے ساتھ مقرون ہو اور نہ کفار کے مقابلہ میں واقع ہو۔ اور جس شخص سے
کرامت صادر ہو وہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا عارف ہو بقدر طاقت بشری اور
نشانی اُسکی یہ ہے کہ زہد اور تقوےٰ اختیار کرے اور یادِ حق میں ہمیشہ مشغول رہے
خلاف طریقت و سنت نبوی کے کوئی کام نہ کرے۔ اعتماد اُسکا خدا پر ہو۔ ماسوی اللہ سے
بالکل قطع تعلق کیا ہو اور عشق و محبت نے اُسکے ظاہر و باطن میں سرایت کیا ہو۔ بالجملہ ولی
کے واسطے مواظبت علی الطاعات شرط ہے۔ اسی مواظبت کو عرف میں **استقامت**
کہتے ہیں پس اگر دین پر مستقیم نہ ہوگا اور اُس سے کوئی خرق عادت صادر ہو تو وہ کرامت
نہیں بلکہ **استدراج و مکر اللہ** ہے اور حق تعالیٰ جب چاہتا ہے ولی سے کوئی بات
کرامت کی کرا دیتا ہے ہر وقت اُس سے کرامت ظاہر نہیں ہوتی اور یہی معنے ہیں
خرق عادت کے۔ اگر ہر وقت اُس سے کرامت ہوا کرتی تو وہ عادت ہو جاتی خرق عادت
نہ رہتا۔ اور خرق عادت کی بہت سی قسمیں ہیں جیسے کسی پوشیدہ بات کا ظاہر کرنا۔
اور ظاہر کا پوشیدہ کر دینا۔ اور دعا کا قبول ہو جانا۔ اور مسافت بعیدہ کا تھوڑے سے
عرصہ میں طے کر لینا اور مغیبات پر مطلع ہونا اور انکی خبر بیان کرنا اور ایک وقت میں
مختلف مقاموں میں ظاہر ہونا۔ اور حیوانات اور نباتات و جمادات کا کلام سننا اور کھانے
پینے کا حاجت کے وقت بے سبب بہم پہونچا دینا اور پانی پر چلنا اور ہوا میں اُڑنا اور ایسی
طاقت کا ظاہر کرنا جو قوت بشری سے باہر ہو۔ اور کرامات اولیا اُنکے نبی کے واسطے
معجزہ شمار کیجاتی ہیں کیونکہ پیرو لوگوں سے ایسے امور کا ظاہر ہونا اُس نبی کی صداقت
کے لئے دلیل بیّن ہے۔ اور کوئی ولی نبی کے مرتبہ کو اللہ تعالیٰ سے قرب اور اُس کے
نزدیک فضل و کرامت میں نہیں پہونچتا۔ کیونکہ ولی کے لئے پیغمبر پر ایمان لانا فرض ہے
اور ولی مامون العاقبت نہیں اور پیغمبر خوف خاتمہ سے بری ہے اور پیغمبر معصوم ہے
اور ولی کا نفس بالذات معصوم نہیں البتہ محافظت کرنے سے بُرے کاموں سے
بچتا رہتا ہے اور پیغمبر کے پاس وحی آتی ہے فرشتوں کا مشاہدہ کرتا ہے اور لوگوں کی

پاس پیغام پہونچانے کے لئے مامور ہے بخلاف ولی کے اور کوئی آدمی اس مرتبہ کو نہیں پہونچتا کہ احکام دینی اور تکالیف شرعی اس سے ساقط ہو جاوے بشرطیکہ عاقل و بالغ ہو خواہ کوئی نبی یا ولی ہو یا مومن صالح ہو یا کوئی اور ہو کسی سے بے عذر شرعی احکام شرعی معاف نہیں جس طرح اور سب پر فرض و اجب ہیں اسی طرح ولی نبی پر بھی۔ کیونکہ جس قدر خطاب تکلیف شرعی ہیں وارد ہیں سب عام ہیں کسی کی اُسمیں خصوصیت نہیں۔

اور آیات قرآن مجید اور احادیث کا ظاہر پر محمول ہونا ضرور ہے کیونکہ سب ظاہر قرآن و حدیث کے ساتھہ مکلف ہیں مگر جبتک کہ ظاہر سے پھیرنا بتواتر ثابت ہوا اُسکی تاویل چاہیئے۔ اُسکے سوا جائز نہیں جیسے شیعہ باطنیہ کہتے ہیں کہ کتاب و سنت سے نسبت وضو و تیمم و نماز و روزہ و زکوٰۃ و حج و بہشت و دوزخ و قیامت وغیرہ کے جو کچھ وارد ہوا ہے وہ ظاہر پر محمول نہیں سبکے اَور ہی معنے ہیں اور جو معنے لغت سے مفہوم ہوتے ہیں وہ شارع کی مراد نہیں مثلاً حج سے مراد امام کے پاس پہونچنا ہے اور روزے کا مذہب سے مخفی رکھنا۔ اور نماز سے امام کی فرمانبرداری وغیرہ وغیرہ۔ اور ایک دوسرا فرقہ کہتا ہے کہ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ کے یہ معنے نہیں کہ نماز پڑھو بلکہ نماز مناجات ہے اللہ تعالیٰ سے حضور قلبی کے ساتھہ اور یہ قیام و قعود محض بے کار ہے۔ اور روزے کی اصل یہ ہے کہ نفس کو اُسکی خواہشوں کے پورا کرنے سے روکے اور زکوٰۃ کی اصل یہ ہے کہ مال کی محبت یکقلم دل سے نکال ڈالے اور حج کی اصل سیر الی اللہ ہے اور مناسک کی اصل سیر فی اللہ ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب ملحدانہ باتیں اصل شرع کی ہادم ہیں۔ بلکہ ان سے دراصل نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہوتی ہے۔ اور مدار شرع کا احکام ظاہری اور تکالیف خارجی پر ہے۔ اگر باطنی طریقوں اور تلقین کا اعتبار کیا جاوے تو یہ سب باتیں بیکار ہو جاتی ہیں۔ سب کا دار و مدار شیون قلبی پر آکر ٹھہرتا ہے اور اس سے شریعت کا باطل کرنا ہے۔ دوسرے جب قرآن مجید کے معانی اللہ اور رسول صلے اللہ علیہ وسلم اور اولیاء اللہ اور علمائے فرقہ باطنیہ کے سوا اور کوئی

نہیں سمجھتا تو پھر تمام خلق کے لئے قرآن کا بھیجنا لغو اور بیکار ہوتا ہے حالانکہ قرآن مجید کے نزول سے مقصود ہدایت ہے۔ ہاں جو حقائق اور دقائق قرآن مجید محققین ارباب سلوک سمجھتے ہیں حق ہیں۔ لیکن وہ ظاہری معنے کا انکار نہیں کرتے ہیں بلکہ انکو مان کر پھر اور دقائق نکالتے ہیں کہ ظاہری مرادات سے منطبق ہوتے ہیں اور انکو اللہ تعالےٰ نے قرآن میں رکھا ہے۔ کیونکہ قرآن کے لئے ظہر و بطن احادیث صحاح سے ثابت ہے۔ اور نسخ احکام کا بعد سید المرسلین خاتم النبین صلے اللہ علیہ وسلم کے شرعاً جائز نہیں ہے۔ اور مروے کو دنیا میں قیامت سے پہلے رجوع نہیں ہے۔ اور تناسخ ارواح کا یعنے یہ اعتقاد کہ انسان جیسا عمل کرتا ہے اسکو جزا سزا اسی دنیا میں اس طرح دیجاتی ہے کہ روح ایک جسم عنصری سے متعلق ہوتی ہے اور پھر بعد رفع ہونے اس تعلق کے دوسرے جسم عنصری سے جو پہلے سے مغایر ہوتا ہے متعلق ہو جاتی ہے باطل ہے۔ کیونکہ

(۱) مجرم کو سزا دیتے ہیں تو اسکو اسکے جرم کی اطلاع دینا ضرور ہے کہ فلاں جرم فلاں وقت میں کیا تھا اسکے عوض یہ سزا دیجاتی ہے لیکن کوئی انسان اس بات کا علم نہیں رکھتا ہے کہ مجھکو جو تکلیف لاحق ہے فلاں جرم کی وجہ سے ہے جو اس جسم کے حاصل کرنے سے پیشتر کسی اور جسم سے تعلق رکھنے کی حالت میں سرزد ہوا تھا پھر ایسی بے خبر سزا سے کیا فائدہ ہے۔ (۲) اگر تناسخ سے تبدیل ابدان ہو کر انسان اپنے اعمال کی سزا پاتا ہے تو بتلایئے شروع ہستی میں انسان نے کونسا عمل کیا جسکی وجہ سے جسم انسانی حاصل ہوا۔ اور گائے گھوڑے اونٹ ہاتھی وغیرہ نے کونسا عمل کیا جس سے ابتدا میں یہ جسم ملا۔ پس ہر ایک نوع حیوانات جدا جدا مخلوق ہے اور دنیا دار العمل ہے اور آخرت دار الجزا ہے (۳) اللہ تعالےٰ مجرمین کی زبانی کہتا ہے یٰلَیْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُکَذِّبَ بِاٰیٰتِ رَبِّنَا کاش ہم پھیرے جاویں اور نہ جھٹلاویں نشانیاں اپنے رب کی ایضاً رَبَّنَا اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اے رب ہم نے دیکھہ لیا اور سن لیا اب ہمکو پھر بھیج ہم کریں عمل اچھے۔ پس اگر تناسخ ارواح واقع میں ہوتا تو اللہ تعالےٰ انکے جواب میں فرماتا کہ تم کیوں پھر آرزو پھر جانے کی کرتے ہو۔ تم کو کئی دفعہ دنیا میں لوٹا دیا ہے۔

مگر ایسا نہیں فرمایا اور نیک کا حکم کرنا اور برے سے منع کرنا واجب ہے اور شرط اسکی یہ ہے کہ فساد پیدا ہونے کا خوف نہ ہو اور قبول کر لینے کی توقع ہو۔ اور انبیاء افضل ہیں تمام ملائکہ سے اور اولیاؤ زہاد کو فضیلت ہے عام ملائکہ سے سوائے اُن ملائکہ کے جو رسول ہیں اسلئے کہ حق تعالےٰ نے جنت انسان کے لئے پیدا کی ہے اور زندوں کی دعا مُردوں کے لئے حق ہے اور صدقہ دینے میں مُردوں کیطرف سے مُردوں کو نفع ہے اور خدا تعالےٰ اپنے فضل و کرم سے دعاؤں کو قبول کرتا ہے اور حاجتوں کو پورا کرتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے ہر چیز کے لئے سبب پیدا کیا ہے۔ بعضے اسباب ظاہر ہیں۔ بعضے چھپے ہیں۔ اسباب کی تاثیر کا ایک اندازہ ہے جب اللہ چاہے اُسکی تاثیر اندازے سے کم زیادہ کر دے جب چاہے ویسے ہی رکھے۔ آدمی کبھی کنکر سے مرتا ہے کبھی گولے سے بچتا ہے۔ اندازے کو تقدیر کہتے ہیں۔ یہ دو تقدیریں ہیں ایک بدلتی ہے ایک نہیں بدلتی۔ جو تقدیر بدلتی ہے اُسکو معلق کہتے ہیں اور جو نہیں بدلتی اسکو مُبرم کہتے ہیں[1]۔ پس اللہ نے دعا کرنے اور صدقہ دینے کو تقدیر کے روکنے کا سبب بنایا ہے بلکہ یہ بھی مقدر کیا ہے کہ جب بندہ دعا کریگا اور صدقہ دے گا تو نفع پہونچیگا۔ بلا اُسکی دفع ہوگی۔ اور تمام اسباب عالم باوجود قضاؤ قدر الٰہی کے یہی حکم رکھتے ہیں جیسے کہ ادویہ طبیہ شفا کے لئے۔ اور بندوں کے اعمال بہشت دوزخ میں داخل ہونے کے لئے اور یہ تغیر و تبدل بہ نسبت علم حق تعالےٰ کے نہیں ہوتا بلکہ بہ نسبت خلق کے ہوتا ہے۔ جیسے لوح محفوظ میں لکھا ہے کہ عمر اُس کی ساٹھ برس کی ہوگی۔ اور اگر دعا یا کسی کے ساتھ سلوک یا حج یا جہاد کرے گا تو بیس برس اسپر زیادہ ہو جائینگے اسی طرح اُسمیں لکھا ہوتا ہے کہ فلاں شخص یہ کام کرے گا تو اسکو یہ حاصل ہوگا اور نہ کریگا تو نہ حاصل ہوگا۔ اور پیدا کرنا حق تعالےٰ کا ذریت آدمؑ کو پشت حضرت آدم علیہ السلام سے اور توحید پر اُن سے میثاق لینا حق ہے اور میثاق لینا پیغمبروں سے واسطے تبلیغ کے

---

[1] دیکھو موضح القرآن ۱۲

اور نیز واسطے تصدیق بعض کے بعض سے حق ہے اور لوح و قلم اور جو کچھ اُس میں مسطور ہے حق ہے۔ امامت ریاست[1] عامہ ہے اہل اسلام اور ذمیوں کے دین و دنیا کے کاموں کی حفاظت کے لئے بطور نیابت کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف سے یعنے احیاء علوم دین اور اقامت ارکان اسلام اور امر معروف و نہی منکر اور جہاد اور قضا اور اجرائے حدود وغیرہ جس طرح نبی علیہ السلام کی ذات فائض البرکات سے انجام پاتے تھے اسی طرح یہ شخص بھی جو منصب امامت کے ساتھ نامزد ہوا ہے انجام دیگا پس اگر کوئی بادشاہ نہ ہو اور اسکا حکم نہ مانا جاوے وہ ہرگز امام نہ ہوگا۔ ہم کتنا ہی اُسے افضل فرض کریں اور جانیں کہ یہ فاطمی ہے اور معصوم بھی ہے اور اطاعت بھی اسکی واجب ہے۔ اور اگر کوئی کافر بزور شمشیر ملک پر قبضہ حاصل کرلے اور شرع کے احکام کو اُٹھا دے اور تمام رعایا سے خراج و باج لیتا رہے اور دین و اسلام کے کام میں مصروف نہ ہو وہ امام نہ کہلائیگا۔ اور جو امام مصلے پر بیٹھنے والا تسبیح ہاتھ میں لینے والا اور ہمیشہ کتب علمیہ کا مطالعہ کرنیوالا طلبا کو پڑھانے والا مشکل علموں میں کتابیں تصنیف کرنیوالا دقائق کا حل کرنے والا کفار کی لڑائی اور خونریزی اور مال چھیننے سے بچنے والا ہو اور اسکے عہد میں بعض آدمی بعض پر ظلم کریں اور قوی ضعیفوں کو ستاویں اور شریفوں کو مفسدوں کے ہاتھ سے آبرو بچانی مشکل ہو تو ایسے امام کی احتیاج مسلمانوں کو نہیں کیونکہ جو کچھ امامت اور سلطنت کے لئے ضروری ہے وہ اُس سے حاصل نہیں ہوتا۔

بلحاظ دلائل نقلی۔ اہلسنت کا قول ہے کہ مسلمانوں پر قیامت تک واجب بالکفایہ ہے امام یعنے سلطان کا مقرر کرنا۔ اسلئے کہ مکلفین کے کام جیسے حدود کا قائم کرنا اور جہاد کرنا اور احکام شرع کے موافق فتوے دینا اور علوم دین کو پھیلانا اور ارکان اسلام کا قائم رکھنا اور کفار کو عملداری اسلام سے بھگانا اور امر معروف اور نہی منکر کرنا اور دشمنوں پہ چڑھائی کے لئے لشکر درست کرنا مال غنیمت اور

---

[1] یعنے بادشاہی ۱۲

خمس تقسیم کرنا اور جن بچوں کا ولی کوئی نہیں ہے اُنکی ولایت کرنا وغیرہ باتیں سلطان سے وابستہ ہوتی ہیں پس اُسکا مقرر کرنا بھی مکلفین کی رائے پر واجب ہے اسلئے کہ مقدمۂ واجب اُسی پر واجب ہوتا ہے جس کے ذمہ واجب ہے نہ دوسرے پر پس وجوب امام جانب خدا سے بحکم عقل واجب نہیں بلکہ جانب خدا سے اُسکا تقرر بہت سے مفاسد کا موجب ہے اسلئے کہ مخلوق کی رائیں اور خواہشات نفسانی مختلف ہوتی ہیں پس ایک شخص کو یا کئی اشخاص کو تمام عالم کے انتظام کے لئے تمام زمانوں میں مقرر کرنا بڑی بڑی خرابیاں پیدا کریگا۔ طرح طرح کے جھگڑے اور فساد کھڑے ہونگے۔ امامت کمزور ہو جائے گی۔ دشمن غلبہ کرینگے اور امام کو اپنی جان کے خوف سے تقیہ کرنا اور مخفی ہونا پڑے گا بلکہ جان و مال معرض ہلاک میں آجائیں گے۔ اور اسی وجہ سے مخلوق کے سامنے کبھی اپنی جان کو ظاہر نہ کر سکے گا۔ ان قبائح پر خیال کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کا تقرر خدا کے ذمہ جاننا اور اُسے الطاف آلہی شمار کرنا باطل ہے۔ اگر نصب امام لطف آلہی ہوتا جیسے کہ نبی کا ہونا لطف ہے تو اس شرط سے ہوتا کہ امام کو تائید غیبی ہوتی۔ اور مخالفین پر غلبہ حاصل ہوتا۔ اور اظہار حق کے لئے کوئی برہان اُسکے ساتھ ہوتی اور جبکہ کوئی ایسی بات امام کے ساتھ نہیں ہے تو پھر لطف آلہی کیسے ہوا۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ امام کا نصب کرنا مکلفین پر واجب ہے۔ کہ حاجت کے وقت اپنی مصلحت کے موافق کسی کو اپنا رئیس بنا دیں۔ اور امام کے لئے چند شرطیں ہیں۔ (۱) مسلمان ہو (۲) مرد ہو کہ اکثر مہام امارت بدون عقل کامل اور شجاعت وافر کے دشوار ہے اور یہ عورات میں معدوم ہیں (۳) غلام نہ ہو (۴) عقل (۵) بلوغ کہ اسکے بغیر اپنے نفس پر بھی ولایت نہیں ہو سکتی۔ پھر ولایت عامہ کیونکر ہو سکتی ہے (۶) عدالت کہ فاسق اہل شہادت نہیں ہوتا اور اہلیت امامت عامہ بالاتر اہلیت شہادت سے ہے (۷) قوم کا قریشی ہو (۸) ناقص الاعضا یعنے گونگا بہرہ اندھا نہ ہو اسلئے کہ امام پر واجب ہے حکم دینا اسطرح

ملہ دیکھو ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء مقصد اول مسئلہ شرط خلافت ۔

کر اُسکے مطالب میں شبہ نہ پڑے اور مدعی اور مدعا علیہ اور مقر اور مقر لہ اور مشاہد و مشہود کی شناخت اور اُنکا کلام سننا اُسکے واسطے ضرور ہے اور واجب ہے اُسپر مقرر کرنا اپنی طرف سے نائبوں اور قاضیوں کا شہروں میں اور لشکر جہاد میں حکم دینا اور یہ سب باتیں سلامتی اعضا کے بدون ممکن نہیں (۹) مجتہد ہو اور مجتہد ہونے سے صرف اسی قدر مراد ہے کہ جن چیزوں کی احتیاج ہے اُنکا علم ہو کیونکہ ضروری چیزوں کا جاننا امام کے لئے اہم مقاصد سے ہے۔ کیونکہ تمام کاروبار اور احکام کے اجرا کا مدار سلطان پر ہے۔ اور جبکہ اسکو اتنا علم نہ ہوگا جسکے سبب سے حق و باطل میں تمیز کر سکے تو لامحالہ تمام معاملات کو ضبط کرویگا خاصکر جبکہ خود احکام شرعی کو جاری کریگا اور بنفس خود اُن کاموں کو انجام نہ دیتا ہو تب بھی اسقدر واقفیت ضرور ہے کہ علما میں سے کوئی عالم احکام شرعی کے جاری کرنے کے لئے متقی پرہیزگار صاحب عدالت مقرر کرے اگر خود اتنی تمیز نہ رکھتا ہو تو کسی اچھے عالم سے ایسے عالم کے احوال کو دریافت کر لے لیکن عدالت و قرشیت مشروط ہیں حالت اختیاری میں۔ پس دیدہ و دانستہ فاسق کو یا غیر قرشی کو اگر امام کریں تو البتہ گناہگار ہوں امامت اُسکی منعقد ہو جائیگی اور پھر اُس پر خروج جائز نہ ہوگا۔ اگر تسلط کر کے فاسق یا غیر قرشی بادشاہ بنجائیگا تو وہ خود گناہگار ہوگا لوگوں پر اطاعت اُسکی فرض ہوگی اور خروج اُسپر حرام ہوگا۔ اور شرط ہونا اسلام کا ساقط نہیں ہوتا ہے اسلئے کہ لفظ اولی الامر منکم غیر مسلم کو شامل نہیں اور شرط ہونا ذکورت اور حریت اور سلامت اعضا اور اجتہاد کا مثل عدالت کے ہے۔ پس اگر عورت یا غلام یا ناقص الاعضا یا غیر مجتہد مسلط ہو جائے تو اطاعت اُسکی واجب ہوگی۔ ظاہر ہوا کہ اسلام کے سوا امامت میں کوئی اور بات جیسا بنی ہاشم ہونا یا اولاد علی رضی اللہ عنہ ہونا یا افضل زمانہ ہونا یا معصوم ہونا شرط نہیں یہ قیدیں شیعہ نے لگائی ہیں۔ اور امام فسق و فجور سے معزول نہیں ہوتا بلکہ مستحق عزل ہو جاتا ہے۔ پس اس سبب سے مسلمانوں کو نہ چاہیئے کہ اُس امام کو برطرف کردیں۔ ہاں اُسکو حتی المقدور اُس گناہ سے باز رکھیں اور اُس کے نیک بخت ہونیکی

دعا کریں کیونکہ برطرف کرنے میں فتنۂ عظیم کا ڈر ہے اور نماز ہر نیک و بد مسلمان کے پیچھے جائز و روا ہے۔

اور مجتہد کبھی خطا بھی کرتا ہے اور اس خطا میں معذور ہے۔ اور حق و ثواب بھی کرتا ہے اور اعتقاد کرنا چاہیئے مسح موزے کا حضر و سفر میں مسافر کو تین شبانہ روز اور مقیم کو ایک شبانہ روز اور حلال[1] جاننا گناہ کا صغیرہ ہو یا کبیرہ اور اسکا سبک جاننا کفر ہے۔ اسکی شریعت کے ساتھ تمسخر کرنا کفر ہے نیز اسکی اہانت کرنا۔ اور کفر کے کلمہ سے ہزل کرنا کفر ہے اگرچہ اسپر اعتقاد نہ ہو کیونکہ ہزل موجب سبک جاننے کا ہے اور جب گناہ کا سبک جاننا کفر ٹہرا تو سبک جاننا کفر کا بطریق اولیٰ کفر ہے اور خدا کی رحمت سے نا امید ہونا کفر ہے۔ اور خدا کے عذاب سے بے خوف ہونا کفر ہے اور نبیذ جسے ہندی میں بوزہ کہتے ہیں بشرطیکہ لہو و لعب کے لئے نہ استعمال کیجائے۔ حرام نہیں ہے۔ اور نبیذ[2] اسے کہتے ہیں کہ خرمے یا کھجور کو تنہا یا مویز کے ساتھ یا جو شہد گیہوں۔ جوار۔ باجرہ وغیرہ غلہ کو پانی میں تر کرکے رکھدیتے ہیں یہانتک کہ اسمیں تھوڑی سی تیزی آجائے اور اگر اتنا رہنے دیں کہ جوش کھا کر مسکر و مکیف ہوجائے تو حرام ہے۔ یعنے بدلیل قطعی۔ و یقینی اسکا ترک فرض ہے۔ اب خیال کرو کہ اعتقاد میں خلاف پیدا ہو جانے کی وجہ سے ابتدا میں اشعریہ و ماتریدیہ و حنبلیہ میں باہم کسقدر تباین و تنافر تہا ہر ایک دوسرے کے عقیدے میں قدح کرتا تہا لیکن انجام کو وہ اختلاف راجع طرف توفیق و تطبیق کے ہوگیا۔ حق یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے

---

[1] متصوفہ مبطلہ میں سے ایک فرقہ کا نام اباحیہ ہے وہ کہتے ہیں کہ ہمکو قدرت گناہ سے بچنے اور امر کے بجالانیکی نہیں اور نہ کوئی دنیا میں کسی چیز کا مالک ہے سب کی و ہی سب کے مال و ازواج میں باہم شریک ہیں کذا فی توضیح المذاہب ۱۲ [2] جز داول مواہب لدنیہ میں غزوۂ حدیبیہ کے ضمن میں مذکور ہے۔ قال ابو حنیفۃ نقیع الترببب والتمر اذا طبخ حتی ذھب ثلثان ثم اشتد حل شربہ ما دون السکر یعنے وہ پانی جس میں مویز اور چھوہارے بھگوئے گئے ہوں اتنا پکایا جائے کہ دو حصے جلجائیں پھر گاڑھا ہوجاوے، تو اسکا پینا حلال ہے مگر جس حد تک کہ نشہ نلاوے ۱۲

علمائے اہلسنت وجماعت کو دو چیزیں عطا کی ہیں (۱) ذہن رسا کہ بہ سبب اُسکے
بات کی کُنہ کو پہونچ جاتے ہیں اور الفاظ پر نہیں اٹکتے (۲) انصاف اور قلت
حسد کہ اُسکی وجہ سے ہر ایک کے کلام کو بھلائی پر حمل کرتے ہیں اور حتی المقدور
تضلیل وتکفیر کسی کی نہیں کرتے۔ مثلاً ماتریدیہ صفت تکوین کے قائل ہیں اور
اُسے صفت حقیقی وقدیم جانتے ہیں اور اشعریہ صفت تکوین کو اعتباری کہتے ہیں
حقیقی نہیں مانتے اور خیال کرتے ہیں کہ تعلقات قدرت اور ارادہ سے یہ صفت
حادث ہوتی ہے جسطرح تمام صفات کے تعلقات حادث ہیں اُسی طرح یہ بھی حادث
ہے۔ پس علمائے اشعری علمائے ماتریدی کے کلام کو کہ صفت تکوین کے قدم کے
قائل ہیں اُس صفت کے مبدأ پر حمل کرتے ہیں۔ یعنے یہ سمجھتے ہیں کہ جن صفات سے
تکوین حادث ہوئی ہے اور وہ قدرت وارادہ ہے وہ قدیم ہیں اور اس وجہ سے
تکفیر وتضلیل نہیں کرتے۔ اسی طرح اشاعرہ اور ماتریدیہ کہتے ہیں کہ کلام الٰہی
غیر مخلوق ہے اور مراد اس سے کلام نفسی ہے نہ الفاظ۔ اسلئے کہ الفاظ جو کیفیات
اصوات غیر قارہ ہیں اُنکا حدوث بدیہی ہے اور بدیہی بات کا انکار مناسب نہیں
اور حنابلہ کہتے ہیں کہ الفاظ اگرچہ کیفیات اصوات غیر قارہ ہیں لیکن عدیم القرار ہونا
وجود تلفظی میں ہے اور یہاں یعنے الفاظ میں وجود دوسرا ہے کہ وہ سامعین کی
قوت تخیلہ میں ہے اور یہ وجود بطریق تجدد الامثال کے لمبا قرار رکھتا ہے۔
مثلاً شیخ سعدی کی گلستان کو باعتبار اُسی وجود کے کہہ سکتے ہیں کہ مدت ۷۰۰ برس
سے موجود ہے یعنے اُنہی الفاظ کے ساتھ کہ "منت خدائے را عزوجل الخ" ہیں۔
پہلے پہل سعدی کے تخیلہ میں وجود حاصل کیا۔ پھر دوسرے سامعین کے تخیلہ میں
وجود پایا۔ اسی طرح ہمارے وقت تک اُسکو وجود حاصل ہوتا رہا۔ پس کلام
لفظی بھی کا علم الٰہی میں کلام نفسی قدیم تام ہے اور حنابلہ کہتے ہیں کہ کسی طرح بدیہی
کا انکار لازم نہیں آتا بلکہ اُس عموم نص کو کہ کلام الٰہی غیر مخلوق ہے ظاہر سے پھیر کر
کلام نفسی پر محمول کرنا فہم وفراست سے بعید ہے۔ مگر اشعریہ اور ماتریدیہ نے

جان لیا کہ حنابلہ کا کلام ظاہری طور پر ہے اسلئے انکی تکفیر و تضلیل نہ کی۔ اشعریہ کہتے ہیں کہ افعال میں حسن و قبح باعتبار اس معنے کے نہیں ہے کہ افعال کی ذات کو حسن و قبح واجب ہے ورنہ شرع میں نسخ جائز نہ ہوتا اسواسطے کہ جو چیز بالذات یا ذاتی ہوتی ہے اسمیں اختلاف اور تخلف نہیں پیدا ہوتا۔ اور ماتریدیہ کہتے ہیں کہ افعال کے لئے ورود شرع سے پیشتر کوئی حکم وجوب یا حرمت کا نہیں بلکہ شرع نے وجوب و حرمت کو افعال میں بیان کیا ہے مگر ذات فعل میں ایک چیز ہوتی ہے کہ وہ وجوب کو چاہتی ہے۔ جیسے نماز کہ اسمیں معبود کی مناجات ہے جس نے اسکو واجب کیا ہے اور فعل ہی میں ایک ایسی چیز ہوتی ہے جو اس فعل کی حرمت کا تقاضا کرتی ہے جیسے زنا کہ اسکی وجہ سے انساب میں خلط واقع ہوتا ہے اور یہ بات زنا کی حرمت کو چاہتی ہے اور شارع حکیم ہے اسکا کوئی حکم مصلحت اور حکمت سے خالی نہیں۔ کوئی حکم اسکا فضول اور عبث نہیں۔ جس چیز میں اس نے جو بات دیکھی اسی کے مطابق اس نے حکم دیا۔ جو چیز حرمت کو چاہتی تھی اس فعل کو اس نے حرام کیا اور جو قابل وجوب تھی اسے واجب کیا۔ حاصل بعض افعال کا حسن و قبح ہماری فکر ناقص میں نہیں آسکتا تھا۔ اور ہماری ناقص قوتوں سے مدرک نہیں ہوسکتا تھا اسلئے اشاعرہ نے افعال کے حسن و قبح ذاتی کا انکار کیا تاکہ عوام ناقص قوتوں پر بھروسا کر کے جادۂ ایمان سے بھٹک نہ جائیں پس اشعریہ تکفیر و تضلیل نہیں کرتے۔ اسی طرح اشاعرہ صفات حق تعالیٰ کو ذات حق تعالیٰ پر زاید مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قدمائے مستقلہ یعنے ذوات متعددہ کا ثابت کرنا کفر ہے اور ایک ذات کی قدامت ثابت کر کے اس ذات قدیمہ کی صفات کو بالطبع قدیم ماننا کفر نہیں پس وہ ذات تو بالاستقلال قدیم ہوئی اور اسکے صفات بالطبع قدیم ٹھہرے اور علمائے ماتریدیہ نے قدمائے متعددہ اور توصیفات متعددہ سے احتراز کر کے کہا کہ صفات الٰہی ذات الٰہی کے نہ عین ہیں نہ غیر اسلئے کہ اگر عین کہتے ہیں تو صفات کی نفی لازم آتی ہے جو مذہب فلاسفہ اور امامیہ اور معتزلہ کا ہے اور اگر زاید مانتے ہیں تو

مخالفین کیطرف سے طعن و تشنیع کی بوچھاڑ تعدد قدما کے ثابت کرنے پر ہوتی ہے۔
اسلیئے عینیت اور غیریت دونوں کی نفی کی۔ اور اشاعرہ نے سمجھا کہ غیریت منفکہ کی
نفی مراد ہے جیساکہ ہم کہتے ہیں صفات کا انکار مدنظر نہیں اور اسی وجہ سے عینیت
کی بھی نفی کی ہے حالانکہ عینیت کی نفی وہی حقیقت کی نفی ہے اور کسی چیز سے اسکی
حقیقت کو نفنع کرنا سراسر سفسطہ ہے۔ اسی طرح علمائے ماتریدی کہتے ہیں کہ نیک
کبھی بد ہوجاتا ہے اور بد کبھی نیک بنجاتا ہے۔ اور علمائے اشعریہ کی رائے یہ ہے
کہ نیک وہ ہے جو ماں کے پیٹ ہی میں نیک ہوگیا اور بد وہ ہے جو ماں کے پیٹ
میں بد ہوگیا۔ یعنے نیکی اور بدی یہ دونوں انسان کے نصیب میں پیدائش سے پہلے
مقرر ہوجاتی ہیں۔ دونوں فرقوں نے ایک دوسرے کی اغراض پر غور کرکے تکفیر و
تضلیل سے زبان کو روکا۔ اسلیئے کہ ایک فرقہ نے انجام پر نظر کی اور دوسرے نے
وسط کا ہی لحاظ کیا۔ اور تبدیل سعادت وشقاوت کے قائل ہوئے۔ غرضکہ ماتریدیہ
اور اشاعرہ میں خلاف لفظی ہے نہ معنوی۔ ہر ایک کی منشا جدا ہے یہی حال ہے انکے
اختلاف کا ایمان میں کہ جمہور محدثین شافعیہ و مالکیہ و حنابلہ ایمان تصدیق اور عمل تینونکو
جانتے ہیں اور عمل کو ایمان کا کامل کرنے والا قرار دیتے ہیں اور حنفیہ کے نزدیک ایمان
فقط تصدیق کا نام ہے اور اقرار تصدیق کا ظاہر کرنے والا ہے اسیوجہ سے وہ فرقے
اپنے ایمان پر بھروسا نہیں کرتے اور یہ کہتے ہیں کہ انا مومن انشاءاللہ اور حنفیہ کو اپنے
ایمان پر جزم ہے اور یہ کہتے ہیں کہ انا مومن حقا اسلیئے کہ کمال ایمان میں کہ مراد عمل
سے ہے شبہ ہے کہ ہے یا نہیں۔ اور نفس ایمان میں کہ صرف تصدیق ہے کسی طرح کا شبہ نہیں
اسی طرح امام احمد حنبل اور اُنکے ساتھ ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ ایمان مخلوق نہیں بلکہ علمائے
بخارا نے تو کہا ہے کہ جو مخلوق کہے وہ کافر ہے اسلیئے کہ اس سے کلام آلہی کا مخلوق ہونا
لازم آتا ہے۔ اور محاسبی اور ابن کلاب عبدالعزیز مکی اور امام ابوحنیفہ اور علمائے سمرقند
یعنے ماتریدیہ کہتے ہیں کہ وہ مخلوق ہے کیونکہ ایمان دل کی تصدیق اور زبان کا اقرار ہے
اور یہ بندوں کے فعل ہیں اور بندوں کے سارے افعال مخلوق ہیں تو ایمان بھی مخلوق ہو

اشعری نے حنابلہ کے قول کی یوں توجیہ کی ہے کہ جو یہ کہتے ہیں کہ ایمان غیر مخلوق ہے تو مراد انکی وہ ایمان ہے جو اللہ تعالےٰ کی صفات میں سے ہے کیونکہ مومن اللہ تعالےٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے اور اللہ کا ایمان یہ ہے جو اُس نے اپنے کلام قدیم کے ساتھ ازل میں اپنی وحدانیت کی تصدیق کی تھی۔ اور اُسکی خبر دی تھی۔ چنانچہ اللہ کا یہ قول اسی مطلب پر دلالت کرتا ہے اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا۔ میں ہی ہوں اللہ کوئی معبود نہیں سوا میرے۔ اور یہاں یہ کہہ نہیں سکتے کہ اللہ کی تصدیق حادث ہے اسلئے اللہ مخلوق نہیں جسکے ساتھ حادث قائم ہوسکے اور جو کہتے ہیں ایمان مخلوق ہے انکی مراد بندوں کا ایمان ہے۔ ابن ابی الشریف کہتے ہیں کہ اسمیں خلاف کرنا ہی فضول ہے اسلئے کہ جس ایمان کے ساتھ تکلیف دیگئی ہے وہ دل کا فعل ہے اور اسکے مخلوق ہونے میں کلام نہیں اور جس ایمان پر اللہ کا نام دلالت کرتا ہے اُسکے قدیم ہونے میں اہل سنت کو شک نہیں کیونکہ وہ اللہ تعالےٰ کی صفات میں سے ہے جو قدیم ہیں۔[۵]

ہاں۔ فروع میں قریب چار سو مسائل کے باہم مذاہب اربعہ کے اختلاف بتاتے ہیں۔ سو وہ اختلاف بھی کچھ ایسا نہیں ہے جس سے تبدیع و تضلیل کسی کی ہو بلکہ اسکی بنیاد تدقیق و تعمیق پر ہے جب اُس دقت و تعمق سے قطع نظر کر ڈالیں اور جزئیات مجتہد فیہا میں غور و خوض نہ کریں تو امہات مسائل میں کوئی نزاع باقی نہیں رہتا ہے بلکہ وہ نزاع شبیہ بانزاع لفظی ٹھہرتا ہے۔ شعرانی مصری نے کتاب میزان میں اس اختلاف کو تشدید و تخفیف پر اُتارا ہے۔ ترازو کے دونوں پلوں کو تعادیل و توجیہ مناسب سے برابر کر دکھایا ہے۔ پس حق انہی چار مذاہب اور تین اعتقاد کے درمیان دائر و سائر ہے۔

فرقہائے ناری

ناری فرقوں میں سے ہر ایک فرقہ کئی فرقے ہو گیا ہے جنکی تفصیل یہ ہے۔
معتزلہ۔ شیعہ۔ خوارج۔ مرجیہ۔ بخاریہ۔ جبریہ۔ قدریہ۔ مشبہ۔ پھر انہیں سے بعض کا ترکیب

[۵] دیکھو معتقدات المنتقد

بعض سے ہوکر ہر فرقے سے کئی قسمیں پیدا ہوگئی ہیں مگر انکی ترتیب میں کوئی ایسا طریق مقرر نہیں ہے جو کسی قانون منصوص یا قاعدہ معین کے مطابق ہو بلکہ دو چار تصنیفیں بھی ایسی نہیں ملتیں جو ان فرقوں کے بیان میں ایک روش پر متفق ہوں۔ سب نے ذکر مذاہب میں ایک طرح کی پابندی نہیں کی ہے۔ جس طرح پر جس مذہب کو پایا ہے بلا کسی قانون اور اصول کے لکھ ڈالا ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ کوئی شخص کسی مذہب میں کسی ایک مسئلہ کی وجہ سے متمیز ہے تو اُسے صاحب مذہب نہیں کہہ سکتے کیونکہ ہر شخص کو بھی علیحدہ صاحب مذہب مانا جائیگا۔ تو مذاہب دایرۂ حصر و شمار سے باہر ہو جائینگے مثلاً کوئی شخص احکام جواہر میں کسی ایک مسئلہ کے ساتھ منفرد ہے تو وہ صاحبان مذہب کی گنتی میں نہیں آسکتا تو اب ضرور ہے کہ کوئی ضابطہ واسطے مسائل اصول و قواعد کے مقرر ہونا چاہیئے: تاکہ وہ اختلاف اُن مسائل کا مذہب ٹھہرے۔ صاحب ملل و نحل نے اپنی رائے سے حصر اس ضابطہ کا چار قواعد میں کیا ہے۔ یہ قواعد بڑے اصول ہیں۔

۱۔ قاعدہ مسئلہ صفات و توحید صفات الٰہی ہے۔ اسمیں کئی چیزیں شامل ہیں (۱) مسائل صفات قدیمہ الٰہی جنکا ایک جماعت نے اقرار کیا ہے اور کہا ہے کہ اللہ کے لئے ایسی صفات ثابت ہیں۔ اور دوسری جماعت نے انکے ثبوت سے انکار کیا ہے (۲) بیان صفات ذات و صفات فعل (۳) اللہ پر کیا چیز واجب ہے اور کیا چیز اُس پر جائز نہیں اور کون چیز اُس پر محال ہے۔ اس مسئلہ میں اہل سنت و مجسمیہ و کرامیہ و معتزلہ کے درمیان اختلاف ہے۔

۲۔ قاعدہ مسئلہ قدر و عدل ہے اس میں مسائل قضا و قدر و جبر و اختیار و ارادہ خیر و شر اور مقدور و معلوم داخل ہے کہ ایک جماعت کے نزدیک یہ چیزیں ثابت ہیں اور دوسری جماعت انکی نفی کرتی ہے۔ اس مسئلہ میں درمیان قدریہ و نجاریہ و جبریہ و اہل سنت کے خلاف ہے۔

۳۔ قاعدہ مسئلہ وعد اور وعید اور اسما اور احکام ہے۔ یہ مشتمل ہے مسائل ایمان اور توبہ اور وعید اور ارجا اور تکفیر و تضلیل پر۔ ایک جماعت

کے نزدیک یہ باتیں ثابت ہیں اور دوسری جماعت کے نزدیک ثابت نہیں ہیں مرجیا ور وعیدیہ یعنے خوارج اور معتزلہ اور اہل سنت اور مشبہ کرامیہ میں خلاف ہے۔

۴۔ قاعدہ مسئلہ سمع (نقل) و عقل و رسالت و امامت ہے یہ قاعدہ مشتمل ہے کئی مسائل پر جیسے حسن و قبیح اور اصلح اور لطف اور عصمت نبوت اور جیسے شرائط امامت کے۔ اور ایک جماعت کے نزدیک منصوص ہونا اور دوسری جماعت کا نص سے انکار کرنا اور اثبات کا قائل ہونا کہ امامت کا انعقاد اجماع سے ہوتا ہے اور انتقال امامت کی کیفیت اُن لوگوں کے نزدیک جو نص کے قائل ہیں اور اثبات امامت کی کیفیت اُنکے نزدیک جو اجماع کے مقر ہیں۔ اِن مسائل کا خلاف شیعہ اور خوارج اور معتزلہ اور کرامیہ اور اہلسنت میں ہے غرضکہ اصحاب مذاہب کی ترتیب بیان کرنیکے دو طریقے ہیں۔

ایک یہ کہ اصول مذاہب کو مقرر کرکے ہر مسئلہ میں مذہب ایک فرقہ کا بیان کرتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ اصحاب مذاہب کے اصول ٹھہرا کر ہر ہر مسئلہ میں اُنکے مذاہب کو ذکر کرتے ہیں۔ اس پچھلے طریقے سے اقسام کا ضبط اچھی طرح ہو جاتا ہے۔

فرقہ معتزلہ

وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جب حسن بصری کو یہ خبر پہونچی کہ مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی پیدا ہوئی ہے کہ کہتے ہیں کہ مرتکب کبیرہ نہ بالکل مومن ہے اور نہ بالکل کافر ہے بلکہ وہ ایک منزل میں ہے درمیان منازل کفر و ایمان کے۔ تو اُنھوں نے کہا کہ ھولاء اعتزلوا یعنے یہ لوگ کنارہ کش ہو گئے ہیں اجماع اسلام سے۔ تب وہ فرقہ معتزلہ کہلانے لگا۔ کیونکہ علمائے سلف نے اس کلیہ پر اتفاق کر لیا ہے کہ مکلف یا مومن ہے یا کافر۔ پس قول بالواسطہ سراسر اجماع کے مخالف ہے۔ ابن منبہ نے کہا ہے کہ یہ نام بعد حسنؒ کے نکلا ہے۔ اس طرح پر کہ جب حسنؒ مر گئے اور اُنکی جگہ قتادہؓ بیٹھے تو عمر بن عبید اور اُسکے اصحاب نے اُن سے کنارہ کشی کی۔ قتادہؓ نے اُن لوگوں کا نام معتزلہ رکھدیا۔

اصل اس تمام گروہ کا رئیس اور پیشوا واصل ہے اس شخص نے احادیث واخبار کو حسن بصری سے سیکھا تھا۔ اور قواعد اعتزال کو عبداللہ بن محمد حنفیہ سے حاصل کیا تھا۔ بروینے کامل میں کہا ہے کہ اُسکی نشست اکثر اُس بازار میں ہوا کرتی تھی جہاں عورتیں سوت بیچنے کو لاتی تھیں تاکہ پارسا عورتوں کو پہچان کر کچھ اُن کو صدقہ خیرات دیا کرے اسلئے اُسکا لقب غزال ہوگیا۔ کیونکہ غزال تشدید زائے معجمہ کے ساتھ سوت بیچنے والے کو کہتے ہیں ورنہ وہ خود سوت بیچنے والا نہ تھا۔ اس شخص کی گردن بہت لمبی تھی۔ یہاں تک کہ عمر بن عبید نے اس بات کا عیب اُس میں نکالا اور کہا من ھذہ عنقہ لاخیر عندہ یعنے جس شخص کی گردن اتنی لمبی ہوگی اُسکے پاس کوئی بھلائی نہ ہوگی لیکن جب واصل لائق فائق نکلا تو عمرو نے کہا میری فراست چوک گئی یعنے میری اٹکل میں خطا ہوئی۔ واصل کی زبان سے حرف رائے مہملہ صحیح نہ نکلتا تھا۔ معہٰذا نہایت فصیح و بلیغ تھا۔ اسی وجہ سے اپنی بات چیت میں حرف را کو غین سے بدل[1] دیتا تھا زبان پر نہ آنے دیتا۔ اُسکا ایک بڑا رسالہ ہے جس میں اُس نے حرف را کو ذکر نہیں کیا اور یہ بات بہت کم ہے کہ کوئی شخص معتزلی ہو اور شیعہ نہ ہو۔ سوا ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں۔ اسی واسطے عامہ معتزلہ افضلیت جناب امیر کی شیخین پر قایل ہیں۔ اور معتزلہ نے اپنا لقب **اصحاب عدل و توحید** مقرر کیا ہے۔ ان کا عدل یہ ہے کہ اللہ تعالے پر مطیع کو ثواب اور عاصی کو عذاب پہونچانا واجب ہے۔ اور توحید اُنکی یہ ہے کہ صفات اُلوہیت کے نافی ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالے بیشک عالم بھی ہے اور قادر بھی اور بصیر بھی وغیرہ وغیرہ مگر صفت علم اور قدرت اور بصارت وغیرہ اُسکو حاصل نہیں ہے۔ مطلب ان لوگوں کا یہ ہے کہ صفات الٰہی ذات الٰہی سے جدا نہیں ہیں۔ بلکہ تمام ایک ذات ہے اور ایک ہی مفہوم کیونکہ اگر صفات باری تعالے کو اُسکی ذات کا عین نہ مانا جائے گا تو بہت سے قدما اور معبود ثابت ہوجائینگے اور یہ کفر ہے کہ جسطرح علمائے اہل سنت وجماعت کہتے ہیں کہ صفات الٰہی ذات

[1] دیکھو تاریخ یافعی واقعات ۱۳۱ ہجری ۱۲

حق تعالیٰ کی عین نہیں عالم ہے سلیک علم کے ذریعہ سے اور قادر ہے قدرت کے ذریعہ سے اور مرید ہے ارادہ کے وسیلہ سے اور سمیع ہے سمع کے توسط سے اور بصیر ہے بصر کی وجہ سے اور حیّ ہے حیات کے سبب سے اور مکوّن ہے تکوین کے ذریعہ سے اور دلیل اُنکی اسپر یہ ہے کہ اگر مثلاً علم اور قدرت دونوں عین ذات ہوتے تو علم اور قدرت ایک ہی چیز ہوجاتے۔ علم بعینہٖ قدرت ہوتا اور قدرت بعین علم اور دونوں سے جو کچھ مفہوم ہوتا وہ ایک ہی چیز ہوتی۔ اور اسی پر باقی صفات کو خیال کرلینا چاہئیے۔ اسی وجہ مثبتین صفات کو صفاتیہ اور اثریہ بھی کہتے ہیں۔ اور علمائے معتزلہ کے نزدیک صفات ذات اور صفات فعل میں اسی طرح فرق ہے کہ جن اوصاف الٰہی میں اثبات و نفی جاری ہوسکتے ہیں وہ تو صفات فعل ہیں جیسے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فلانے کے بیٹا پیدا کیا۔ یا اسکے بیٹا پیدا نہ کیا۔ زید کو رزق بخشا اور عمر کو رزق نہ بخشا۔ پیدا کرنا اور رزق بخشنا صفات فعل ہیں اور جنمیں نفی جاری نہ ہوسکے وہ صفات ذات ہیں جیسے علم اور قدرت کہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ اللہ تعالیٰ عالم یا قادر نہیں ہے اور انکے نزدیک کلام اور ارادہ بھی صفات فعل میں داخل ہیں اور ابو الحسن اور جاحظ اور علاف اور ابو القاسم بلخی اور محمود خوارزمی وغیرہ کی یہ رائے ہے کہ ارادہ سے غرض یہ ہے کہ وہ کاموں کے نفعوں کو جان لیتا ہے اور اُسکا ارادہ علم میں منحصر ہے اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام مرکب ہے حروف اور آواز سے اور حادث ہے قدیم نہیں ہے اسی واسطے اُسکی ذات پاک کے ساتھ قائم ہونا تجویز نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو اُسے کبھی لوح محفوظ میں پیدا کردیتا ہے اور کبھی جبرئیل اور کبھی نبی میں اور اُنکے ہاں کلام نفسی اور لفظی کی تفریق نہیں اسلئے قرآن کو مخلوق کہتے ہیں اور رویت آلہی کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رویت کے لئے شرائط درکار ہیں حاسہ کا سالم اور مرئی کا جسم وار کثیف ورنگین ہونا ناظر کے سامنے آجانے سے اُسکی رویت کا ممکن ہونا اور رائی و مرئی میں مسافت کا متوسط ہونا کہ نہ نہایت دور ہو نہ بہت نزدیک اور مقابلہ دونوں میں ہونا اور حجاب درمیان میں

نہ ہوتا اور کہتے ہیں کہ رویت بدون مکان اور بدون جہت کے یعنے بغیر ان شرائط مذکورہ بالا کے محال ہے اور اشیا میں حسن و قبیح انکے نزدیک عقلی ہے جیسا کہ رائے ماتریدیہ کی ہے۔ مگر فرق یہ ہے کہ ماتریدیہ کے نزدیک حسن و قبیح عقلی اسبات کو نہیں چاہتا کہ بندے کے لئے اُسمیں حکم الٰہی صادر ہو۔ اور معتزلہ کہتے ہیں کہ حسن و قبیح عقلی ہی اللہ تعالے کیطرف سے حکم کا موجب ہے اسلئے کہ اُسکے سوا کوئی اَور حاکم نہیں ہے اگر بالفرض نہ شرع ہوتی اور نہ رسول مبعوث ہوتے اور اللہ تعالے افعال ایجاد کرتا تب بھی یہ احکام اسی طرح واجب ہوتے جسطرح شرع نے اب واجب کئے ہیں اور معتزلہ کا قول ہے کہ بندہ خالق ہے اپنے افعال اختیاریہ کا۔ بعض افعال اُس سے بطریق مباشرت کے پیدا ہوتے ہیں اور بعض بطریق تولید کے۔ معنے تولید کے یہ ہیں کہ فاعل کے ایک فعل سے دوسرا فعل واجب ہوجائے جیسے انگلی کا ملنا واجب کردیتا ہے چھلے کے ہلنے کو اگرچہ اس دوسرے کا بندہ اصلاً قصد نہیں کرتا مگر موجد اُسکا بھی وہی ہوتا ہے! اس قدر ہے کہ ایک اَور فعل کا توسط ضرور ہوتا ہے اور چونکہ ان کے نزدیک بندہ اپنے افعال کا خالق ہے اسلئے جزا اُن افعال کا حقیقۃً خدا پر حق بندوں کا ہے اور امر خیر اللہ کے ارادہ سے ہوتا ہے اور کفر و عصیان بندہ سے باختیار خود ہوتے ہیں۔ خدا کے ارادہ اور مشیت کو اس میں دخل نہیں بلکہ وہ ہر مخلوق سے ارادہ اسلام وطاعت کا کرتا ہے چنانچہ امر کرتا ہے اسلام وطاعت کا اور جس چیز کی کہ نہی کرتا ہے کفر و معصیت سے اُسکی نسبت ارادہ نہیں کرتا ہے۔ اکثر معتزلہ کہتے ہیں کہ استطاعت یعنے قدرت فعل سے قبل ہوتی ہے۔ اور بعض معتزلہ مثل نجار اور محمد بن عیسیٰ اور ابن راوندی اور ابو عیسے وراق وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ قدرت فعل کے ساتھ ہوتی ہے جیسا کہ رائے اہل سنت کی ہے اور کہتے ہیں کہ مقتول کی موت قاتل کے فعل سے پیدا ہوتی ہے اور اسی طرح مسموم کی موت زہر دینے والے کے فعل سے۔ پس موت بندے کے افعال میں سے ہے خدا کا فعل نہیں۔ اگر قاتل اُسے قتل نہ کرتا یا زہر دینے والا زہر نہ دیتا تو جو وقت موت کا اُسکی خدا تعالے نے مقدر کیا تھا اُسوقت تک جیتا

قاتل نے تقدیر الٰہی کو بدل ڈالا اسی لئے اسکا یہ فعل شرعاً و عقلاً مذموم ہوتا ہے۔
اور کعبی کے نزدیک مقتول کے لئے دو اجل ہیں ایک قتل دوسرے موت۔ اگر وہ
قاتل کے ہاتھ سے مارا نہ جاتا تو اپنے وعدہ تک یعنے موت کے وقت تک جیتا۔ اگر
عموماً معتزلہ اسکے قائل ہیں کہ مقتول اپنے وعدہ پر جو خدا نے اُسکے لئے مقرر کر دیا
ہے نہیں مرتا ہے۔ فرق دونوں رایوں میں یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک تو قتل و موت
دونوں پر لفظ موت کا اطلاق درست ہے۔ اور کعبی کہتا ہے کہ قتل کو موت نہ کہنا چاہیے
موت وہی ہے جو اپنے وعدے سے مرے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے فعل کا نام موت ہے
اور بندے کے فعل کا نام قتل۔ اور معتزلہ کہتے ہیں حرام رزق نہیں کیونکہ رزق وہ مملوک
ہے جسکو مالک کھائے اور شارع نے اسمیں تصرف کرنے کا حکم بھی دیدیا ہو۔ اس صورت
میں شراب اور سور جو کسی مسلمان کے مملوک ہوں رزق نہیں ہو سکتے۔ اسلئے کہ شارع
نے انمیں تصرف کرنے کی اجازت نہیں دی ہے۔ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ جس شخص
نے عمر بھر حرام چیز کھائی تو اُس نے رزق الٰہی نہیں کھایا وہ اپنے طور پر پیٹ پالتا
رہا۔ حالانکہ ہر جاندار کو اللہ ہی رزق پہونچاتا ہے اور ہدایت و ضلالت انسان بطریق مباشرت
کے پیدا کرتا ہے۔ پھر کامیابی ہدایت و ضلالت کی اس مباشرت سے بطریق تولید کے
پیدا ہوتی ہیں۔ خدا تعالیٰ کے پیدا کرنے کو ان میں دخل نہیں اور نہ اللہ تعالیٰ
کی مشیت کو اُن سے تعلق ہے۔ اور اصلح اور لطف اور ثواب و عذاب اور آلام کا
عوض یہ پانچ چیزیں حق تعالیٰ پر واجب ہیں ورنہ بخل لازم آتا ہے اسلئے کہ جب اُسکو
اختیار میں یہ ساری باتیں ہیں اور اُنکے واسطے کوئی مانع بھی نہیں ہے تو پھر انکا
ترک کرنا بخل کیونکر نہ ہوگا۔ اور یہ عیب ہے جس سے ذات باری منزہ ہے اور کفار و
فساق کو ہمیشہ دوزخ میں رکھنا اور کبھی عذاب سے نجات نہ دینا بھی اُنکے واسطے آخرت
میں اصلح ہے اور اُن کے اعمال کو باطل کرنا اور اُنپر لعنت فرمانا یہ دنیا میں انکے لئے
اصلح ہے اور قبر کے عذاب و ثواب اور سوال منکر و نکیر کے منکر ہیں مگر صالحی کہتا
ہے کہ تعذیب و تنعیم بلا زندہ کرنے میت کے واقع ہوگی۔ اور ابو علی جبائی وغیرہ

بعض معتزلہ ان فرشتوں کا منکر و نکیر نام رکھنا ناپسند کرتے ہیں۔ بعضے معتزلہ کہتے ہیں میزان کا ہونا جائز ہے مگر ثبوت کے قائل نہیں۔ اور بعضے کہتے ہیں کہ یہ بات محال ہے اور کہتے ہیں کہ قرآن میں جو وزن اور میزان کا ذکر ہے اسکا یہ مطلب ہے کہ پورا پورا انصاف کیا جائیگا ذرا فرق نہ ہوگا۔ اس بیان سے در اصل ترازو مراد نہیں کیونکہ اعمال اعراض ہیں اور انکا تُل سکنا ممکن نہیں کیونکہ ہلکا بھاری ہونا جواہر کی شان سے ہے اور خدا تعالے ان سب کا عالم بھی ہے تو پھر تولنے کا کیا فائدہ اور نیکی و بدی کے صحیفے ہاتھوں میں دینا بھی عبث ہے اور کراماً کاتبین کے بھی منکر ہیں۔ اور ابو الہذیل اور بشر بن معتمر پل صراط کے جواز کے قائل ہیں مگر اسکے وقوع کے منکر ہیں اور اکثر معتزلہ بالکل منکر ہیں جواز کے قائل نہیں۔ اور جبائی کے اقوال دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس بارے میں متردد ہے اور دوزخ و جنت اب موجود نہیں ہیں قیامت کو موجود ہونگے اور یہ کہتے ہیں کہ حقیقت ایمان میں تصدیق کے ساتھ اعمال بھی داخل ہیں۔ اسلئے انکے نزدیک مرتکب کبیرہ مومن نہیں ایمان سے خارج ہے مگر ایسے شخص کو کافر اسواسطے نہیں جانتے کہ صحابہ اور قضاۃ مرتکب کبیرہ پر زنا اور شراب خمر وغیرہ میں حد جاری کیا کرتے تھے۔ اور اپنے ملک سے بدر نہیں کرتے تھے اور نہ قتل کرتے تھے اور نہ قتل کراتے تھے۔ اور نہ انکی لاشوں کو مسلمانوں کے مقابر میں دفن ہونے دیتے تھے حالانکہ کافر کے ساتھ ایسے معاملات بالاجماع ناجائز ہیں اور اسی کا نام اُنھوں نے منزلۃ بین المنزلتین رکھا ہے۔ منزلتین کفر و ایمان ہوئے اور درمیانی منزل فسق ہے۔ پس ایسا شخص فاسق ہے۔ اور شرک کا نہ بخشنا شرعاً و عقلاً ممتنع کہتے ہیں جیسا کہ ماتریدیہ کا مذہب ہے[1]۔ اور کبیرہ بھی بغیر توبہ کے ان کے نزدیک بخشے جائینگے اور یہ لوگ یَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِكَ لِمَنۡ یَّشَآءُ میں مغفرت ذنوب کو توبہ کے ساتھ مقید کرتے ہیں۔ اور بعض معتزلہ کی یہ رائے ہے کہ جب بندہ کبائر سے اجتناب کرتا ہے تو اسکے لئے عذاب ہونا جائز نہیں بلکہ وہ

---

[1] یعنے خدا بخشتا ہے کمتر شرک سے جسکو چاہے ۱۲

واجب العفو ہے اور حق غیر صاحب الکبیرہ میں شفاعت جائز رکھتے ہیں انکا زعم یہ ہے
کہ شفاعت زیادتی ثواب کے لئے ہوگی نہ عذاب سے نجات پانے کے لئے اور
مرتکب کبیرہ اگر توبہ کئے بغیر مر جائیگا تو ہمیشہ دوزخ میں رہیگا اور انکی رائے یہ ہے
کہ ایمان باطن سے تعلق رکھتا ہے اور اسلام ظاہر سے۔ چنانچہ انکے نزدیک
فاسق مسلم ہے نہ مومن۔ اور معتزلہ کہتے ہیں کہ عقل نہیں تجویز کرتی کہ انبیاء سے
عمداً کبائر سرزد ہوں۔ اور اہل سنت کے نزدیک یہ بات دلیل سمعی سے ثابت ہے
اور معتزلہ آدم اور انبیاء میں سے کسی ایک کی فضیلت کے دوسرے پر قائل نہیں سب کو
برابر جانتے ہیں اور کرامات اولیا کا انکار کیا ہے۔ اس وجہ سے کہ اولیا سے خرق عادت
کے وقوع میں معجزہ کے ساتھ اشتباہ ہوگا۔ پھر اس صورت میں نبی اور غیر نبی میں
تمیز کرنا مشکل ہے۔ مگر ابو الحسن بصری معتزلی اور اسکا شاگرد محمود خوارزمی کرامات
اولیا کے قائل ہیں اور ان کے نزدیک مجتہد کی رائے میں کبھی غلطی نہیں ہوتی۔
جیسا کہ عامہ متکلمین اشاعرہ کی رائے ہے اور انکا عموماً یہ قول ہے کہ ملائکہ علوی افضل ہیں
انبیاء سے اور انکے نزدیک عبادت کا ثواب سوائے فاعل کے غیر کو نہیں پہونچتا خواہ عبادت
مالی ہو یا بدنی خواہ مرکب ہو مال اور بدن سے۔ کیونکہ قضا و قدر نہیں بدل سکتے پس
دعا لغو ہے۔ کچھ اُس سے فائدہ نہیں ہوسکتا کیونکہ جس بات کی دعا کیجاتی ہے
اگر وہ مقدر کے مطابق ہے تو اسکی خواستگاری فعل عبث ہے اور اگر مخالف ہوگی
تو اسکا موجود ہونا ناممکن ہے۔ اسی سبب سے انکے مردے استغفار اور صدقات
کہ نجات کا بڑا وسیلہ ہے محروم رہتے ہیں اور سارے معتزلہ سوائے کعبی اور ابو الہذیل
اور ابو الحسین بصری کے یہ کہتے ہیں کہ معدوم بھی ایک شے ہے اور عالم واقع
میں ثابت ہے مگر اسی قدر ہے کہ اسکو وجود نہیں ملا ہے اگر وجود ملجائے تو وہ موجود
ہو جاسے۔ اس مرتبہ کو انکی اصطلاح میں ثبوت اور تقرر کا مرتبہ کہتے ہیں۔ اور
دلیل انکی یہ ہے کہ ممکن اپنے وجود کے قبل یا تو واجب ہوگا یا ممتنع اور ان دونوں
صورتوں میں وجود کے وقت انقلاب لازم آتا ہے۔ پس یہ غلط ہے تو یہی ہے

کہ ممکن اپنے وجود سے پیشتر بھی ممکن ہوگا۔ اور امکان ایک ایسی صفت ہے جسکے لئے موصوف کا ہونا ضرور ہے تو دیکھنا چاہئے کہ وہ ثابت ہے یا موجود۔ اگر موجود ہوگا تو پھر وجود اسکو حاصل ہونا تحصیل حاصل ہے اسلئے یہ باطل ہے تو باقی یہ رہا کہ وہ ثابت ہوگا یہی مدعا ہے یعنے ممکن اپنے عدم کے وقت میں ثابت ہے اور موجود نہیں ہے اور منشاء اس قول کا یہ ہے کہ ان لوگوں کے نزدیک وجود میں اور ماہیت میں فرق ہے کبھی ماہیت ہوتی ہے اور اسکو وجود عارض نہیں ہوتا یہی مرتبہ تقرر کا ہے۔ اسی کو معدوم ثابت کہتے ہیں مگر موجود نہیں کہہ سکتے موجود جب کہیں گے کہ اسکو وجود ملجائے اور اس قسم کے معدوم میں ممکن کی قید اسواسطے لگا دیتے ہیں کہ جو معدوم ایسا نہو بلکہ ممتنع ہو اسکو تقرر کا مرتبہ حاصل نہیں ہوتا وہ بالاتفاق کچھ چیز نہیں اور صوفیہ بھی اعیان ثابتہ کے عالم کی پیدائش سے قبل قائل ہیں اور اشاعرہ معتزلہ وحنابلہ کہتے ہیں کہ معدوم کچھ بھی نہیں ممتنع ہو یا ممکن کیونکہ انکے نزدیک وجود اور نفس حقیقت یا ماہیت میں ذرا فرق نہیں ہے پس جب وجود نہ ہوگا تو ماہیت بھی نہ ہوگی۔ اور یہ بات نامعقول ہے کہ ایک چیز سے عالم عدم میں وجود منفک ہو اور پھر اسکو کسی قسم کا ثبوت ہو۔ اگر اسکو عالم عدم میں ثبوت حاصل ہوگا تو وہ ایک ہی وقت میں موجود بھی ہوگی اور معدوم بھی ہوگی اور یہ بالکل خلاف قیاس ہے اسلئے کہ وجود کا کوئی اور معنے ہی نہیں سوائے ثبوت اور تحقیق اور تقرر کے معدوم ہی کہنا اور اسکے واسطے ثبوت بھی ڈھونڈھنا جو بلاشبہ حرکات وسکنات کو چاہتا ہے بالکل مستسخف ہے اور معدوم ثابت کے ابطال کی بڑی ضرورت اسلئے ہے کہ اہلسنت والجماعت کے مقر ہیں کہ اللہ تعالےٰ کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں ہے اور معدوم کے ثبوت کی صورت میں یہ جائز ہو جائیگا کہ بعض معدومات ثابتہ سے تو قدرت کو تعلق حاصل ہووے اور بعض کے ساتھ کسی خصوصیت کی وجہ سے نہو بلکہ علے العموم معدومات ثابت معدومیت کے دائرہ سے نکل جائینگے اسلئے کہ جس کو عدم میں ثبوت حاصل ہوگا وہ ازلی ہوگا پس قدرت الٰہی انکی ذات کے ساتھ کسطرح متعلق

ہوسکتی ہے پھر اگر قدرت کا تعلق ان سے مانا جائیگا تو اس قدر کہ وجود اس نے عطا کیا تو خدائے تعالیٰ ممکنات کا خالق اصلی اور موجد نہیں بن سکتا اور نہ اسکو کسی چیز کے ایجاد پر قدرت ہوسکتی ہے اور یہ کفر صریح ہے۔ ابن حزم نے ملل ونحل میں کہا ہے۔ معتزلہ کا عمدہ کلام وعد اور وعید اور قدر ہی ہے۔ پس جو کوئی یہ کہے کہ قرآن غیر مخلوق ہے اور قدر کو ثابت کرے یعنے یہ کہے کہ بندے کے افعال اختیاریہ اللہ کی قضا و قدر سے ہیں اور آخرت میں اللہ کے دیدار ہونے کا اقرار کرتا ہو اور جو صفات الٰہی کہ قرآن وحدیث میں مذکور ہیں انہیں ثابت کرے اور صاحب گناہ کبیرہ کو دائرۂ اسلام سے خارج نہ کرے وہ معتزلی نہیں اگرچہ تمام عقائد میں معتزلہ کے ساتھ موافقت رکھتا ہے۔ یہ بیان مجتمعا معتزلہ کے عقاید کا ہے بعض بعض باتوں میں انمیں آپسمیں اختلاف ہے اسلئے بہت سے فرقے ہوگئے ہیں کہ انمیں سے ایک دوسرے کی تکفیر کرتا ہے۔

اول واصلیہ

اصحاب ابی حذیفہ واصل بن عطا۔ اسکے فرقہ کو حسنیہ بھی کہتے ہیں اور یہ نسبت حسن بصری کی طرف ہے کیونکہ واصل انکے شاگردوں میں سے ہے۔ اسکا اعتزال چار قواعد پر چکر کہاتا ہے ایک نفی صفات الٰہی دوسرے قول بقدر یعنے بندہ اپنے افعال اختیاریہ کا آپ خالق ہے تیسرے مرتکب کبیرہ درمیان منزل کفر وایمان کے ہے چوتھے مرتکب کبیرہ ہمیشہ دوزخ میں پڑا رہیگا۔ ایک قول اسکا یہ بھی ہے کہ اصحاب جمل وصفین اور قاتلان عثمان اور جانبداران عثمان میں سے ایک گروہ غیر معین مخطی ہے پس حضرت علیؓ اور طلحہ اور زبیر جنگ جمل کے سبب اہلیت شہادت کی نہیں رہی تھی انکا قول متروک ہے حضرت عثمان کا حال تو کبیرہ کا سا ہونا جایز بتاتا تھا۔ اور واصل حضرت علیؓ کو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر فضیلت دیتا تھا اگرچہ قایل امامت شیخین کا تھا یہ شخص ۸۰ھ میں مدینہ میں پیدا ہوا تھا ۱۳۱ھ میں مرگیا۔

دوم عمریہ

اصحاب عمرو بن عبید جو شاگرد واصل بن عطا کا تھا اس کا مذہب بھی مثل واصلیہ کے ہے مگر اس مسئلہ میں متفرد ہوا کہ اصحاب جمل وصفین اور جو لوگ حضرت عثمان کے جھگڑے میں شریک رہے ہیں وہ تمام فاسق ہیں۔ اور اسنے

قدریہ میں عقیدہ کے مطابق ثبت تک بحث بڑھا ہوا ہے۔ یہ عمرو معتزلہ و غلاۃ یزید الناقص بن ولید بن عبد الملک بن مروان کے ابتداء ایام حکومت بنی امیہ میں۔ پھر جب منصور خلیفہ عباسی والی ہوا تو اسکی امامت کا قائل ہوگیا۔ سمعانی نے کتاب انساب میں کہا ہے کہ جبکہ یہ اختلاف ہوا کہ خوارج تو مرتکب کبیرہ کو کافر کہنے لگے اور ایک جماعت نے کہا کہ اگرچہ انہوں نے فسق کیا ہے مگر مومن ہیں تو واصل نے دونوں گروہ سے اختلاف کیا اور کہا کہ مرتکب کبیرہ نہ مومن ہے نہ کافر تو حسن نے اپنی مجلس سے علیحدہ کر دیا اور واصل نے بھی انہیں چھوڑ دیا۔ اور عمرو بن عبید واصل کی صحبت میں شریک ہوگیا اسلئے یہ دونوں اور انکے متبع معتزلہ کہلانے لگے۔

سوم ہذیلیہ

یہ اتباع ابو ہذیل حمدان بن ہذیل علاف شیخ المعتزلہ ہیں انہی نے عثمان بن خالد طویل شاگرد واصل بن عطا سے علم حاصل کیا تھا یہ استطاعت کو ایک عرض منجملہ اعراض کے بتاتا تھا اور کہتا تھا کہ استطاعت صحت و سلامتی کے سوا نہیں ہے اور کہتا تھا کہ افعال دل اور افعال اعضا میں فرق ہے اور اسکا زعم یہ تھا کہ بندے کے افعال دل اسکی قدرت کے بدون سرزد نہیں ہو سکتے اور استطاعت حالت فعل میں قدرت کے ساتھ ہوا کرتی ہے اور افعال اعضا کو بندے کی قدرت کے بدون بھی جائز جانتا تھا اور کہتا تھا کہ فعل اعضا سے قدرت مقدم ہوتی ہے۔ اور کعبی نے ابی ہذیل سے نقل کی ہے کہ اسکا اعتقاد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ اسکی مراد سے جدا ہے اور دلیل اسپر یہ ہے کہ ارادہ ہر شے کا پیدا کرنا ہے اور شے کے پیدا کرنے اور نفس شے میں فرق ہے اور کہتا تھا اللہ تعالیٰ کو جو سمیع اور بصیر کہتے ہیں اسکے یہ معنی ہیں کہ وہ زمانہ آئندہ میں سنے اور دیکھے گا۔ اسی طرح لفظ غفور اور رحیم اور محسن اور خالق اور رازق اور آمر اور ناہی وغیرہ کے معانی بیان کرتا تھا۔ کہتا تھا کہ ساری طاعات کیا فرائض اور کیا نوافل ایمان ہیں اور کہتا تھا کہ باری تعالیٰ عالم بعلم ہے اسکا علم عین اسکی ذات ہے۔ قادر بقدرت ہے۔ اسکی قدرت بھی اسکی ذات ہے وغیرہ وغیرہ اور یہ عقیدہ اس نے قول فلاسفہ سے اخذ کیا تھا جنکا قول یہ ہے کہ ذات

بیچون تمام جہتوں سے واحد ہے اور کسی طرح کثرت کو اسمیں راہ نہیں اور صفات الٰہی سوائے ذات الٰہی کے کوئی دوسری چیز نہیں جو اُسکے ساتھ قائم ہوں۔ جتنے صفات اُسکے واسطے ثابت ہوں وہ یا تو سلوب ہیں یا لوازم ہیں۔ سلوب اُن چیزوں کو کہتے ہیں کہ نسبت سلب کیے بدوں باریتعالے کی صفت نہیں ہو سکتیں۔ جیسے جسم اور جوہر اور عرض کہ اللہ تعالیٰ کو تنہا انکے ساتھ موصوف نہیں کر سکتے۔ اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ اللہ تعالے جسم ہے یا جوہر ہے۔ یا عرض ہے۔ جب سلب کو ان سے لگاؤ ہو جاتا ہے اور اسکی علامت یعنے حرف نفی لے آتے ہیں تو اُسوقت باریتعالیٰ کی صفت واقع ہو سکتی ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نہ جسم ہے نہ جوہر ہے نہ عرض ہے اور لوازم سے مراد یہ ہے کہ واجب الوجود کا وجود عین ماہیت ہے اور اُسکی وحدت حقیقی ہے۔ فرق مذہب ابوہذیل اور فلاسفہ میں یہ ہے کہ فلاسفہ تمام صفات الٰہی کا انکار کرتے ہیں اور ابوہذیل ایسی صفات ثابت کرتا ہے جو اسکی ذات کی عین ہیں یا ایسی ذات ثابت کرتا ہے جو صفات کی عین ہے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا مآل ایک ہی کہتا ہے۔ اور ابوہذیل نے اللہ تعالیٰ کو ایک ایسے ارادہ حادث کا مرید ٹھہرایا ہے جسکے لئے کوئی محل نہیں ہے۔ اور اپنے زعم میں اللہ تعالے کو اس ارادے کے ساتھ متصف جانتا تھا اور یہ قول پہلے اُسی نے نکالا ہے پھر جو قائل اسبات کا ہو اُسے اس عقیدہ مخصوص میں ابوہذیل کا متبع سمجھنا چاہیئے۔ اور ابوہذیل نے کہا ہے کہ بعض کلام الٰہی کے لئے محل نہیں ہے جیسے قول کُنْ (ہو) اور بعض کے واسطے محل ہے جیسے امر و نہی اور خبر۔ اور وجہ اسکی یہ ہے کہ جب ایجاد ممکنات لفظ کُن سے ہوئی ہے تو اُسکے واسطے محل کہاں سے نکلیگا۔ پس اُسکے عقیدے کی رو سے امر تکوین اور امر تکلیف میں فرق ہے یعنے اللہ تعالے کا کسی معدوم کو یہ حکم دینا کہ موجود ہو جا یہ جدا ہے اور بندوں کو کسی کام کے کرنے کا حکم دینا یا کسی کام کے کرنے سے منع فرمانا یہ علیحدہ ہے۔ پہلی مثال امر تکوین کی ہے اور دوسری امر تکلیف کی اور حاصل کلام یہ ہے کہ ابوہذیل کے نزدیک کلام الٰہی عرض ہے اور

پھر اسکی دو قسمیں ہیں (۱) بعض عرض بے محل بھی قائم ہوسکتا ہے (۲) بعض عرض ایسا ہے کہ وہ محل کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ پہلی صورت کی مثال لفظ کُن ہے کہ وہ کسی موجود ممکن کے ساتھ قائم نہیں ہوتا اسلئے کہ ساری ممکنات کا حدوث اسی کلمہ کی بدولت ہوا ہے تو یہ اپنے وجود میں کل مخلوقات کے مقدم ہوگا۔ اور دوسری قسم کی مثال امر و نہی ہیں کہ مکلفین کے ساتھ قائم ہوتے ہیں کہ یہی اسکی محل ہیں[ا]۔ ابوہذیل نے کہا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے مقدورات منتہی ہیں اب وہ نہ کسی شے کی احداث پیدا ورنہ کسی شے کے فنا پر قدرت رکھتا ہے نہ کسی کے مارنے پر نہ کسی کے جلانے پر۔ اہل جنت و دوزخ کے حرکات منقطع ہوکر سکون دیمی ہو جائیگا اور اس سکون میں لذات اہل جنت کے لئے اور آلام اہل دوزخ کے لئے جمع ہو جائینگے چونکہ یہی مذہب جہم ابن صفوان کا بھی ہے کہ جنت و دوزخ فنا ہو جائے گی اسلئے معتزلہ ابوہذیل کو جہمی الآخرت کہا کرتے تھے اور ابوہذیل کہتا تھا کہ اگر مقتول قتل نہ کیا جاتا تو بھی اُسی وقت پر مرجاتا علم نہ بڑھتے نہ گھٹتے اور غائب بات پر حجت قائم نہیں ہوتی مگر جبکہ بیس شخص خبر دیں۔ ابوہذیل میں اور ہشام بن حکم میں احکام تشبیہ کے بارے میں مناظرات ہوئے ہیں۔

چہارم نظامیہ یہ لوگ ابراہیم بن سیار نظام (بہ تشدید ظائے معجمہ) کے پیرو ہیں جو ایام معتصم خلیفہ عباسی کے عہد میں تھا اس نے فلسفے میں خوب نظر کی تھی۔ اور فلاسفہ کی بہت سی باتوں کو معتزلہ کی کلام میں ملا دیا تھا چند مسائل

[ا] شرح مواقف میں لکھا ہے کہ فرقہ ہذیلیہ کہتا ہے بعض کلام اللہ تعالیٰ لا فی محل وھو کن و بعضہ فی محل کالامر والنہی والاستخبار۔ اس قول محمل کی تفصیل جو ہم نے بیان کی اُسکے سمجھ لینے کے بعد تم کو معلوم ہوجائیگا کہ نواب صدیق حسن خان صاحب کا کشف الغمہ عن فرق الامۃ میں یوں ترجمہ کرنا (اور کہا بعض کلام اللہ کا بے محل ہے جیسے قول کُن اور بعض بر محل ہے جیسے امر و نہی) بالکل غلط ہے۔ اصل مطلب کے سمجھنے سے اُنکی بے خبری ظاہر ہوتی ہے بے محل اور بر محل کا موقع استعمال علیحدہ ہے۔

میں منفرد تھا مثلاً کہتا تھا اللہ کو برے پیدا کرنے پر قدرت نہیں ہے اسکی قدرت کے سلب ہو جانے کے بعد یہ واقع ہونگے ہیں۔ آخرت میں اہل جنت و دوزخ کے لئے ثواب عذاب میں کمی بیشی کر دینا اللہ کی قدرت میں نہیں ہے اور اللہ کے ارادہ کی اصطلاح تفصیل کی تھی کہ اسکا ارادہ اپنے کاموں کے لئے یہ ہے۔ کہ وہ انکو اپنے علم کے موافق پیدا کرتا ہے۔ اور بندوں کے افعال کے لئے ارادہ الٰہی یہ ہے کہ وہ ان کو انکے کاموں کے کرنیکے لئے حکم دیتا ہے اسکے سوا اللہ کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ اور کہتا تھا روح ہی انسان ہے رہا بدن سو فقط اسکا آلہ ہے اور روح ایک جسم لطیف ہے بدن میں اسطرح ساری ہے جس طرح گلاب گل میں اور تیل تل میں اور گھی دودھ میں اور جو کام قدرت سے باہر ہے وہ اللہ کیطرف سے ہے اور اسی کا فعل ہے۔ شمس بازغہ میں مقالہ ثانی کے پہلے فصل میں مذکور ہے کہ جب نظام معتزلی متکلم کو ابطال جزء لایتجزی کے دلائل معلوم ہوئے اور کوئی شبہ انپر وارد نہ کر سکا تو ان دلائل کو اسے ماننا پڑا اور اثبات کا اقرار کیا کہ جسم انقسامات کے قابل ہے کہ جتنا چاہیں اسے تقسیم کر سکیں کسی حد پر اسکی تقسیم رک نہیں سکتی مگر اس نے اسمیں تفریق نہ کی جو شے میں بالفعل موجود ہوتا ہے اور جو بالقوۃ موجود ہوتا ہے اسلئے یہ خیال کر لیا کہ جبکہ جسم میں انقسامات نامتناہی ممکن ہیں تو وہ سب بالفعل حاصل ہیں کیونکہ جو انقسام ممکن ہوتا ہے وہ بالفعل ہوتا ہے اور یہی رائے سارے متکلمین کی ہے کہ تقسیم ان اجزا کی ہوتی ہے جو بالفعل موجود ہوں پس نظام کے نزدیک جسم ایسے اجزا سے بنا ہے جو بالفعل غیر متناہی ہیں اور اس رائے پر یہ لازم آیا کہ جسم میں اجزاء لایتجزی نامتناہی ہیں۔ باوجودیکہ نظام نے بظاہر متکلمین سے جو ہیولے کے منکر ہیں اس رائے میں اختلاف کیا تھا کہ جسم مفرد اجزاء لایتجزی سے بنا ہے۔ اور محقق طوسی کی شرح اشارات کے نمط اول میں جو جوہریت اجسام کے بیان میں ہے مذکور ہے کہ نظام کے اس قول سے کہ جسم بے انتہا بار تقسیم ہو سکتا ہے دو مقدمے پیدا ہوتے ہیں (۱) جسم میں اشیا غیر منقسم موجود ہیں (۲) جو چیز ایسی ہو کہ جسم میں موجود ہو اور منقسم نہ ہو وہ قسمت قبول نہیں کرتی نتیجہ ان دونوں مقدموں سے یہ نکلا کہ جسم شامل ہے ایسی چیزوں کو

جو قسمت قبول نہیں کرتیں اور یہی جزو لاتیجزی کا مطلب ہے فرق اُن متکلمین میں جو اجزاے لاتیجزی کے معترف ہیں اور نظام میں اسقدر ہے کہ اُنکے نزدیک جسم اجزاے لاتیجزی متناہی سے مرکب ہے اور نظام کی راے کے موافق غیر متناہی سے ۔ اور وہ لوگ صریحًا اثبات کے قایل ہیں کہ جسم اجزاے لاتیجزی سے بنا ہے اور نظام نے انکا اقرار تو نہیں کیا مگر اُسکے قول سے جسم کا اجزاے لاتیجزی سے مولف ہونا لازم آگیا ۔ صدرا کی فصل ابطال جزو لاتیجزی میں مذکور ہے کہ جب اُن لوگوں نے جنکے نزدیک اجزاے لاتیجزی متناہی ہیں اصحاب نظام پر مناظرہ میں یہ اعتراض کیا کہ تمہارے قول سے یہ لازم آتا ہے کہ کسی محدود مسافت کو متناہی زمانہ کے بغیر قطع نہ کرسکیں کیونکہ حرکت کے وقت جسم کے ہر جزو کے لئے ضرور ہے کہ وہ اپنے حیز سے نکلکر دوسری حیز میں داخل ہو اور جب جسم کا ایک جزو ایک حیز کو چھوڑکر دوسری حیز میں جائے تو دوسرا جزو اس حیز میں آئے اسی طرح تمام اجزا اپنے اپنے حیز کو بدلیں اور جب جسم میں اجزا غیر متناہی ہے تو مسافت بھی غیر متناہی زمانہ میں طے ہوسکے گی ۔ تو اصحاب نظام نے اس اعتراض کے جواب میں کہا کہ متحرک طفرہ[1] کرتا ہے ۔ طفرہ اسے کہتے ہیں کہ متحرک ایک جزو مسافت سے

---

[1] طفرہ یعنے جستہ جستہ راہ رفتن است از ترجمہ ملل و نحل مولفہ مصطفےٰ بن خالق داد ہاشمی عباسی ۔ اور جنتہ الکمان میں جو نواب صدیق حسن خان مرحوم نے نظام کی نسبت لکہا ہے "واحدث القول بالطفرة" یعنے نظام نے طفرہ کا قول نکالا ہے صحیح نہیں اسلئے کہ شیخ الرئیس نے شفا میں تصریح کردی ہے کہ انیغورس جو حکماے متقدمین یونان میں سے ہے اور اسکا بھی یہی طریق تھا جو نظام نے اختیار کیا ہے یعنے مثبتین کے اعتراض سے بچنے کے لیے طفرہ کا قائل ہوا تھا ۔ عبارت شفا کی یہ ہے "ولما ضيق اصحاب الجزء على هؤلاء والجاهم الى مسئلة النمل والذرة والسلحفاة و اخوش التجاء والى ما التجاء انيغورس فقالوا بالطفرة" یعنے جبکہ اُن لوگوں نے جو کہتے ہیں کہ جسم مولف ہے اجزاے لاتیجزی متناہی سے اُن لوگوں پر اعتراض کیا جو کہتے ہیں کہ جسم میں انقسامات نامتناہی جاری ہوسکتے ہیں اور کہا کہ تمہارے مذہب پر یہ لازم آتا ہے کہ چیونٹی ایک جوتی پر چلے تو اسکی مسافت کو قطع نہ کرسکے اور سانپ باوجود تیز روی کے کچھوے تک نہ پہنچ سکے تو انہوں نے اُس چیز کی طرف پناہ پکڑی جس کی طرف انیغورس نے پناہ پکڑی تھی اور طفرہ کے قائل ہوئے ۔ ۱۲

دوسری تہائی مسافت کو بھی طے کرے کہ ان دونوں جزوں کے درمیان میں بہت سے اجزاء نامتناہی بھی طے ہو جائیں۔ اور امام فخرالدین رازی جلد اول تفسیر کبیر میں کہتے ہیں کہ یہ جو مشہور ہے کہ نظام کے نزدیک آواز جسم ہے یہ تحقیق کے خلاف ہے۔ اسلئے کہ نظام اذکیاء الناس میں سے تھا اسکی شان سے بعید ہے کہ وہ آواز کی نسبت کہے کہ وہ جسم ہے چونکہ اُس نے کہا ہے کہ آواز کے پیدا ہونے کا سبب ہوا کا تموج ہے جہال نے خیال کر لیا کہ نظام کی مراد یہ ہے کہ آواز عین ہوا ہے۔ اور نظام جواہر کو اعراض مجتمعہ سے مؤلف بتاتا تھا کبھی کہتا کہ رنگ اور مزہ اور بو وغیرہ سارے عرض اجسام ہیں اور علم مثل جہل مرکب کے[1]

---

[1] یہ فلاسفہ کی تقلید ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ قوت عاقلہ میں کسی شے کے مفہوم کے حاصل ہونیکا نام علم ہے جو کہ یہی مفہوم انکشاف اور امتیاز کا موجب ہوتا ہے یا شک تو وہ دونوں شریک ہیں پھر فرق اور امتیاز علم و جہل میں یکبارگی ہے ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ علم میں وہ مفہوم جسے موجود ذہنی اور صورت بھی کہتے ہیں اپنی اصل کے جسے ذی صورت بھی کہا کرتے ہیں مطابق ہوتا ہے اور جہل میں مطابقت نہیں ہوتی۔ یاد رکھو کہ حقیقت شے کا وجود خارج میں عین اور ذہن میں صورت کہلاتا ہے اور وجود خارجی کا وجود اصلی و عینی بھی نام ہے اور وجود ذہنی کا نام وجود ظلی اور غیر اصلی بھی۔ اشیاء کے جسقدر احکام آثار مترتب ہوتے ہیں وہ سب وجود خارجی پر مترتب ہوتے ہیں۔ مثلاً آگ جلاتی اور روشنی پیدا کرتی ہے اسکے ان سب آثار کا منشا یہی وجود خارجی ہے اور صورت کی وجہ سے ذہن میں شے کو امتیاز حاصل ہوتا ہے۔ سارے متکلمین سوائے امام فخرالدین رازی اور اُنکے متبعین وجود ذہنی کے منکر ہیں اسلئے کہ اگر وجود ذہنی کی کچھ اصل ہو تو جب گرمی یا سردی کا خیال ذہن میں کریں تو چاہیئے کہ ذہن گرم یا سرد ہو جائے خلاصہ یہ ہے کہ جہل مرکب علم کی ضد ہے اسلئے کہ اگرچہ اس میں بھی پورا پورا اعتقاد اور یقین حاصل ہوتا ہے مگر وہ واقع کے خلاف ہوتا ہے بخلاف اُس یقین کے جو علم میں ہوتا ہے کہ وہ واقع کے مطابق ہوتا ہے اور جہل کبھی یا تو کسی شبہ کی وجہ سے طبیعت میں راسخ ہو جاتا ہے یا کسی کی تقلید سے جم جاتا ہے اور ایسے اعتقاد کو جہل مرکب اسلئے کہتے ہیں کہ یہاں دو جہل جمع ہیں۔ ایک تو یہ کہ شے کی جو حالت اصلی ہے اُسکے خلاف جانتا ہے اور حقیقت واقعی سے واقف نہیں ہوتا دوسرا اسبات کا بھی اعتقاد ہوتا ہے کہ جسقدر علم اُس شے کا مجھکو ہے وہ صحیح ہے اور اس شے کی حالت اصلی اور امر واقعی کو میں جانتا ہوں نفس الامر کے خلاف جاننا یا ایک جہل ہے اور پھر اعتقاد اسبات کا رکھنا کہ میں واقع کے مطابق جانتا ہوں دوسرا جہل ہے۔

ہے اور ایمان شامل کفر کے۔ اور یہ اعتقاد رکھتا تھا کہ اللہ نے ساری موجودات کو یکبارگی
اسی حالت پر پیدا کیا ہے جس پر وہ موجود ہے۔ تقدیم و تاخیر انہیں نہیں ہوئی ہے
اس طرح کہ آدم علیہ السلام اپنی اولاد سے پہلے پیدا ہوئے اور اولاد ان سے پیچھے۔
ہاں یہ ضرور ہوا ہے کہ اللہ نے بعض موجودات کو بعض میں چھپا رکھا تھا۔ سو تقدم و تاخر
مکنون و ظہور میں واقع ہوا ہے۔ قرآن کا اعجاز فقط اس راہ سے کہ غیب کی خبر دی ہے
اور نظم قرآن معجز نہیں ہے۔ اللہ نے نہیں چاہا کہ عرب اُسکے جواب کا اہتمام کرسکیں۔ ورنہ
اُن لوگوں کے امکان میں تھا کہ اُسکی عبارت سے اچھی عبارت تیار کر لیتے۔ بلکہ قرآن
اس وجہ سے معجز ہے کہ اُسمیں غیب کی خبریں دی ہیں۔ زمانہ گذشتہ اور آیندہ کے معاملات
کو بیان کیا ہے۔ اجماع اور قیاس کے حجت ہونے کا منکر تھا۔ تواتر کو محتمل الکذب
جانتا تھا۔ مسئلہ قدر میں بڑا مبالغہ رکھتا تھا۔ کہتا تھا اللہ کو بندے کے افعال اختیاری
میں کوئی مداخلت نہیں ہے وہ آپ مختار ہے اور رفض کیطرف مائل ہوگیا تھا۔ صحابہ
میں طعن کرتا تھا۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اکذب الناس بتاتا تھا (نعوذ باللہ) کہتا تھا
کہ فاطمہ دختر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو مار پڑی وہ میراث عترت سے منع کیگئیں۔ اور
اُسکا قول یہ تھا کہ امام کے لئے نص واجب ہے۔ اور نبی کی طرف سے حضرت علی کے
حق میں نص ثابت ہے مگر حضرت عمر نے اُسے چھپایا۔ اللہ کی معرفت کو قبل ورود شرع
کے واجب ٹھہراتا تھا۔ اور یہی مذہب ابو ہذیل علاف کا ہے۔ اور کنیزان دار الحرب کے ساتھ
نکاح کرنے کو حرام کہتا تھا۔ نماز تراویح کو ناجائز بتاتا تھا۔ میقات[1] حج سے منع کرتا تھا۔
معجزہ شق القمر کو جھوٹ جانتا تھا۔ رویت جن کو محال جانتا تھا اور یہ اعتقاد رکھتا تھا کہ
اُسقدر مال کی چوری سے جسکی مقدار[2] پر زکوٰۃ واجب نہ ہوتی ہو کوئی فاسق نہیں ہوتا ہے

[1] میقات وہ جگہ جہاں احرام حج باندھا کرتے ہیں اور وہ پانچ مقام ہیں ذو الحلیفہ۔ ذات عرق
جحفہ۔ قرن۔ یلملم۔ [2] نصاب زکوٰۃ سونیکی ۲۰ مثقال یعنے ۷½ تولہ وزن دہلی اور نصاب
چاندی کی ۲۰۰ درم یعنے ۱۴۰ مثقال یعنے ۵۲½ تولہ جسکے [3] ۵۶ روپیہ بحساب فی
روپیہ ۱۱ ماشہ اور ۶۰ روپیہ بحساب ۱۰½ ماشہ ۶۳ روپیہ ہوتے ہیں بحساب ۱۰ ماشہ

پس اگر کوئی شخص ایک سو ننانویں درم چاندی یا انیس مثقال سونا یا چار اونٹ یا ۳۹ عدد بھیڑ بکری یا ۲۹ عدد گائے بھینس چرالے تو وہ فاسق[1] نہ ہوگا۔ اور نظام کے نزدیک طلاق کنایہ سے واقع نہیں ہوتی اگرچہ جی میں نیت طلاق ہی کیوں نہ ہو۔ اور کہتا تہا اگر لیٹے سے سوگیا تو وضو نہیں ٹوٹتا جب تک کہ حدث[2] نہ ہو۔ نماز فائیت کو قضا لازم نہیں بتاتا تہا محمد بن شبیب اور ابو شمر اور یونس بن عمران اور مفضل حدبی اور احمد بن حایط کے اصحاب تہے۔

پنجم اسواریہ ابو علی عمرو بن قاید اسواری کے پیرو ہیں۔ یہ سب باتوں میں نظامیہ کے موافق ہوگئے ہیں مگر ایک بات میں متفرد ہیں کہ جس امر کو اللہ جانتا ہے کہ نہ کریگا اسکے کرنے پر قدرت نہیں رکھتا ہے اور انسان اُسکے کرنے پر قادر ہے۔

ششم اسکافیہ ابو جعفر محمد بن عبد اللہ اسکافی کے متبع ہیں یہ شخص بہی ساری بدعات میں نظام کے موافق تہا۔ مگر اس بات کا قائل تہا کہ اللہ کو ظلم عقلا پر قدرت نہیں ہے ظلم اطفال و مجانین پر قدرت ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۵) رتی زیادہ یعنے ۱۲ ماشہ ۳ رتی کم ہے۔ سونے چاندی کے سکوں اور مال پر اور اسباب تجارت پر جسکی قیمت نصاب کو پہونچی ہے چالیسواں حصہ لازم ہے اور نصاب بہیڑ بکری کی چالیس ہے اور چالیس میں زکوۃ ایک عدد ہے نہ سو یا ۱۹۹ اور نصاب اونٹوں کی پانچ ہیں۔ پس پانچ سے پچیس تک ایک بکری لیجاتی ہے اور گائے بہینس کے نصاب تیس عدد ہیں۔ اس نصاب میں پورے برس بعد کا بچہ گائے یا بہینس کا واجب ہے۔ کذا فی غایۃ الاوطار ۱۲

[1] نواب صدیق حسن خان نے خبیئۃ الاکوان میں لکھا ہے "وزعم ان من سرق مائتی دینار فما دونہا لم یفسق" اور کشف الغمہ میں افتراق الدین کہا ہے۔ یہ معتقد یہ کہتا تہا کہ دو سو دینار یا اس سے کم کی چوری سے کوئی فاسق نہیں ہوتا ہے۔ یہ اُنکی غلطی ہے۔ نظام کے نزدیک یا چور ضرور فاسق تہا کیونکہ دو سو دینار تو رقم ہے اس سے کم پر بھی کہ جتنا چہے اور جس قدر پر زکوۃ واجب ہے اُسکا چور اُسکے نزدیک فاسق ہے انہی رسالوں پر نواب صاحب کو فروسبانات تنی ۱۲

[2] عورت کے نکاح سے باہر کرنیکو طلاق کہتے ہیں اور کنایہ ایسے لفظ کو کہتے ہیں جو طلاق میں مستعمل ہے مگر صریح لفظ طلاق نہیں ہے۔ حدث بفتح اول و دوم وضو ٹوٹنا بے وضو ہونا ۱۲

ہفتم جعفریہ

یہ فرقہ جعفر بن جعفر بن مبشر[۱] یا جعفر بن حرب بن میسرہ کی طرف منسوب ہے۔ نظامیہ کے موافق ہیں اور ماسبات کے قائل ہیں کہ اس امت کے فساق میں ایسے لوگ بھی ہیں جو یہود و نصاریٰ و مجوس سے بھی بدتر ہیں۔ شراب پینے والے سے حد کو ساقط بتاتے ہیں اور کہتے ہیں اس باب میں اجماع امت خطا ہے اسلئے کہ معتبر حد کے باب میں نص ہے۔ انکا یہ اعتقاد تھا کہ گناہان صغیرہ فاعل کے ہمیشہ دوزخ میں رہنے کے موجب ہیں اور ایک حبہ کا سارق بھی فاسق ہے ایمان اسکا جاتا رہتا ہے اگر کوئی مرد کسی مرد کے ہاتھ کسی عورت کے پاس نکاح کا پیغام بھیجکر اس سے بیاہ کرنا چاہے پھر وہ عورت اسکے پاس آئے اور یہ اس سے صحبت کرے بغیر عقد کے تو اسپر کچھ حد نہیں آتی۔ یہ صحبت اس عورت کے ساتھ طلاق ٹھہرے گی۔

ہشتم بشریہ

بشر بن معتمر کے پیرو ہیں۔ اسکا یہ قول تھا کہ جسم میں اعراض جیسے طعم و لون و رائحہ اور سارے ادراکات جیسے سمع و بصر وغیرہ جائز ہے کہ بطور تولد حاصل ہوں غیر کے فعل سے جسطرح سے کہ ان اعراض کے اسباب غیر کے فعل سے واقع ہوتے ہیں۔ اور تولید کا قول معتزلہ میں اسی سے پھیلا ہے اور کہتا تھا کہ قدرت و استطاعت سلامتِ بدن و اعضا کا نام ہے اور اسمیں افراط کرتا تھا۔ اور فلاسفہ طبعیین کی طرف میل رکھتا تھا اور کہتا تھا کہ اللہ تعالےٰ تعذیب اطفال پر قادر ہے لیکن جبکہ ایسا کرے گا تو ظالم ہوگا تو اللہ تعالےٰ کی ذات پاک سے یہ عیب اٹھانے کے لئے اسکی یہ رائے ہے کہ جب وہ کسی بچے کو عذاب دے تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ بچہ عاقل بالغ عاصی عذاب کا مستحق ہوگا۔ غرضکہ اسکے نزدیک اللہ ظلم پر قادر ہے مگر جب وہ ظلم کرے تو یوں تاویل کرکے اسے عادل مان لینا چاہئے اور کہتا تھا اللہ کا ارادہ منجملہ اسکے افعال کے ہے پھر یہ ارادہ دو طرح پر ہے۔ ایک صفت فعل دوسرا صفت ذات اور لطف مخزون کا قائل تھا۔ مگر کہتا تھا کہ اللہ نے اس لطف کو اسلئے پیدا نہیں کیا ہے کہ اللہ پر پھر ثواب دینا واجب ہوجاتا اور پہلے توبہ پر موقوف ہے دوسری توبہ پر

۱؎ دیکھو شرح مواقف ۔ ۲؎ دیکھو تحبیۃ الاکوان فی افتراق الامم علے المذاہب والادیان ۔

اور توبہ نفع نہیں کرتی مگر جب کہ پھر وہ کام نہ کرے اگر پھر وہی کام کیا تو پہلی توبہ
نافع نہیں ہوتی ہے۔

نہم مزداریہ یہ لوگ ابو موسے عیسیٰ بن صبیح معروف بمزدار تلمیذ بشر بن معتمر کے متبع ہیں۔ یہ شخص زاہد تھا۔ اسکو راہب المعتزلہ کہتے تھے چند
مسائل میں متفرد ہے جیسے یہ کہ اللہ ظلم و کذب پر قادر ہے۔ اس سے کچھ اُسکی ربوبیت
میں بٹہ نہیں لگتا ہے جب ایسا کرے گا تو ظالم اور کاذب قرار پائیگا۔ یہ اعتقاد رکھتا تھا
کہ قرآن پر قدرت ہو سکتی ہے۔ قرآن کی فصاحت و بلاغت لوگوں کو عاجز نہیں کرتی ہے
بلکہ وہ اس سے بہتر کلام لا سکتے ہیں۔ اور قرآن کے مخلوق ہونیکے بارے میں اسکو بڑا
اصرار تھا۔ اور جو لوگ قرآن کو قدیم غیر مخلوق کہتے اُنہیں کافر جانتا تھا۔ یہی قول اسکا اصل
معتزلہ ہے۔ مسئلہ خلق قرآن میں اسکے زمانہ میں بہت سی سختیاں علمائے سنت و جماعت
پر جاری ہوئیں اسلئے کہ وہ قایل قدم قرآن کے تھے۔ کہتا تھا کہ جو کوئی دیکھنا اللہ کا
آنکھوں سے بلا کیف کہتا ہے وہ کافر ہے۔ اور اسی طرح جو شخص سلطان سے ملابست کرتا
ہے یا خلق اعمال کا مقر ہے وہ بھی کافر ہے۔ نہ اسکو کسی مسلمان سے وراثت پہونچ
سکتی ہے اور نہ کوئی مسلمان اُسکا وارث قرار پا سکتا ہے اور جایز ہے کہ ایک فعل دو
فاعلوں سے بطور تولید کے سرزد ہو۔ نہ بطور مباشرت کے۔

دہم ہشامیہ یہ ہشام بن عمرو غوطی کے متبع ہیں۔ یہ شخص مسئلہ قدر میں بڑا مبالغہ رکھتا تھا۔ کسی فعل کو بھی اللہ کیطرف منسوب نہیں کرتا تھا
یہانتک کہ اسباب کا بھی منکر تھا کہ اللہ نے مومنوں کے دلوں میں الفت دی ہے
اور وہ مومنوں کے لئے ایمان کو دوست رکھتا ہے اور اُس نے کافروں کو گمراہ کیا
ہے۔ اور جو آیات قرآن پاک کی اس باب میں آئی ہیں اُنکا معاند تھا۔ اور حسبنا اللہ
ونعم الوکیل کہنے سے منع کرتا تھا۔ اسلئے کہ وکیل کا رتبہ موکل سے کم ہوتا ہے حالانکہ
وکیل اسمائے الٰہی میں حفیظ کے معنوں میں ہے۔ کما قال اللہ تعالےٰ وما انت علیہم
بوکیل تو نہیں ہے۔ اُنکا نگہبان۔ اور اسباب کا بھی قایل تھا کہ اعراض اسباب پر دلالت

فوطی

نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ اُنکا خالق ہے۔ اور نہ ان سے رسول کی رسالت پر دلالت ہو سکتی ہے۔ بلکہ اجسام دلالت کرتے ہیں۔ اور اس قول سے یہ لازم آتا ہے کہ عصا کا سانپ بنجانا اور مردہ کا زندہ کر دینا دلیل صدق دعوئے نبوت کی نہیں ہو سکتی بلکہ ہشام اسبات کا منکر تہا کہ دریا حضرت موسئےؑ کے واسطے پہٹ گیا اور اُن کا عصا سانپ بنگیا۔ یا حضرت عیسئےؑ نے مُردوں کو زندہ کیا ہو یا چاند حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے شق ہو گیا ہو۔ اسی طرح بہت سے امور متواترہ کو نہیں مانتا تہا جیسے محصور ہونا حضرت عثمان کا۔ اور اُنکا مغلوب ہو کر مقتول ہونا کہتا تہا کچھ لوگ اسکے ناقل ہیں سو یہ وہ لوگ ہیں جو کہ عمال کے شاکی تھے وہ گہس پڑے اور اُنہوں نے عثمان کو مار ڈالا معلوم نہیں کہ قاتل کون تہا۔ ایک قول اسکا یہ بہی تہا کہ طلحہ و زبیر و حضرت علی بن ابی طالب جنگ جمل میں کچھ لڑنے کو نہیں نکلے تہے بلکہ مشورے کے لئے باہر آئے تہے۔ مگر دونوں فریق کے طرفداروں نے باہم لڑائی کی اسکا یہی قائل تہا کہ شیطان انسان میں داخل نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ تو باہر سے وسوسہ ڈالتا ہے اُس وسوسہ کو اللہ ابن آدم کے دل میں پہونچا دیتا ہے۔ اور اُسکا یہ قول تہا کہ قرآن حلال و حرام پر دلالت نہیں کرتا۔ اور کہتا تہا کہ اگر ایک آدمی نے اچھی طرح سے وضو کر کے نماز پڑہنا شروع کیا۔ قرب خدا کی نیت سے اور عزم کیا کہ نماز تمام کرے پہر رکوع اور سجدہ بجالایا اور ان سب ارکان میں مخلص رہا مگر اللہ کو معلوم ہے کہ وہ اس نماز کو آخر میں قطع کر دے گا تو پہلی نماز اُسکی معصیت ہوئی۔ اور امامت کا انعقاد فتنہ و فساد اور اختلاف کے زمانہ میں نہیں ہوتا ہے اور امت جس وقت کہ مجتمع ہو کر ظلم و فساد ترک کرے تب کہیں وہ محتاج امام سائس کی ہوتی ہے۔ پہر جبکہ نافرمان و فاجر ہو کر اپنے والی کو قتل کر ڈالے تو پہر عقد امامت کسی کے لئے نہیں ہوتا ہے۔ اسی بنیاد پر کہتا تہا کہ امامت علی مرتضےٰ کی منعقد نہیں ہوئی اسلئے کہ وہ بیعت وقت فتنہ کے بعد قتل حضرت عثمان کے وقوع میں آئی تہی۔ یہی مذہب واصل بن عطا کا اور عمرو بن عبید کا بہی تہا اور کہتا تہا کہ جنت و دوزخ مخلوق و موجود نہیں ہیں کیونکہ انکے بالفعل

موجود ہونے کی کوئی مضرت نہیں اور جنت میں ازالہ بکارت کا بھی منکر تھا۔ یہ بھی کہتا تھا کہ نافع و ضار اللہ کا نام نہیں ہے اور نہ یہ کہو کہ اللہ نے کافر کو پیدا کیا ہے۔

یازدہم حابطیہ

بائے موحدہ[1] کے ساتھ احمد بن حابط کے متبع ہیں اس نے ابراہیم بن سیار نظام کی صحبت پائی تھی اسکا قول ہے کہ خلق کے دو معبود ہیں۔ ایک خالق و معبود قدیم ہے۔ دوسرا مخلوق وہ حضرت عیسیٰ بن مریم ہیں۔ مسیح کو ابن اللہ اعتقاد کرتا تھا آخرت میں حساب کتاب خلق کا مسیح کرینگے اس آیت کا یہ مطلب بتاتا تھا ھَلْ ینظرون الا ان یاتیھم اللہ فی ظلل من الغمام کیا لوگ یہی انتظار کرتے ہیں کہ آوے اللہ انکے پاس ابر کے سائبانوں میں اور کہتا تھا کہ یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ حضرت نے چودہویں رات کے چاند کیطرف دیکھکر فرمایا انکم سترون ربکم کما ترون ھذا القمر یعنے تحقیق تم دیکھوگے اپنے پروردگار کو جیسے کہ دیکھتے ہو اس چاند کو مراد اس سے عیسےٰ ہیں اور قائل تناسخ کا بھی تھا اور کہتا تھا کہ اللہ کی روح نے آئمہ میں تناسخ کیا ہے۔ ایک یہ بھی اعتقاد رکھتا تھا کہ اللہ نے ابتداءً ساری خلق جنت میں پیدا کی تھی جو کوئی جنت سے باہر نکلا وہ اپنی معصیت کے سبب سے باہر نکلا۔ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر بسبب تعدد نکاح کے طعن کرتا تھا کہ ابوذر غفاری حضرت سے زیادہ زاہد و عابد تھے اور اُسکا یہ اعتقاد تھا کہ دواب و طیور و حشرات میں یہانتکہ مچھر اور پسو اور مکھی میں بھی انبیا ہوتے ہیں اور دلیل اسپر یہ آیت ہے۔ وان من امۃ الا خلا فیھا نذیر کوئی فرقہ نہیں جسمیں نہیں ہو چکا کوئی ڈرانے والا۔ وقولہ تعالےٰ وما من دابۃ فی الارض ولا طائر یطیر بجناحیہ الا امم امثالکم نہیں کوئی چلنے والا زمین میں اور نہ کوئی پرندہ کہ اُڑے اپنے دو بازوؤں سے مگر ایک امت ہے تمہاری طرح اور اس مطلب پر حدیث سے بھی دلیل ہے چنانچہ عبداللہ بن مغفل سے ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کی

---

[1] الحابطیہ بالباء الموحدۃ فرقۃ من المعتزلۃ اتباع احمد بن حابط وہو من اصحاب النظام۔ کذا فی کشاف اصطلاحات الفنون ۱۲

ہے کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لولاان الکلاب امۃ من الامم لامرت بقتلہا کلہا یعنے اگر نہ ہوتی یہ بات کہ کتے امت ہیں امتوں میں سے تو البتہ حکم کرتا میں واسطے قتل کرلنے اُن سب کے۔

دوازدہم حدثیہ یہ لوگ فضل حدثی[۱] شاگرد نظام کے پیرو ہیں انکا مذہب بھی حابطیہ کا سا ہے۔ تناسخ کے معتقد ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالے نے اس جہان کے علاوہ ایک اَور جہان میں ابتداءً حیوانات کو عاقل و بالغ پیدا کیا تہا اور بہت کچھ نعمت عطا کی تہی اور علوم بہی بخشے تہے۔ پھر انکا امتحان منظور ہوا اور حکم دیا کہ ہماری عطیات کا شکریہ ادا کریں۔ بعض نے تعمیل کی اور بعض نے نہ کی جنہوں نے تعمیل کی تہی اُنہیں جنت میں بہیجا اور جنہوں نے نافرمانی کی تہی اُنہیں جہنم میں ڈالا۔ اور بعض ایسے بہی تہے کہ اُنہوں نے بعض احکام آلہی کی تعمیل کی تہی اور بعض احکام کی تعمیل نہ کی تہی اُنہیں دنیا میں بہیجدیا اور یہ اجسام کثیف اُن کو مختلف رنگ کے دئے گئے۔ اور طرح طرح کے رنج اور خوشی اور نفع و ضرر میں انکو انکے گناہوں کے بموجب مبتلا کیا گیا۔ جن لوگوں کے گناہ کم اور طاعت زیادہ تہی اُنکو عمدہ صورت عطا فرمائی اور اُنپر مصیبت کم ڈالی گئی اور جنکی عبادت کم تہی اور گناہ زیادہ اُنکو بُری صورت دی اور سخت مصائب میں گرفتار کیے گئے اور جب تک حیوان پورے پورے گناہوں سے سبکدوش نہیں ہو جاتا برابر دنیا میں اُسکی صورتیں بدلتی رہتی ہیں۔

سیزدہم صالحیہ یہ صالح بن عمرو بن صالحی کے متبع ہیں۔ وہ کہتا تہا جائز ہے کہ مُردے کو علم اور قدرت اور ارادہ اور سمع اور بصر حاصل ہو۔ اور اسکا یہ بہی قول تہا کہ جوہر بغیر اعراض کے بہی پایا جا سکتا ہے اور اسکا اعتقاد تہا کہ تعذیب و تنعیم بلا زندہ کرنے میت کے قبر میں واقع ہوگی۔ اور یہی رائے بعض علمائے کرامیہ کی ہے۔ اور صالحی کا قول یہ ہے کہ ایمان

---

[۱] حدثی بثائے مثلثہ ملل و نحل شہرستانی میں مرقوم ہے اور شرح مواقف میں بباء موحدہ مندرج ہے۔

نام ہے معرفت خدا کا علی الاطلاق یعنے یہ جان لے کہ عالم کا کوئی صانع ہے اور
کفر جہل ہے اللہ کی اس معرفت سے اور تثلیث کا قایل ہونا کفر نہیں مگر یہ
کا فرہی سے ظاہر ہوتا ہے اور اسکا زعم یہ تہا کہ اللہ کی معرفت عبارت ہے اسکی
دوستی اور اُسکے حضور میں خضوع رکھنے سے۔ اور خدا کی معرفت تو ہو مگر رسول کا
منکر ہو تو یہ بات جایز ہے اور عقل کے نزدیک روا ہے کہ خدا پر ایمان لائیں
اور رسول پر نہ لائیں اسلئے کہ رسول ہی نے اپنی زبان سے یہ بات کہی ہے
کہ جو مجہپر ایمان نہ لایا وہ خدا پر ایمان نہ لایا۔ اور کہتا تہا کہ نماز اللہ کی عبادت نہیں
اُسکی عبادت صرف ایمان ہے اور ایمان معرفت آلہی کا نام ہے اور معرفت
ایک خصلت ہے جو نہ بڑہتی ہے نہ گہٹتی ہے۔ اسی طرح کفر بہی ایک خصلت ہے
جو نہ بڑہے نہ گہٹے۔ اور کہتا ہے کہ خیر و شر کا فاعل بندہ ہے اور اُسکے نزدیک
امام قریش کے سوا اور قوم کا شخص بہی ہو سکتا ہے جو کوئی قران و حدیث کے مطابق
عمل کرے وہ امامت کے قابل ہے اور امامت اجماع امت سے ثابت ہوتی ہے
اور اسکے نزدیک جوہر کا عرض سے خالی ہونا جایز ہے اگرچہ صالحی معتزلی
ہے اور اُسکے فرقہ کو معتزلہ کا ایک فرقہ قرار دیتے ہیں مگر مرجیہ میں بہی اسکا شمار ہے
اور یہ مرجی قدری ہے اسلئے کہ یہ قدریہ و مرجیہ دونوں کی بدعت میں ملا جلا رہا کرتا
تہا۔ جس طرح بشر مریسی کا شمار بہی معتزلہ و مرجیہ دونوں فرقوں میں ہے مگر وہ خالص
مرجی ہے قدری نہیں۔ اور بشر کے اصحاب کو مریسیہ کہتے ہیں۔

چہاردہم معمریہ

یہ معمر بن عباد سلمی کے متبع ہیں۔ یہ کہتے تہے انسان حی عالم قادر مختار ہے۔ اور نہ متحرک ہے نہ ساکن
نہ طویل نہ عریض نہ متلون ہے۔ نہ دیکہتا ہے نہ چہوتا ہے نہ حلول کرتا ہے کسی
جگہ میں نہ حاوی ہوتی ہے اسکو کوئی جگہ اور وہ مدبر بدن ہے کچہ بدن میں حلول
کرنے والا نہیں ہے۔ بلکہ انسان ایک شے سوا اس جسد کے ہے۔ غرض اُنہوں نے
انسان کی توصیف بوصف آلہیت کی ہے کیونکہ یہ وصف اُنکے نزدیک بہ عالم کا بہی ہے

اور یہ انکا اعتقاد یتھا کہ اللہ نے سوائے اجسام کے اور کچھ پیدا نہیں کیا ہے اور اعراض متولد ہیں انہی اجسام سے یا تو بالطبع جیسے آگ سے احراق اور سورج سے حرارت پیدا ہوتی ہے یا بالاختیار جیسے حیوان سے رنگ اور اعراض ہر نوع کے غیر متناہی ہوتے ہیں اللہ کا ارادہ وہ سطے کسی شئے کے غیر خدا و غیر مخلوق ہوتا ہے اور اللہ تعالے کو اپنے نفس کا علم نہیں ہے ورنہ عالم و معلوم میں اتحاد لازم آئیگا جو ممنوع ہے اور اللہ قدیم نہیں ہے اسلئے کہ لفظ قدیم تقادم زمانی پر دلالت کرتا ہے اور اللہ تعالے زمانہ سے بری ہے۔

پانزدہم ثمامیہ

یہ ثمامہ بن اشرس نمیری کیطرف منسوب ہیں یہ شخص معن بن عباد سلمی کا معصر اور رائے و اعتقاد میں اُس سے قریب تہا اگرچہ بعض مسائل میں متفرد ہوا مثلاً کہتا تہا کہ سارے علوم ضروری ہیں۔ جو کوئی مضطر طرف معرفت اللہ کے نہیں ہے وہ مامور بمعرفت بہی نہیں ہے بلکہ مانند بہائم وغیرہ کے ہے اُسکے اعتقاد میں یہود و نصاری و زنادقہ قیامت کے دن مثل بہائم کے مٹی ہو جائینگے اُنکو نہ ثواب ہوگا نہ اُنپر کچھ عذاب ہوگا۔ اسلئے کہ وہ مامور نہیں ہیں کیونکہ معرفت خدا کی طرف مضطر نہیں ہوئے ہیں۔ ایک اعتقاد یہ تہا کہ سارے اعتقاد متولد ہیں مگر کوئی اُنکا فاعل نہیں ہے اور استطاعت بہی سلامت و صحت اعضا ہے حسن و قبح عقل کیطرف سے ہوتا ہے اسی لیے معرفت خدا کی قبل ورود شرع کے واجب ہے۔

شانزدہم خیاطیہ

ابو الحسین بن ابی عمرو خیاط کیطرف منسوب ہیں جو کہ عیسے صوفی کے اصحاب میں سے تہا پیر ابو مخلد کے پاس جاتا تھا۔ یہ اعتقاد تہا کہ معدوم شئے ہے اور وہ عدم میں ایک جسم ہے اگر اُسکے صورت میں جسم ہو اور عرض ہے اگر اُسکے حدوث میں عرض ہو ان کے نزدیک بندہ اپنے افعال پر آپ قدرت رکہتا ہے اس امر میں محتاج معاونت خدا کا نہیں ارادہ آلہی خود افعال آلہی کے سوا خالق ہے اور افعال عباد کے لئے امر کہتے تہے خدا کو سمیع یا بصیر جو کہتے ہیں اسکے یہ معنے ہیں کہ خدا مسموعات اور مبصرات کا عالم ہے اور یہ جو کہتے ہیں کہ خدا اپنی ذات کو یا کسی غیر کو دیکھتا ہے اسکے بہی یہی معنے ہیں کہ وہ اُنہیں جانتا ہے۔

ہفدہم جاحظیہ

ابو عمران[1] عمرو بن بحر معروف بہ جاحظ کے پیرو ہیں یہ شخص بڑا عالم تہا اور نہایت فصیح و بلیغ۔ اور معمر بن عباد سلمی کا ہمعصر تہا اور رائے و اعتقاد میں دونوں قریب قریب تہے۔ اس نے کتب فلاسفہ کی بہت کچھ سیر کی تہی۔ کہتا تہا کہ سارے معارف ضروری ہیں کوئی شے اُنمیں سے افعال عباد نہیں ہے بلکہ یہ سب طبعیہ ہیں بندہ کا کسب سوائے ارادہ کے اور کچھ نہیں ہے اور آدمی ہمیشہ دوزخ میں نہ رہیں گے بلکہ آگ کی طبیعت ہو جائینگے اللہ کسی کو دوزخ میں داخل نہ کرے گا خود آگ انکو بالطبع اپنی طرف کہینچ لے گی اور یہ قرآن منزل قبیل اجساد سے ہے اور ہوسکتا ہے کہ کبہی مرد ہو جائے اور کبہی عورت[2] اور اللہ بارادہ معاصی کا نہیں کرتا ہے اور نہ ممکن الرویت ہے اور اپنے فعل میں اللہ کے ارادہ کے یہ معنے ہیں کہ وہ غلطی نہیں کرتا ہے اور اُسکے حق میں سہو کا ہونا صحیح نہیں ہے اور غیر کے فعل کے لیئے اسکا ارادہ یہ ہے کہ نفس اُسکی طرف میل کرتا ہے اور جواہر اجسام کا معدوم ہونا محال ہے البتہ اعراض بدلتے رہتے ہیں جواہر اپنی حالت سے باقی رہتے ہیں مثلاً جب انسان مٹی سے بنتا ہے اور بیٹا باپ کے نطفہ سے پیدا ہوتا ہے تو جس جوہر میں مٹی اور نطفہ کی ہیئت تہی وہ ہیئت اُس سے دور ہو کر ہیئت حیوانی یا انسانی اُس میں پیدا ہو جاتی ہے اور حق باتوں پر اعتقاد رکہنا مکلف پر واجب ہے۔ جیسے اثبات صانع عالم اور اُسکی صفات کا ثبوت اس قسم کی باتوں کا علم ضروری ہے باقی سب نظری کہتے ہیں۔ جاحظ بے حد مسخرہ بہی تہا اور لطیفہ گو بہی۔ خلفائے بغداد کی مصاحبت میں رہتا تہا علی محمد بن عبد الملک معروف با بن زیات وزیر متوکل کے پاس بہی رہا ہے جب ابن زیات متوکل کے حکم سے مارا گیا تو جاحظ بہی قید ہوا پہر رہا ہو گیا اسکی تصانیف سے بہت سی کتابیں ہیں جیسے کتاب البیان و کتاب التبیین اسمیں نظم و نثر کو جمع

---

[1] دیکھو تاریخ ابو الفدا واقعات سنہ ۲۵۵ ہجری اور یافعی نے واقعات ۲۵۵ میں بجائے ابو عمران ابو عثمان لکہا ہے ۱۲

[2] غنیۃ الاکوان اور کشف الغمہ عن افتراق الامہ میں نواب صدیق حسن خانصاحب نے جو بجائے عورت کے لفظ حیوان لکہا ہے یہ سہو ہے ۱۲

کیں ہے اسکی کتاب الحیوان اور کتاب الغلمان اور ایک کتاب اسلامی فرقوں کے ذکر میں۔
محرم ۲۵۵ھ ہجری میں وفات پائی ہے۔

ہا منجد ہم کعبیہ ابو القاسم عبد اللہ بن احمد بن محمود بلخی معروف بہ کعبی کے پیرو ہیں ابو القاسم نے علم خیاط سے حاصل کیا تھا اسکا مذہب بعینہ انکا مذہب تھا یہ شخص چند مسائل میں معتزلہ بغداد سے ممتاز بنا تھا کہتا تھا کہ اللہ کا فعل بغیر ارادے اسکے کے واقع ہوتا ہے۔ پس جب یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے افعال کا ارادہ کرنیوالا ہے تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ انکا خالق ہے اور مصلحت کو جانتا ہے اور جس وقت یوں کہتے ہیں کہ وہ غیروں کے افعال کا ارادہ کرنیوالا ہے تو مطلب اسکا یہ ہوتا ہے کہ وہ غیروں کو افعال کا حکم کرنیوالا ہے۔ مرجع اس ارادہ کا فقط علم ہے۔ اور اس بات کا قائل تھا کہ اللہ تعالیٰ نہ اپنی ذات کو دیکھتا ہے نہ غیر کو بلکہ اُسکی بصر و سمع بھی علم ہی کیطرف راجع ہیں یعنے مراد ان سے یہ ہوتی ہے کہ وہ جانتا ہے اور کہتا تھا کہ قتل موت نہیں موت وہی ہے جو اپنے موت سے مرے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے فعل کا نام موت ہے اور بندے کے فعل کا نام قتل۔ شاید یہ مسلک کعبی نے قرآن کی اس آیت سے حاصل کیا ہے

ما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم

محمد تو ایک رسول ہے ہو چکے پہلے اس سے بہت رسول۔ کیا اگر وہ مرگیا یا مارا گیا تو تم پھر جاؤ گے اُلٹے پاؤں۔ موت اور قتل میں چونکہ تردید واقع ہوئی ہے اور تردید دو متغایر میں واقع ہوتی ہے تو اسلئے کعبی نے یہ خیال کیا کہ موت کا اطلاق اُس اجل پر نہ کرنا چاہیئے جو بذریعہ قتل حاصل ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے موت کے بعد قتل بطریق تردید ذکر کرنے سے خصوصیت کا ارادہ کیا ہے یعنے اگر محمد مرجائے خاصکر مارا جاوے تو تم کیا مرتد ہو جاؤ گے رسول زندہ ہے یا نہ رہے دین اللہ کا ہے اُس پر قائم رہو۔

نوزدہم جبائیہ یہ ابو علی محمد بن عبد الوہاب جبائی کے متبع ہیں یہ شخص متاخرین معتزلہ میں سے تھا اور شیخ ابو الحسن اشعری کا استاد تھا یہ بھی متفرد تھا ساتھ کئی شئے کے جیسے کہتا تھا کہ اللہ کا نام مطیع العبد ہے جبکہ

اسمیں وہ کلام کسے جس کا ارادہ بندہ نے اُس سے کیاہے اور اللہ عورتوں کا حمل رکھتا ہو
اسمیں بچہ پیدا کرتا ہے اللہ کا کلام مرکب ہے حروف اصوات سے کہ وہ اُسے کسی جسم
میں پیدا کر دیتاہے اور ایسے کلام کا متکلم وہی ہے جس نے اُسے پیدا کیا نہ وہ جسم جسمیں
قائم ہو اور حلول کرے اور کلام اُسکا عرض ہے بہت سے امکنہ میں اور ایک مکان
میں بعد دوسرے مکان کے پایا جاتا ہے بغیر اسکے کہ مکان اول سے منعدم ہوجائے
پہر وہ دوسرے مکان میں حادث ہوتا ہے اور جبائی یہ بہی کہتا ہے کہ اللہ تعالےٰ
کسی پڑہنے کے وقت ایک کلام اپنے نفس کے لئے محل قرأت میں پیدا کر دیتا ہو
اور امامت کے معاملہ میں اہل سنت کے موافق ہے کہ امامت بندوں کے اختیار
پر ہے اور فضل حضرت علی میں حضرت ابوبکر پر اور فضل حضرت ابوبکر میں حضرت
علی پر متوقف تہا تاہم یوں کہتا تہا کہ حضرت ابوبکر حضرت عمر و حضرت عثمان سے بہتر
ہیں یقین کہتا تہا کہ حضرت علی حضرت عمر اور حضرت عثمان سے بہتر ہیں اور اُسکا
عقیدہ یہ تہا کہ اللہ کا دیدار قیامت کو نہ ہوگا اور بندہ اپنے فعل کا آپ خالق ہے۔
خیر و شر اور طاعت و عصیان سب اُسی کے اختیار سے صادر ہوتا ہے اور استطاعت فعل
سے قبل ہے اور وہ قدرت ہے صحت و سلامتی اعضائے بدن سے علحدہ اور مرتکب کبیرہ کا
نہ مومن ہے نہ کافر ہے بلکہ فاسق ہے اسکے نزدیک مرتکب کبیرہ اگر بلا توبہ مر جائیگا تو
دوزخ میں ہمیشہ پڑا رہیگا اور یہ شخص کرامات اولیا کا منکر تہا اور اسبات کا قایل تہا کہ
تمام انبیا معصوم ہیں اور کہتا تہا کہ خدا پر مکلف کی عقل کا درست کرنا اور اسباب تکلیف کا
بہم پہونچانا واجب ہے۔ کیونکہ اُسکے نزدیک اللہ پر واجب ہے مکلف پر لطف کرنا۔ اور جو چیز
اُسکے حق میں مفید ہو اُسکا پورا کرنا۔ اور کہتا تہا کہ اللہ تعالےٰ کی خود ذات عالم ہے۔ علم
کوئی صفت کسی کے لئے نہیں کہ اُسکی ذات کے ساتہہ قائم ہو اور نہ کوئی ایسی حالت
ہے جس سے اُسکو عالمیت حاصل ہووے اور اسکے معنے کہ اللہ تعالےٰ سمیع و بصیر ہے
یہ ہیں کہ اللہ زندہ ہے کسی قسم کا نقصان اُسمیں نہیں اور اللہ تعالےٰ میں سننے اور دیکہنے
کی صفتیں مسموع اور مبصر کے حدوث کے وقت حادث ہوتی ہیں اور اللہ تعالےٰ کا ارادہ

حادث ہے اور وہ موجود تو ہے مگر کسی محل میں نہیں ہے۔ بذات خود قائم ہے اور اللہ تعالیٰ اسی ارادہ کے ساتھ مرید ہے اور یہی اسکا وصف ہے اور کہتا تھا کہ اسکا پہچاننا اور اسکی نعمتوں کی شکرگذاری اور نیک و بد کا جاننا واجبات عقلی سے ہے جبائی شریعت عقلی اور شریعت نبوی ثابت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ شریعت نبوی وہ کام ہیں جنکے پہچاننے کو عقل نہیں جان سکتی جیسے عبادت کے وقت اور احکام شرعی۔ اور کہتا تھا کہ اسپر واجب ہے گناہگار کو عذاب دینا اور مطیع کو ثواب پہونچانا۔ اسکے نزدیک ایمان ایک مدح کا نام ہے جس میں اچھے اوصاف جمع ہوتے ہیں۔ جس شخص میں وہ جمع ہوں وہ مومن ہے۔ ان فرشتوں کا جو قبر میں مردے سے سوال کرتے ہیں منکر و نکیر نام رکھنا ناپسند کرتا ہے اور اسکے اقوال دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پلصراط کے بارے میں متردد ہے کیونکہ ثابت بھی کرتا ہے اور انکار بھی کرتا ہے اور اسکے نزدیک ایمان نام ہے جملہ طاعات مفروضہ کا اور نفل اس سے خارج ہیں۔ شیخ ابوالحسن اشعری نے ایکبار جبائی سے پوچھا کہ تین بھائی تھے کہ انمیں سے ایک مومن صالح ہو کر مرا اور ایک کافر ہو کر مرا تیسرے نے لڑکپن میں وفات پائی انکا کیا حال ہوگا ابو علی نے کہا کہ مومن صالح کو جنت اور کافر کو دوزخ ملی اور تیسرے کو نہ ثواب ہے نہ عذاب اشعری نے کہا اگر تیسرا بھائی اللہ سے یہ کہے کہ مجھے بڑا کرکے مومن صالح بناکے کیوں نہ موت دی کہ میں جنت میں جاتا آرام پاتا کیونکہ اسکے حق میں تو یہی خوب تھا۔ جبائی نے جواب دیا کہ اللہ اسکو یوں جواب دیگا کہ اگر تو بڑا ہوتا گناہ کرتا جہنم میں دکھ پاتا تیرے حق میں یہی خوب تھا کہ تجھے لڑکپن میں موت دی۔ اشعری نے پھر کہا اگر کافر یوں کہے کہ مجھے مومن صالح بناکے کیوں نہ مارا کہ جنت میں جاتا یا لڑکپن میں مارا ہوتا کہ دوزخ سے بچتا اسکے حق میں یہ بہتر نہ تھا کہ جہنم میں جاوے تو اللہ اسکا کیا جواب دیگا پس جبائی کو جواب نہ آیا اور اشعری مذہب اعتزال کو چھوڑکر طریق ابو محمد عبداللہ ابن سعید بن کلاب پر چلے اور انہی کے تتبع پر مسائل صفات و قدر میں گفتگو کی اور انکا طریقہ ایک مذہب علیحدہ ہوگیا کیونکہ مذہب سلف کی تائید قاعدہ کلامیہ پر کی۔ جبائی کا انتقال ۳۰۳ھ ہجری میں ہوا ہے۔

بستم ہشمیہ یہ ابو ہاشم عبدالسلام بن ابو علی جبائی کیطرف منسوب ہیں یہ شخص تمام باتوں میں اپنے باپ کے ساتھ موافق ہے مگر کئی مسئلوں میں اس سے متفرد تھا چنانچہ استحقاق ذم وعذاب کا بغیر گناہ کے قائل تھا کہ آدمی کو بغیر گناہ کرے اور اسکو عذاب دیا جائے۔ اور کہتا تھا کہ اللہ کا علم ایک حالت ہے اور اللہ کا عالم ہونے سے یہ مراد ہے کہ وہ ذی حالت ہے اور وہ حالت صفت معلوم ہے اُسکی ذات سے علیحدہ موجود ہے مگر ذات سے علیحدہ ہو کر معلوم نہیں ہو سکتی پس اس نے اللہ کے لئے ایسے احوال ثابت کئے جو نہ معلوم ہیں نہ مجہول اور نہ موجود ہیں نہ معدوم یہ احوال علیحدہ نہیں جانے جاتے بلکہ ذات کے ساتھ جانے جاتے ہیں اور دلیل اس پر یہ بیان کی کہ عقل بالبداہت فرق کر سکتی ہے کسی چیز کے مطلق جاننے میں اور کسی صفت کے ساتھ جاننے میں۔ دیکھو جب کسی ذات کو جانتے ہیں تو اسکا عالم ہونا نہیں جانتے اور جوہر کو جانتے ہیں اُسکے متحیز ہونے کو یا اسبات کو کہ عرض اسکے ساتھ قائم ہوتا ہے نہیں جانتے انسان موجودات کی ایک چیز میں شریک ہونے کو اور دوسری چیز میں شریک نہ ہونے کو بجبلی جانتا ہے مگر ابو علی اور دوسرے منکرین احوال اسکے اس قول کو رد کرتے ہیں۔ اور ابو ہاشم کے نزدیک سمیع اور بصیر اللہ کی دو حالتیں ہیں سوائے علم کے کیونکہ انکے مفہوم اور ماثر جدا جدا ہیں۔ اور اسکے بعض اصحاب یہ کہتے ہیں کہ اللہ کے سمیع و بصیر ہونے سے یہ مراد ہے کہ وہ مسموعات و مبصرات کا مدرک ہے اور کہتا ہے کہ اللہ کے لئے یہ لائق ہے کہ ایمان کی تکلیف مشکل وجہ پر بغیر لطف کے بخلاف جبائی کے کہ اسکے نزدیک یہ ہے کہ جس کو اللہ کی معرفت حاصل ہوئی اور وہ اللہ پر اس کے لطف کے ساتھ ایمان لایا تو اسکو ثواب کم ملیگا اسلئے کہ اسکی مشقت کم ہے اور اگر بغیر لطف الٰہی کے ایمان لایا تو اسکا ثواب زیادہ ہے کیونکہ اسکی مشقت زیادہ ہے اور ابو ہاشم کہتا ہے کہ اللہ پر کوئی چیز دنیا میں بندوں کے لئے واجب نہیں جب تک انکو شرع اور عقل کے ساتھ تکلیف نہ فرمائے اور جب انکو اتنی سمجھ دیدے کہ وہ واجب کرنے کو اور قبائح سے بچنے کو جانے لگیں اور انہیں برے کام کرنیکی خواہش اور اچھے کام

کی نفرت پیدا کر دے اور اخلاق ذمیمہ نہیں ڈالے تو اُس وقت اللہ پر واجب ہے
کہ انکو قدرت و استطاعت دے اور بُرے کاموں سے بچنے اور اچھے کاموں کے
کرنے کے لئے آلات بہم پہونچا دے اور اللہ پر اس چیز کا انکو عطا کرنا واجب ہے جو طاعات
کی طرف لیجاتی ہو اور منہیات سے بچاتی ہو۔ اور یہ اعتقاد رکھتا تھا کہ توبہ کسی فعل قبیح
اور گناہ کبیرہ سے باوجود اصرار کے دوسرے ایسے فعل قبیح پر صحیح نہیں ہوتی جس کو وہ
تائب جانتا ہے یا قبیح اعتقاد کرتا ہے اگرچہ حسن ہی کیوں نہ ہو اور کہتا تھا کہ جس آدمی کو
کسی فعل قبیح کے کرنے کی قدرت باقی نہ رہے اور پھر اُس سے توبہ کرے تو وہ
توبہ اسکی صحیح نہیں ہے مثلاً دروغ گو گونگا ہو جائے تو پھر اسکی توبہ صحیح نہیں ہے
اسی طرح توبہ زانی کی بعد ضعف و عجز کے زنا سے صحیح نہیں ہوتی۔ اور کہتا تھا کہ انبیا سے
عمداً صغیرہ گناہ ہونا ممکن ہے۔ اُسکے اعتقاد میں زنگی اور ترک اور ہندو اسبات کی
قدرت رکھتے ہیں کہ ایسا قرآن لاسکیں اور ایک علم سے دو چیزیں بالتفصیل نہیں
معلوم ہو سکتیں اور اسکے اعتقاد میں طہارت واجب نہ تھی اگرچہ بندہ کو حکم ہے
کہ وہ وقت نماز طاہر ہو۔ کہتا تھا کہ غصب کئے ہوئے پانی سے طہارت کفایت کرتی
ہے مگر زمین مغصوب میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

فایدہ معتزلہ کے اور بھی بہت سے نام ہیں ایک **ثنویہ** یہ نام اسلئے ہوا کہ
یہ اسبات کے قایل ہیں کہ خیر طرف سے اللہ کے ہے اور شر بندہ کی
طرف سے ہے۔ دوسرا نام وارویہ۔ یہ نام اسلئے ہوا کہ اسکا قول یہ ہے کہ مومنین
دوزخ میں نہ جائینگے فقط اُنکا ورود دوزخ پر ہوگا اور جو شخص دوزخ میں گیا وہ پھر اس سے
باہر نہ نکلیگا تیسرا حرقیہ انکا قول یہ ہے کہ کفار جلائے نہیں جلتے مگر ایکبار چوتھا مفنیہ یہ
قایل ہیں فنائے جنت و دوزخ کے پانچویں واقفیہ یہ قایل ہیں توقف کرنیکے قرآن کے
مخلوق ہونے میں چھٹا لفظیہ یہ قایل ہیں اسبات کے کہ الفاظ قرآن کے مخلوق نہیں ہیں
ساتواں **ملتزقہ** یہ قایل ہیں اسبات کے کہ اللہ ہر جگہ میں ہے۔ آٹھواں **قبریہ**
یہ منکر ہیں عذاب قبر کے۔

فرقہ شیعہ

قبل اسکے کہ شیعہ کے حالات بیان ہوں بطور تمہید کے کہتا ہوں کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ۱۳ دن[1] علیل رہکر ۶۳ برس کی عمر میں پیر کے دن ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ ہجری کو انتقال فرمایا تو خلافت کی نزاع پیدا ہوئی اور انصار نے یہ طے کیا کہ ایک امام ہمارا ہوگا اور ایک مہاجرین میں کا ہوگا اور اپنی طرف سے سعد بن عبادہ کو خلیفہ کرنے پر آمادہ ہو گئے تو حضرت عمر و ابوبکر نے اُنکے مجمع میں پہونچکر کہا کہ پیغمبر خدا کا حکم ہے الائمۃ من قریش یعنے امام قریش میں سے چاہیئے تب سب انصار نے قبول کیا اور کہا کہ تم کس کو خلیفہ کرو گے حضرت عمر نے کہا کہ ہم سب سے افضل ابوبکر کو جانتے ہیں ہم انہی سے بیعت کرتے ہیں تم بھی قبول کرو اور اول بشیر بن[2] سعد انصاری نے پھر حضرت عمر نے پھر ابو عبیدہ بن جراح نے پھر سعد بن عبادہ نے بیعت کری پھر اور صحابہ نے بیعت کرلی اور فوری طور پر صدیق اکبر پر اتفاق عام ہوگیا۔ یہ معاملہ بنی ساعدہ کے سقیفہ (چبوترہ) میں ہوا تھا پھر جب وہ مسجد میں آئے تو لوگ ہر طرف سے دوڑکر آئے اور رغبت سے بیعت کرنے لگے لیکن بنو ہاشم دیر تک اپنے اوجا پر رُکے رہے اور اُن کو اپنی ناکامی پر تعجب اور مایوسی ہوا اور حضرت علی اور عباس اور طلحہ اور زبیر اور مقداد بن عمر اور عتبہ بن ابولہب اور خالد بن سعید بن عاص اور سلمان فارسی اور ابو ذر اور عمار بن یاسر اور براء بن عازب اور ابی کعب نے بیعت نہ کی اور حضرت علی بیعت کے وقت سقیفہ میں موجود نہ تھے پیغمبر خدا کی تجہیز و تکفین کا سامان کر رہے تھے پھر ان سب لوگوں نے بیعت کر لی اور حضرت علی نے چھ مہینے کے بعد بیعت کی بعض کہتے ہیں تیسرے دن یا اسی دن یا دوسرے دن بیعت کی اور صحیح یہ ہے کہ دو بار بیعت کی ایک بار تیسرے دن اور دوبارہ چھ مہینے کے بعد جب بی بی فاطمہ نے پیغمبر خدا کے اموال میں وراثت کا اور باغ فدک کا

---

[1] دیکھو کشف الغمہ مع حیات الائمہ مولفہ قطب شعرانی جلد دوم باب قسمۃ الحق و تبعیتہ ۱۲ ۔

[2] دیکھو محاضرۃ الابرار ۱۲۔

تملیک کا دعوی کیا اور حضرت ابوبکرؓ تھے وہ دعوی اس دلیل مشہور کی وجہ سے نحن معاشر الانبیاء لا نورث ما ترکناہ صدقۃ یعنے انبیاء جو کچھ وفات کے بعد چھوڑتے ہیں وہ میراث نہیں ہوتی صدقہ ہوتا ہے۔ نہ مانا اور باہم حجت واقع ہوئی اور لوگوں کو ثابت ہوا کہ ان میں ملال ہے تو انکے اس زعم کے دفع کرنے کے لئے ثانیاً بیعت کی حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بعد شاید بنی ہاشم کے دعوے نئے سر سے پیش ہوتے لیکن حضرت ابوبکرؓ نے وفات کے وقت حضرت عمرؓ کی خلافت پر باضابطہ تنصیص کی اسلئے بنی ہاشم کو موقع نہ ملا حضرت عمرؓ نے اپنی شہادت کے قریب چھ شخصوں کو چنا جن کی حاکمانہ لیاقتیں انکے نزدیک ایسی مساویانہ درجہ رکھتی تھیں کہ وہ کسی کے حق میں ترجیح کا فیصلہ نہیں کر سکے حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ اور زبیر اور طلحہ اور سعد اور عبدالرحمن بن عوفؓ ان انتخاب شدہ لوگوں میں تھے۔ گو حضرت عباسؓ نے حضرت علی کو یہ ہدایت کی کہ وہ اپنی خلافت بخت و اتفاق کے ہاتھ میں دیں بلکہ بغیر کسی کی اعانت کے اپنے استحقاق کا فیصلہ کرلیں لیکن جناب امیر کی بے غرضی اور فیاض دلی نے اس اختلاف انگیز تحریک کے قبول کرنے کی اجازت نہ دی اور عبدالرحمن بن عوف اس نزاع کے طے کرنیکے لئے مقرر ہوئے انہوں نے حضرت علی کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ میں تمہاری بیعت کرتا ہوں کتاب خدا اور سنت رسول اللہ اور طریقہ ابوبکر و عمرؓ پر حضرت علی نے جواب دیا کتاب اللہ اور سنت رسولؐ اور میرے اجتہاد و رائے پر عبدالرحمن نے انکو چھوڑ کر حضرت عثمان کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہی بات کہی حضرت عثمان نے قبول کرلیا پھر سب صحابہ نے ان سے بیعت کی حضرت علی نے صبر جمیل کیا اور تن بہ تقدیر راضی ہوگئے۔ حضرت عثمان خاندان بنی امیہ سے تھے اور انکی خلافت ایک نئے تاریخی سلسلہ کا دیباچہ تھی حضرت ابوبکر و عمر نہ ہاشمی تھے نہ اموی۔ اسلئے انکے عہد

ــہ شہاب الدین احمد ابن حجر کتاب اشرف الوسائل الی فہم الشمائل کے باب ذکر میراث میں کہتے ہیں لا نورث بسکون الواو و فتح الراء و حکی فتح الواو و کسر الراء ای لا نترک مالا میراثا۔ مطلب یہ ہے کہ لفظ لا نورث میں واؤ ساکن اور رائے مہملہ مفتوح ہے اور بعضے کہتے ہیں کہ واؤ مفتوح ہے اور را مکسور۔

تک بنو امیہ و ہاشم دونوں خاندان خلافت میں کچھ حصہ نہیں رکھتے تھے حضرت عثمانؓ نے اپنی خلافت میں تمام بڑے بڑے ملکی عہدے بنی امیہ کے ہاتھ میں دیدیئے معاویہ پہلے ہی شام کے گورنر تھے لیکن اس عہد میں انکا اقتدار اس حد تک پہونچگیا کہ ملک شام کے فرمانروائے مستقل سمجھے جاتے تھے۔ حضرت عثمان کی خلافت تقریباً بارہ برس رہی اور اگرچہ اخیر میں اسی خاندانی رعایت پر لوگ اُن سے ناراض ہوگئے اور جمعہ کے دن ۱۸ ذیحجہ ۳۵ھ کو بلوائیوں کے ہاتھ سے اُنکی شہادت تک نوبت پہونچی اور سنیچر کی رات بقیع میں دفن ہوئے۔ جب حضرت علی خلیفہ ہوئے تو طلحہ اور زبیر بیعت کر لینے کے بعد بوجہ دہمکانے مالک اشتر کے جو قاتلان حضرت عثمان میں سے تھا شب کے وقت مدینہ سے نکلکر مکہ کو چلے گئے۔ اور بی بی عایشہؓ ان دنوں مدینہ میں نہ تھیں مکہ سے حج کر کے واپس آرہی تھیں۔ اُنکو حضرت عثمان کی شہادت کی خبر پہونچی تو وہیں انجام کار دیکھنے کے لئے ٹہر گئیں اور طلحہ اور زبیر کے ورغلانے سے مکہ کو لوٹ گئیں اور وہاں جمع ہوکر لڑائی کا سامان کیا۔ اگرچہ یہ جناب امیر کی جان کے دشمن نہ تھے صرف حضرت عثمان کے قاتلوں سے قصاص چاہتے تھے مگر چونکہ اس قدر جمعیت کا خلیفہ کے مقابلہ کو کہڑا ہونا خلافت کی بدرعبی کا باعث تھا اسلئے حضرت علی نے بی بی عایشہ اور طلحہ اور زبیر کا کچھ پاس نہ کیا اور اُن سے جنگ کی اور مروان بن حکم کے تیر سے طلحہ اور عمر بن جرموز مجاشعی کے ہاتھ سے زبیر کی آخر کار جان گئی۔ اس جنگ کو **جنگ جمل** کہتے ہیں کیونکہ اُس وقت بی بی عایشہ اُس شتر پر جسکا عسکر نام تھا سوار تھیں اسکو ایک شخص نے حضرت علی کے حکم سے مارڈالا۔ بی بی صاحبہ اس جنگ کے بعد عمر بھر متاسف رہیں اور جنگ جمل کو یاد کر لیتیں تو اتنا روتیں کہ اُنکی اوڑھنی آنسوں سے تر ہو جاتی تھی اسلئے کہ خروج میں جلدی کی تامل نہ کیا اور پہلے سے تحقیق نہ فرمایا باوجودیکہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بانی مبانی محمد بن ابی بکر صدیقؓ برادر بی بی صاحبہ تھے۔ چنانچہ تاریخ احمد بن اعثم کوفی میں لکھا ہے کہ جب حضرت عثمان محصور ہوئے اور محاصرین نے اُنپر تنگی

کی اور ہر جانب سے اُنکے مکان میں گھس پڑے تو محمد بن ابی بکر صدیق نے دوڑکر حضرت عثمان کی داڑھی پکڑلی اور اُنکی گردن کو مجروح کردیا جس سے خون جاری ہوگیا۔ پھر کنانہ بن بشیر الجصی آیا اور ایک وار عمود کا حضرت عثمان کے سر پر کیا اور سیدان بن حمران مرادی نے ایک تلوار اُنکے سر پر ماری حضرت عثمان پیچھے کو گر پڑے پھر اور لوگوں نے تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ خلافت حضرت عثمان کی وسیع مدت میں بنی امیہ کا خاندان ملکی اور مالی دونوں حیثیت سے نہایت طاقتور ہوگیا جسکا یہ اثر تھا کہ جب حضرت علی خلیفہ ہوئے تو اُن سے معاویہ نے ہمسری کا دعوے کیا اور اگرچہ ذاتی فضائل و مذہبی تقدس میں اُنکو حضرت علی سے کچھ نسبت نہ تھی تاہم ایک مدت تک وہ مساویانہ طاقت کے ساتھ جناب امیر کے حریف رہے اور ۳۷ھ ہجری میں معاویہ اور حضرت علی کے لشکروں میں بمقام صفین ماہ صفر سے جنگ شروع ہوئی اور معاویہ کی فوج کے دل حضرت علی کی تلوار سے چھوٹ گئے۔ اُسوقت معاویہ نے کلام مجید نیزوں پر رکھکر آواز بلند کہا کہ یہ کلام اللہ ہمارے تمہارے درمیان ہے۔ اہل عراق نے حضرت علی سے کہا کہ آپ قرآن کو نہیں مانتے اُنھوں نے جواب دیا کہ تم اپنے حق و صدق پر دشمنوں سے لڑے جاؤ یہ کام اُنھوں نے تمہارے فریب دینے کے لئے کیا ہے۔ جب مسعود بن فدک تمیمی اور زید بن حسین الطائی نے جو لشکر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں موجود تھے اور اُنکا لقب خارجی مقرر ہوا یہ بات کہی کہ یا علی قرآن کو نا اور مسلم رکھنا چاہیئے جب قرآن درمیان آیا تو لڑنا خوب نہیں ورنہ ہم آپ کو مخالفین کے سپرد کر دینگے حضرت علی نے مجبور ہو کر لڑائی روکدی اور اشعث بن قیس کو جو اخرج الخوارج تھا حضرت معاویہ کے پاس بھیجا کہ تم نے کس لئے قرآن اُٹھائے ہیں۔ کہا میں یہ چاہتا ہوں کہ ایک میری طرف سے اور ایک تمہاری طرف سے حکم مقرر ہو اور جو کچھ وہ کتاب اللہ کی رو سے فیصلہ کریں اُس پر فریقین عمل کریں۔ خوارج نے حضرت علی کو اسبات پر مجبور کیا کہ انھوں نے ابو موسیٰ اشعری کو اپنی جانب سے پنچ مقرر کیا اور عمر بن عاص حضرت معاویہ کی طرف سے قرار پائے اور اقرارنامہ جانبین سے ۱۳ صفر ۳۷ھ کو قلمبند ہوا۔ ابو موسیٰ نے عمرو بن عاص کو اسبات پر آمادہ کیا کہ ان دونوں صاحبوں کو معزول کرکے نئے خلیفہ کا نصب کرنا مناسب

کے مشورے پر رکھنا چاہیئے اور ماہ رمضان سنہ مذکور میں جب فیصلہ سنانے کا وقت آیا تو اول ابوموسےٰ نے کھڑے ہوکر کہا "اے مسلمانو! میں نے حضرت علی اور حضرت معاویہ کو اس منصب سے معزول کیا تاکہ فتنہ وفساد دب جائے اور کار خلافت تمہارے مشورے پر رکھتا ہوں جسے چاہو اس کام کے لئے انتخاب کرلو۔" پھر عمرو نے کھڑے ہوکر کہا "کہ حضرت علی کی خلافت سے ابوموسےٰ نے تبرا کیا اور مَیں معاویہ کی خلافت سے راضی ہوں" ابوموسےٰ چلّانے لگے کہ اے عمرو تم نے مجھسے فریب کیا۔ کیا تم نے مجھسے یہ نہیں کہا تھا کہ جو کچھ تمہاری رائے ہے وہی مَیں بیان کرونگا۔ عمرو نے جواب دیا کہ تم جھوٹے اور مکار ہو۔ اُسی روز سے حضرت علی کے ہر کام میں ضعف آگیا۔ اور حضرت معاویہ کو قوت ہوئی۔ اور خوارج نے علی مرتضیٰ کی بیعت خلافت کا انکار کیا آپ نے اُن سے اپنے حق کا دعوےٰ کیا انہوں نے نہ مانا اور حضرت علی کے طرفداروں اور مخلصوں کا کہ صحابہ وتابعین تھے اور اُن کے ساتھ رہتے تھے اور اُنکی خلافت کے معین تھے اور اُنکی طرف سے جان بازیاں کرتے تھے لقب **شیعہ** مقرر ہوا۔ انہی سے **شیعہ اولیٰ** اور **شیعہ مخلصین** عبارت ہے۔ ان سب کا عقیدہ یہ تھا کہ جناب امیر اپنے عہد میں امام برحق ہیں بعد شہادت حضرت عثمان کے یہ انہی کا منصب ہے۔ تمام مسلمانوں پر اُنکی اطاعت فرض ہے اور اپنے وقت کے سارے آدمیوں سے افضل ہیں اور حضرت معاویہ اور اُنکے لشکر کو باغی اور خطاوار جانتے تھے مگر طلحہ وزبیر کو یہ لوگ برا نہیں جانتے تھے اسلئے کہ انہوں نے جو تنازع جناب امیر کے ساتھ کیا تھا سو سبب اسکا یہ نہ تھا کہ وہ اُنکو مستحق خلافت نہ جانتے تھے بلکہ قاتلان حضرت عثمان نے جب اُنکو بھی دھمکایا تو یہ خوف جان کی وجہ سے مدینہ سے چلے گئے اور اُن سے قصاص لینے میں جلدی کرتے تھے۔ اُنکو خطاے اجتہادی واقع ہوئی اسلئے کہ ایک شبہ کے ساتھ متمسک تھے اگرچہ طرف ثانی کی دلیل ارجح تھی اور وہ شبہ اسوجہ سے پیدا ہوا تھا کہ جانتے تھے کہ قصاص ذوالنورین حق ہے اور حضرت علی اُسکے لینے پر قادر ہیں مگر نہیں لیتے بلکہ منع کرتے ہیں پس قصاص حضرت عثمان کی طلب میں جلدی کی اور اتنا تامل نہیں کیا کہ حضرت علی کی مرضی معلوم ہو جاتی اسوجہ سے مخالفت اُنکی طرف سے وقوع میں آئی ورنہ وہ تمام اہل حضرت

جناب امیر کو افضل مانتے تھے اور اُنکے اوصاف بیان کرتے تھے اور آخرکار اُنہوں نے جناب امیر سے مصالحت کر کے انکی اطاعت کر لی اسی واسطے یہ لوگ گمراہ قرار نہیں دیے گئے بلکہ جناب امیر انکو عمدہ جانتے تھے اور اس مخالفت کو اُنکی خطاے اجتہادی پر حمل کرتے تھے اور یہ شیعہ جناب امیر کی اُن باتوں کو جو اُنہوں نے خلفا اور صحابہ کی مدح و منقبت اور فضائل میں بیان کی ہیں جیسے کہ جناب امیر معاویہ کے ایک خط[۱] کے جواب میں شیخین کے حق میں فرماتے ہیں لعمری ان مکانھما من الاسلام لعظیم وان المصاب بھما لجرح فی الاسلام شدید رحمھما اللہ وجزاھما باحسن ما عملا۔ قسم اپنی جان کی کہ منصب ان دونوں کا اسلام میں بڑا ہے اور واقعہ وفات ان دونوں کا البتہ زخم سخت ہے اسلام میں اللہ تعالی رحمت کرے اور جزاے خیر دے انکو بعوض بہترین کاموں کے کہ ان دونوں نے کئے۔ ظاہر ہی پر محمول کرتے تقیہ اور ریاکاری پر مبنی نہیں سمجھتے۔ اور جو کچھ شرع محمدی کے احکام صحابہ کے ذریعہ سے ان کو ثابت ہوئے اُسے قبول کیا اور عملدرآمد رکھا ان لوگوں نے ابن سبا وغیرہ کی باتوں کو نہیں مانا اور سارے صحابہ کا ادب کرتے رہے۔ البتہ دو تین برس کے بعد بعضے لوگ ابن سبا کے تھوڑے سے وسوسوں میں آگئے اور جناب امیر کو تمام اصحاب پر تفضیل دینے لگے ان شیعہ تفضیلیہ نے سوائے تفضیل جناب امیر کے اور ساری باتوں میں شیعہ مخلصین کے ساتھ اتفاق رکھا اور اقوال صحابہ کی پیروی کرتے رہے اور جو کچھ صحابہ کے ذریعہ سے سنت رسول اللہ مروی ہے اُسکے معتقد و عامل رہے انکا مذہب یہ تہا کہ جناب امیر اور اُنکی اولاد احق بالخلافت ہیں جب تک یہ بزرگ کسی اور کو یہ منصب اپنی خوشی سے نہ دیں وہ اسکا مستحق نہیں ہو سکتا چنانچہ خلفاے ثلثہ کو یہ خلیفہ مانتے تھے اور اُنکی خلافت کو درست جانتے تھے اسلئے کہ جناب امیر نے اُنہیں اپنی خوشی سے خلیفہ کر دیا تہا۔ اور جب یہ خود خلافت اختیار کریں تو دوسرے کو خلافت نہ لینا چاہئے۔ اور جناب امیر بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افضل الناس ہیں اور یہ لوگ صحابہ کو بُرا نہیں کہتے نہ ظالم اور غاصب بتاتے ہیں بلکہ خیر و خوبی کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ ان میں سے یہ اشخاص مشاہیر ہیں۔ ابو الاسود ظالم دئلی بصری وافع

علم نحو اور ابو سعید یحییٰ بن یعمر عدوانی تابعی کہ علم قرأت و تفسیر و نحو و لغات عرب کا بڑا ماہر تھا اور سالم بن حفصہ جو امام محمد باقر و امام جعفر صادق سے حدیث کی روایت کرتا ہے اور عبدالرزاق محدث اور ابو یوسف یعقوب بن اسحاق معروف بہ ابن سکیت صاحب کتاب اصلاح المنطق۔ مگر جب ابن سبا کی بدعت بہت پھیل گئی تو اسکی تلقین کے اثر سے دو قسم کے لوگ بہت پیدا ہو گئے۔ ایک **شیعہ تبرائیہ** جن کو **شیعہ سبئیہ** بھی کہتے ہیں۔ یہ لوگ سارے صحابہ کو ظالم و غاصب بلکہ کافر و منافق بتلانے لگے اور بی بی عائشہؓ اور طلحہ اور زبیر کی لڑائی و تنازع جناب امیر کے ساتھ انکے مذہب و غدغہ کا مؤید ہو گیا اور چونکہ یہ تمام جھگڑے حضرت عثمان کے قتل کی وجہ سے واقع ہوئے تھے اسلئے اُنپر بھی لعن و طعن

لہ طبقات النحاۃ میں مذکور ہے کہ حضرت علی کے حکم سے ابوالاسود نے علم نحو کو ایجاد کیا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ زیاد والی عراقین کے حکم سے اُس نے اس علم کو نکالا تھا بعضے کہتے ہیں کہ حضرت علی نے کچھ قواعد نحو کے اُسے بتادئے تھے اس نے انکو کسی پہ ظاہر نہیں کیا تھا زیاد نے اسکو حکم دیا کہ نحو کے قواعد بنانا چاہئے مگر اس نے قبول نہ کیا یہانتک کہ اُس نے اپنے کانوں سے سنا کہ ایک قاری پڑھتا تھا ان اللہ بریٔ من المشرکین ورسولہ اور رسول کے لام پر زیر دیتا تھا۔ تو ابوالاسود نے زیاد سے کہا کہ آدمیوں کی اب یہ حالت ہو گئی ہے۔ آپ نے جو حکم دیا تھا اُس کی تعمیل کرتا ہوں۔ اور سب سے اول باب تعجب کو ایجاد کیا۔ پھر دوسرے قواعد جو حضرت علی سے حاصل کئے تھے بنائے۔ مگر شاہ ولی اللہ صاحب نے قرۃ العینین میں کہا ہے کہ نحو کی استناد حضرت علی مرتضیٰ کیطرف ایک خیالی بات ہے اسکی نقل صحت کو نہیں پہونچی۔ اور تاریخ کامل میں عزالدین علی معروف بہ ابن اثیر جزری کہتے ہیں کہ حارث بن کلدہ ثقفی کی ایک کنیز سمیّہ نامی کے بطن سے زیاد پیدا ہوا ہے جبکہ وہ عبید نام ایک رومی غلام کے نکاح میں تھی ابوسفیان نے بھی زمانہ جاہلیت میں اس کنیز کے ساتھ شراب کی مستی میں زنا کیا تھا معاویہ نے سنہ ۴۴ھ میں زیاد کو اپنے خاندان میں ملا لیا یہ پہلا واقعہ ہے جو دین اسلام میں شرع کے خلاف کیا گیا کیونکہ زیاد شرعاً اُسی غلام کا بیٹا ہے اسلئے آجتک ابن ابیہ کہلاتا ہے۔

کرنے لگے اور حضرت عثمان کی خلافت کی بنیاد شیخین کی خلافت پر تھی اور منتخب کرنیوالے
اُنکے عبدالرحمن بن عوف وغیرہ صحابہ تھے سب کو یہ لوگ بُرا کہنے لگے۔ یہ لوگ گویا ابن
سبا کے متوسط قسم کے شاگرد و تعلیم یافتہ تھے۔ **دوسرے غلاۃ شیعہ** یہ ابن سبا
کے شاگرد و رشید اور اُسکے خاص اصحاب تھے کہ اُسکی تعلیم کی بدولت جناب امیر کی الوہیت
کے قایل ہوگئے اور جب بعض نیک لوگوں نے اُنکو الزامات دیئے کہ جناب امیر میں بشریت
کے آثار موجود ہیں تو اسلئے بعض غلاۃ الوہیت کے قول کو چھوڑکر اباحت کے قائل ہوئے
کہ اللہ تعالیٰ نے جناب امیر میں حلول کیا ہے جب جناب امیر کو یہ خبر پہونچی تو انکا رد فرمایا اور
ایک جماعت غلاۃ شیعہ کو آگ میں جلادیا۔ ابن سبا سے سارے اصناف غلاۃ شیعہ پیدا
ہوئے ہیں اور جبکہ تبرائیہ و غلاۃ و زیدیہ و اسماعیلیہ وغیرہ نے اپنا لقب شیعہ اختیار
کرلیا اور جب حضرت علی ابن ابی طالب اور بعض حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت عثمان و بی بی
عائشہ میں مع دیگر صحابہ کے بڑا غلو و مبالغہ کیا اور عمل و اعتقاد میں طرح طرح کے فسادات
و بدعات پھیلا دئے تو شیعہ مخلصین و شیعہ تفضیلیہ نے اپنا لقب **اہلسنت و جماعت**
رکھ لیا۔ اسی واسطے اگلے وقتوں کی کتب میں اُن لوگوں کے حق میں بھی شیعہ کا لفظ استعمال
ہوا ہے اور شیعہ تبرائیہ وغیرہ بھی شیعہ مخلصین و شیعہ تفضیلیہ کو شیعہ حضرت علی سے نہیں شمار
کرتے اسلئے کہ انکے نزدیک محبت حضرت علی منحصر ہے صحابہ و ازواج کے بُرا کہنے پر اور
انکے نزدیک ایمان و اسلام میں فرق ہے اسلئے اپنی جالوں کو مومن کہا کرتے ہیں
اور باقی اہل اسلام کو مسلمان بولتے ہیں۔ کہتے ہیں مومن وہ ہے جو شرایع کو اسکے
حقائق اور تاویل کے ساتھ جانتا ہو اور مسلمان وہ ہے جو شرایع کو بغیر علم تاویل اور
تعبیر کے جانے اور شیعہ کو روافض بھی کہتے ہیں انکا نام رفضہ اس طرح پر ہوا کہ زین علی
بن حسین بن حضرت علی ابن ابی طالب جب لعن حضرت ابوبکر سے باز رہے اور یہ کہا کہ
وہ دونوں میرے جد محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے وزیر تھے تو اُنھوں نے انکی بات کو
رفض یعنے ترک کردیا۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ رافض یعنے تارک رائے صحابہ کے تھے
بابت بیعت حضرت ابوبکر و عمر کے مگر شیعہ میں باہم بھی بڑا اختلاف ہے اور اس اختلاف کی

وجہ سے بہت سے فرقے بنگئے ہیں کہ ایک فرقہ دوسرے فرقہ کی تکفیر کرتا ہے۔ اصول انمیں سے پانچ فرقے ہیں **غلاۃ**۔ **کیسانیہ**۔ **اسماعیلیہ**۔ **زیدیہ** اور **امامیہ**۔ اگرچہ کیسانیہ و اسماعیلیہ و امامیہ میں سے بہی بہت سے فرقے غلو رکھتے ہیں مگر ہم یہاں غلاۃ اُن فرقوں سے مراد رکھتے ہیں جن میں یہ اعتقاد مشترک ہے کہ انبیا و ائمہ خدا ہیں یا خدا نے انبیا و ائمہ میں حلول کیا ہے یا ان سے متحد ہوگیا ہے مگر تعیین امام کے باب میں بعضے ان میں سے کیسانیہ کے طور پر ہیں بعضے اسماعیلیہ کے اور بعضے امامیہ کے۔ اور زیدیہ کے فرقوں میں سے کوئی ایسا نہیں سنا گیا جو ان غلاۃ کی طرح انبیا و ائمہ کی الوہیت یا انمیں حلول الوہیت یا اتحاد کا قائل ہو۔ اور شیعہ کے ہر فرقے میں داعی لوگ ہوتے ہیں کہ اس مذہب کی طرف اشخاص کو علم یا مال یا زبان یا ہتہیار کے ذریعہ سے بلاتے ہیں انکو اصطلاح میں **دعاۃ** کہتے ہیں جو داعی کی جمع ہے۔ انہی دعاۃ کے نام سے فرقے منسوب ہوتے ہیں۔ غرض کہ **غلاۃ** کے کئی فرقے ہیں۔

ا۔ سبائیہ

یہ عبداللہ بن وہب بن سبا معروف بہ ابن السوداء کے متبع ہیں یہ شخص یہودی تہا۔ حجاز سے اہل اسلام کے شہروں میں جایا کرتا تہا ارادہ اسکا یہ تہا کہ مسلمانوں کو گمراہ کر دے۔ جب یہ بات نہ بنی اور یہ کام نہ کرسکا تو اسلام اور مسلمین کے ساتھ مکر و فریب سے پیش آیا۔ ۳۳ھ ہجری میں بصرہ گیا وہاں ہونچکے کچھ مسائل لوگوں سے کہنے لگا لیکن صراحت نہ کرتا۔ ایک جماعت اُسکی طرف مائل ہوگئی اور اسکی باتوں میں آنے لگی۔ عبداللہ بن عامر حاکم بصرہ نے اسکو بصرہ سے نکلوا دیا وہاں سے کوفہ میں آیا۔ پہر کوفہ سے چلکر مصر پہونچا۔ وہاں آکر ٹہرا۔ لوگوں میں بیٹہکر یہ بات کہی بڑا تعجب ہے اُس شخص سے جو اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام پہر دُنیا میں آئینگے اور اسکی تکذیب کرتا ہے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم نہ آئینگے۔ رجعت کے بارے میں لوگوں سے بات چیت کرتا رہا۔ یہانتک کہ کچھ لوگوں نے اس بات کو قبول کیا اور یہ بدعت ۳۵ھ ہجری سے پہیلنے لگی۔ پس مذہب رجعت کا موجد وہی ہے۔ بعد اسکے اُس نے یہ بات کہی کہ ہر نبی کا ایک وصی ہوا کرتا ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم امامت

حضرت علی کی وصیت کر گئے ہیں کہ وہ بعد حضرت کے اُنکے وصی ہیں اور خلیفہ امت بر نبص نبوی اور سن رکھو کہ عثمان نے خلافت ناحق لیلی۔ اب تم لوگ کھڑے ہو کر پیشینی امرا پر طعن کرو اور اظہار امر معروف و نہی منکر کرکے لوگوں کو اپنی طرف مائل کر لو۔ پھر اس نے اپنی طرف کے داعی جابجا بھیجے اور جن جن شہروں کے لوگ اُسکی طرف مائل تھے۔ اُن سے خط و کتابت جاری کی اُن لوگوں نے مخفی دعوت کرنا خلق کا اُسکی رائے کی طرف شروع کیا اور ایک عام ناراضی حضرت عثمان کے عمال اور اُنکی خلافت کیطرف سے لوگوں میں پھیل گئی اور ساری زمین اسلام ابن سبا کی رائے و عقیدہ سے بھر گئی۔ یہانتک کہ ملک مصر سے ایک ہزار یا سات سو یا پانسو آدمی اور ایک ایک جماعت بصرہ و کوفہ سے مدینہ میں آئی بعد حضرت عثمان کے معزول کرنے کا ارادہ کیا اور فسا دبرپا کر کے حضرت عثمان کے مکان کو گھیر لیا اور چالیس یا پچاس دن تک اُنکو محصور رکھا۔ پھر حضرت علی حضرت عثمان کے پاس آئے اور کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ مروان کو عہدہ منشی گری سے موقوف کیجئے اور عبداللہ بن ابی سرح کو حکومت مصر سے معزول کیجئے۔ حضرت عثمان نے قبول کیا۔ حضرت علی نے لوگوں کو سمجھا کر ہٹا دیا اور بات رفت گذشت ہو گئی۔ حضرت عثمان نے محمد بن ابی بکر کو مصر کا حاکم مقرر کر کے اُدھر بھیجا رستے میں انکو ایک خط مہری حضرت عثمان کا عبداللہ کے نام ملا جس میں یہ مضمون تھا کہ محمد ابن ابی بکر رضی اللہ عنہم کو کچھ کہیں اُسکی تعمیل مت کرنا اور کسی حیلہ سے اُنکو مار ڈالنا۔ محمد اس خط کو لے کر مدینہ کو لوٹ آئے۔ حضرت عثمان سے اسکا حال پوچھا تو قسم کھا کر کہا کہ یہ مہر اگرچہ میری ہے اور میرے ہی منشی کا خط ہے مگر میں نے نہیں لکھوایا۔ لوگوں نے کہا کہ مروان کو ہمارے سپرد کرو۔ یہ بات حضرت عثمان نے نامنظور کی اسلیئے لوگوں کے دل اُنکی جانب سے پھر گئے۔ اور ذیحجہ سنہ ۳۵ ہجری میں عثمان رضی اللہ عنہ ان باغیوں کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ ابن سبا نے معبود و علی مرتضیٰ سے یہ بات کہی تھی اَنْتَ الْاِلٰہُ یعنے تم خدا ہو۔ اور حضرت ممدوح نے اُسے مدائن کیطرف نکلوا دیا تھا اور یہ کہتا تھا کہ حضرت علی بعد موت کے پھر دنیا میں آئینگے اور حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم بھی قدم بقدم

فرمائیں گے۔ وہ قتل حضرت علی کا معتقد نہ تھا انکو زندہ بتاتا تھا۔ کہتا تھا فیضان حضرت علی کی صورت پر ہوگیا تھا اُسے ابن ملجم نے مارا ہے۔ اُنہیں ایک جز خدا کا ٹہراتا تھا۔ کہتا تھا وہ بادل میں آتے ہیں۔ رعد اُنکی آواز ہے۔ برق اُنکا چابک ہے۔ وہ ضرور زمین پر اُتر کر زمین کو عدل سے بھر دیں گے جس طرح کہ ظلم سے بھر گئی ہے۔

۲۔ کاملیہ ابوکامل کے متبع ہیں۔ یہ شخص سب صحابہ کو کافر بتاتا تھا۔ اسپر کہ اُنہوں نے حضرت علی سے بیعت نہ کی اور خود حضرت علی کو کافر کہتا تھا اسپر کہ صحابہ سے نہ لڑے۔ یہ قائل تھا تناسخ کا۔ اور کہتا تھا کہ امامت نور الٰہی ہے کہ ایک شخص سے دوسرے میں منتقل ہوتا ہے اور ہوسکتا ہے کہ یہ نور ایک آدمی میں امامت ہو اور دوسرے میں نبوت ہوجائے۔ اور کہتا تھا کہ روح الٰہی نے اول آدم میں بعد اسکے درجہ بدرجہ تمام انبیاء و آئمہ میں حلول کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسکے نزدیک کافر کا بھی امام ہونا اور اُسمیں روح الٰہی کا حلول کرنا جائز ہے اسلئے کہ یہ حضرت علی مرتضیٰ کی تکفیر کرتا ہے اور پھر اُنہیں روح الٰہی کے حلول کا اور پھر اُنکی امامت کا قائل ہے۔

۳۔ مغیریہ مغیرہ بن سعید عجلی کے اصحاب ہیں جو خالد بن عبداللہ کا غلام تھا۔ اس نے خالد بن عبداللہ قسری پر کوفہ میں بیس آدمی لے کر خروج کیا اُنکو گھیر لیا۔ وہ سیر ہوتے اُنہوں نے کہا مجھے پانی پلادو اس سبب سے وہ بدلائے گئے اُسکی شنایع میں سے ایک یہ قول ہے۔ اعضا معبود کی صورت پر حروف ہجا کے ہیں اور الف صورت قدمین پر ہے۔ اور یہ اعتقاد رکھتا تھا کہ اللہ ایک مرد ہے نور کا اُسکو سر پر ایک تاج ہے نور کا اور اُسکا دل حکمت کا منبع ہے۔ وہ اعتقاد کہتا تھا کہ اللہ ہر مکان میں ہے۔ کوئی مکان اُس سے خالی نہیں ہے اللہ اللہ نے جب جہان کا پیدا کرنا چاہا تو اعمال عباد کو اپنی دو انگلیوں سے لکھا پھر اُنکے معاصی سے غضب میں آیا تو اس سے اللہ کو پسینا چھوٹا۔ اُس پسینے سے دو دریا مجتمع ہوگئے۔ ایک شیریں ایک

تلخ۔ پس خدائے تعالےٰ نے دریائے شیریں میں دیکھا تو عکس اسکا اسمیں پڑا۔ سو خدا تعالےٰ نے تھوڑا سا عکس اُس دریا میں سے نکالکر اُس سے چاند اور سورج بنائے اور باقی کو فنا کر دیا اسواسطے کہ کوئی شریک اسکا باقی نہ رہے۔ پھر دریائے شیریں سے مومن پیدا کئے دریائے تلخ سے کافر بنائے اور اس آیت کی انا عرضنا الامانۃ علی السموات والارض والجبال فابین ان یحملنہا تفسیر یوں کرتا تھا کہ ہم نے پیش کی امانت آسمان وزمین اور پہاڑوں کے سامنے اور وہ امانت حضرت علی کی امامت تھی کہ تم میں سے کون ایسا ہے کہ اسکو لینا چاہتا ہے اور حضرت علی کو پہونچانا نہیں چاہتا تو کسی نے اس امانت کو قبول نہ کیا تاکہ یہ حق حضرت علی ہی کو پہونچ جائے۔ مگر انسانوں میں سے حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کے مشورے سے اسکو اختیار کر لیا جبکہ حضرت عمر نے یہ اقرار کر لیا کہ کار امامت میں مَیں حضرت ابوبکر کا مددگار ہونگا اور حضرت عمر نے یہ ذمہ داری اس شرط پر اختیار کی کہ صرف ابوبکر اپنے بعد مجھے خلافت دیں۔

اور کہتا تھا کہ آیت کَمَثَلِ الشَّیْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اکْفُرْ فَلَمَّا کَفَرَ قَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْکَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ۔ یعنے مثال شیطان کی ہے جس وقت کہا اُس نے آدمی کو تو کفر کر پس جب کفر کیا کہا تحقیق میں بیزار ہوں تجھ سے میں ڈرتا ہوں اللہ سے جو رب سارے جہان کا ہے حضرت ابوبکر و عمر کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ اُسکے نزدیک مہدی ذکیّا بن محمد بن علی بن حسین بن حضرت علی ابن ابی طالب ہیں اور وہ زندہ ہیں اور رکوہ حاجر میں مقیم ہیں جب حکم رب ہوگا تو اس سے برآمد ہوں گے۔ اور محمد بن علی کے بعد یہ شخص اپنے لئے امامت کا طالب ہوا تھا۔ اور دعوٰی نبوت کا رکھتا تھا۔ اُسکے زعم میں اُسکا معجزہ یہ تھا کہ وہ اسم اعظم جانتا ہے اور مردوں کو زندہ کرتا ہے۔ اور جب مغیرہ مارا گیا تو اُسکے بعضے اتباع کہنے لگے کہ وہی امام منتظر ہے۔

۴۔ بنانیہ یہ متبع ہیں بنان بن سمعان تمیمی ہندی یمنی کے۔ یہ بجائے حلول کے اتحاد کا قائل تھا۔ یعنے اسکا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ حضرت علی کے ساتھ متحد ہوگیا ہے۔ پھر بعد حضرت علی کے محمد بن حنفیہ میں پھر اُنکے بیٹے ابوہاشم عبداللہ

بن محمد میں اور پھر بعد ابو ہاشم کے بنان بن سمعان میں یعنے خود اُسکی ذات میں اور اللہ تعالےٰ انسان کی صورت پر ہے۔ اور سب کچھ اُسکا ہلاک ہے مگر منہ بدلیل ظاہر آیت کل شئ ھالک الا وجھہ۔

۵- جناحیہ یہ عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ جعفر ذوالجناحین بن ابوطالب کے متبع ہیں۔ وہ تناسخ ارواح کا قایل تھا اور ایک عقیدہ اُسکا یہ بھی تھا کہ روح الٰہی انبیا میں دائر سائر ہے۔ پھر حضرت علی میں پھر امام حسن و حسین و محمد بن حنفیہ اولاد حضرت علی میں دائر ہے پھر اُسکے اندر آئی۔ اسی لئے اُس نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ اللہ ہے اور علم اُسکے دل میں یوں اُگتا ہے جیسے زمین سے پھول نبوت کا اور امامت بھی اسی ترتیب سے ظہور میں آئی ہے۔ کیونکہ نبوت اور امامت کے معنے اُسکے نزدیک یہی تھے کہ روح الٰہی بدن انسانی میں حلول کرے اس فرقہ کا مذہب یہ ہے کہ شراب و مردار و نکاح محارم و زنا حلال ہے۔ انکا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن میں جو تحریم مردار و خون و گوشت خوک کی آئی ہے۔ یہ کنایہ ہے ایک قوم سے جنکا بغض لازم ہے جیسے حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و معاویہ اور جس قدر فرائض ما مور بہا قرآن میں آئے ہیں وہ کنایہ ہے اُن لوگوں سے جنکی دوستی لازم ہے جیسے حضرت علی و حسن و حسین اور اُن کی اولاد۔ یہ قیامت کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ عبداللہ ملک اصفہان میں کسی پہاڑ کے اندر زندہ موجود ہے عنقریب نکلنے والا ہے۔

۶- منصوریہ یہ ابو منصور عجلی کے پیرو ہیں۔ یہ شخص ابتدا میں امام جعفر صادق بن محمد باقر کا معتقد تھا جب انہوں نے اپنے پاس سے علیحدہ کر دیا تو اس نے یہ دعویٰ کیا کہ بعد امام محمد باقر کے امامت اُسکی طرف منتقل ہوئی ہے اور وہ بعد اس انتقال امامت کے آسمان پر گیا اور معبود نے اُسکے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا اے بیٹے پہونچا دے میری طرف سے یہ آیت

سلہ ملل و نحل میں بنان ہے بنون۔ اور صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان لفظ میں بائے موحدہ کے بعد نون ہے چنانچہ تعریفات میں بھی یونہی ہے۔

وَاِن یَّرَوْا کِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا یَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْکُوْمٌ ۔ یعنے اگر دیکھیں ایک تختہ آسمان سے گرتا تو کہیں یہ بدلی ہے گاڑہی ۔ اُسکے زعم میں کسف ساقطا من السماء سے مراد اسکی ذات تہی ۔ اور امامت کے دعوے سے قبل کہتا تہا کہ کسف مذکور سے مراد حضرت علی بن ابی طالب ہیں ۔ اور قائل تہا اسبات کا کہ رسول قیامت تک مبعوث ہوتے رہینگے ۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم نہیں ہوئی ہے ۔ اور ایک عقیدہ یہ تہا کہ جنت سے مراد وہ آدمی ہے جسکی دوستی واجب ہے اور وہ امام ہے جیسے حضرت علی ابن ابی طالب اور اُنکی اولاد ۔ اور دوزخ سے مراد وہ آدمی ہے جسکی دشمنی واجب ہے جیسے حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و معاویہ ۔ اسی طرح کہتا تہا کہ قران میں فرائض سے حضرت علی اور اُنکی اولاد مراد ہے اور محرمات سے حضرت ابوبکر وغیرہ مقصود ہیں اور اس تاویل سے مقصد اسکا یہ تہا کہ جو کوئی امام تک پہونچ جاتا ہے اُس سے ساری تکالیف شرعیہ اُٹھ جاتی ہیں بے قید ہوجاتا ہے ۔

۷۔ خطابیہ

یہ لوگ ابوالخطاب محمد بن ابو زینب اسدی الاجدع کے تابعین میں سے ہیں ۔ یہ شخص بہی ابتداءً امام جعفر کا معتقد تہا جب اُنکو معلوم ہوا کہ میرے حق میں اسکو غلو ہے تو اپنے ہاں سے نکالدیا اُسوقت اُس نے دعوے امامت کیا یہ شبہہ ہی تہا ۔ اسکے تابع پچاس فرقے ہیں سب کا اسبات پر اتفاق ہے کہ ائمہ جیسے حضرت علی اور اُنکی اولاد یہ سب انبیا ہیں ۔ اور ہر امت کے لئے دو رسول ہونا ضرور ہے ایک ناطق دوسرا صامت سو محمد صلے اللہ علیہ وسلم نبی ناطق تھے اور حضرت علی نبی صامت ہیں ۔ اور امام جعفر صادق بن محمد باقر نبی تھے پہر انتقال نبوت کا ابوالخطاب کی طرف ہوگیا ۔ بلکہ خطابیہ کو یہانتک غلو ہے کہ انکے نزدیک ائمہ اللہ ہیں اور امام حسن و حسین ابن اللہ ہیں اور امام جعفر صادق ہی اللہ ہے اور وہ یہ نہیں جنہیں لوگ دیکھتے ہیں ۔ بلکہ جب وہ اس عالم کیطرف نزول کرتے ہیں تو یہ انسانی صورت اختیار کر لیتے ہیں ۔ مگر ابوالخطاب جعفر صادق اور حضرت علی سے افضل ہے اور الٰہیت ایک نور ہے نبوت اور امامت سے اور جہان ان

انکار سے کبھی خالی نہیں رہتا ہے۔ انکا عقیدہ یہ ہے کہ ائمہ جانتے ہیں ان سب کاموں کو جو قیامت تک ہونے والے ہیں اور انکا زعم یہ ہے کہ امام جعفر بن محمد صادق نے اُنکے پاس ایک کھال امانت رکھی ہے جس کو جعفر کہتے ہیں اُس میں ہر شئے محتاج الیہ کا علم غیب اور قرآن کی تفسیر ہے ان کے اعتقاد میں اس آیت میں ان اللہ یأمرکم ان تذبحوا بقرۃ یعنے اللہ فرماتا ہے تمکو کہ ذبح کرو ایک گائے۔ بقرہ سے مراد ام المؤمنین عائشہ ہیں۔ اور خمر (شراب) و میسر^ط^ سے مراد حضرت ابوبکر و عمر ہیں۔ اور جبت و طاغوت^ط^ سے مراد معاویہ بن ابو سفیان و عمرو بن العاص ہیں۔ ابو الخطاب ہمیشہ اپنے پیرؤوں کو سمجھایا کرتا تھا کہ جھوٹی گواہی دینا اپنے موافقین کے لئے جائز ہے۔ اسی لئے کتب فقہ میں لکھا ہے کہ خطابیہ کی گواہی نامقبول ہے۔ اور ابو الخطاب کے مقتول ہونیکے بعد اُسکے اصحاب کئی فرقے ہوگئے۔ ایک فریق نے معمر کی اتباع اختیار کی اور دوسرے نے بزیغ بن یونس کی۔ یہ شخص جلاہہ تھا اور زنبیر^ط^ نے عمرو بن بیان عجلی کی۔ اور بعض نے مفضل صرفی کی۔ اور بعض نے سریغ کی۔

معمریہ۔ کے زعم میں ابو الخطاب کے بعد معمر نبی ہے جو خاتم الانبیا ہے اور انکا عقیدہ یہ ہے کہ دنیا فنا نہ ہوگی۔ جنت یہی بہتری بھلائی دنیا کی ہے جو انسان کو پہونچتی ہے۔ اور دوزخ اسکی ضد ہے۔ انکے نزدیک شراب پینا زنا کرنا اور تمام برے کام حلال و مباح ہیں۔ انکا مذہب ترک نماز ہے۔ یہ قایل ہیں تناسخ کے۔ کہتے ہیں کہ لوگ مرتے نہیں ہیں بلکہ انکی روحیں انکے غیر میں چلی جاتی ہیں۔

بزیغیہ کا یہ قول ہے امام جعفر بن محمد خدا ہیں اور جن کو یہ لوگ دیکھتے ہیں یہ وہ نہیں ہیں۔ لوگوں کو انکی شبیہ معلوم ہوتی ہے۔ اور دوسرے آئمہ خدا نہیں مگر وحی انکی طرف ہوتی ہے اور معراج اونکو تک پہونچا سکے لئے حاصل تھا بلکہ انکے عقیدے میں ہر مومن کو وحی آتی ہے کہتے ہیں کہ اصحاب

ط میسر بفتح میم و کسر سین مہملہ قمار۔ جوا۔ جوا کھیلنا ۱۲ ط جبت بُت اور سفال گو اور جادو اور جادوگر اور معبود باطل اور ظاہر یہ ہے کہ جبت شیطان ہے اور طاغوت بضم طین حجمہ گمراہیوں کا مقتدا اور بُت اور معبود باطل ۱۲ ط دیکھو تاریخ ابو زید بلخی ۱۲

بزیغیہ بھی ایسے لوگ ہی ہیں جو جبرئیل و میکائیل سے بہتر ہیں انکو زعم یہ ہے کہ بزیغ کے معتقد مرتے نہیں ہیں بلکہ انکو عالم ملکوت پر پہونچایا جاتا ہے اور تعلیقہ میں لکھا ہے کہ بزیغیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ ہم اپنے مردوں کو صبح وشام دیکھتے ہیں۔

عمریہ کے اقوال مثل اقوال بزیغیہ کے ہیں۔ اتنی بات میں باہم مخالف ہیں کہ انکا عقیدہ یہ ہے کہ لوگ مرتے ہیں اور یہ لوگ ایک خیمہ کناسہ[1] کوفہ پر کھڑا کر کے وہاں جمع ہو کر عبادت امام جعفر صادق کی کرتے تھے جب یہ خبر یزید بن عمیر کو پہونچی تو اس نے عمرو بن بیان کو اسی کناسۂ کوفہ پر سولی دیدی اور تاریخ ابو زید بلخی میں مذکور ہے کہ انکو بیانیہ بھی کہتے ہیں اور یہ فرقہ بیان کی نبوت کا قائل ہے اور کہتے ہیں کہ قرآن میں جو آیا ہے ھذا بیان للناس یعنے یہ بیان ہے لوگوں کے لئے اس سے ہمارے پیشوا کی ذات مراد ہے۔ اور چونکہ عمرو بن بیان تناسخ اور رجعت کا قائل تھا اسلئے خالد بن عبد اللہ قسری نے اسکو قتل کردیا۔

مفضلیہ۔ کا عقیدہ یہ تہا کہ جناب امیر کو حق تعالےٰ کے ساتھ وہ نسبت ہے جو مسیح کو حق تعالےٰ کے ساتھ نسبت ہے۔ یعنے لاہوت ناسوت کے ساتھ ملکر ایک چیز ہو گئے اور رسالت منقطع نہیں ہوتی بلکہ جسکو عالم لاہوت کے ساتھ اتحاد حاصل ہو گیا وہ نبی ہے اور اگر ارشاد خلق اور ہدایت گمراہاں پیشہ کرلیا تو رسول ہے اسی وجہ سے ان لوگوں میں بہت سے آدمی نبوت و رسالت کے مدعی گذرے ہیں اور مفضلیہ کہتے تھے کہ امام جعفر بن محمد خدا ہیں اسپر جعفر نے انکو مطرود و ملعون کردیا۔

فائدہ۔ مرتبہ ذات الٰہی کو عالم لاہوت کہتے ہیں اس مقام میں سالک کو فنا فی اللہ حاصل ہو جاتی ہے اور مرتبہ صفات الٰہی کو جبروت کہتے ہیں اور مرتبہ اسما الٰہی کو ملکوت کہا کرتے ہیں اور ناسوت نام ہے عالم اجسام یعنے دنیا اور اس جہان کا۔

سریغیہ (بفتح سین مہملہ وکسر رائے مہملہ وغین معجمہ) انکا عقیدہ بہی مفضلیہ کیطرح ہے مگر فرق اسقدر ہے کہ یہ پانچ شخصوں کی نسبت قائل ہیں کہ لاہوت نے ناسوت میں حلول کیا ہے۔ ایک محمد صلے اللہ علیہ وسلم دوسرے عباس بن عبد المطلب تیسرے حضرت علی بن ابی طالب چوتھے جعفر بن ابی طالب پانچویں عقیل بن ابی طالب۔

[1] کناسہ یعنے بضم کاف کوفہ میں ایک مقام کا نام ہے ۱۲ منتہی الارب۔

غرابیہ۔ غراب زبان عرب میں کوّے کو کہتے ہیں کہ حضرت علی کو محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے صورت میں بہت مشابہت ہے جو ایک کوّے کو دوسرے کوّے سے مشابہت ہوتی ہے۔ اُس سے بھی زیادہ یہ دونوں باہم مشابہ ہیں۔ اسی وجہ سے جبرئیل چوک گئے اللہ نے انکو پاس حضرت علی بن ابیطالب کے بھیجا تھا وہ امتیاز نہ کر سکے اور پاس محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے چلے گئے انکے شاعر کا قول ہے ع غلط الامین فجازها عن حیدرہ

ے جبرئیل کہ آمد زبر خالق بیچوں ؛ در پیش محمد شد و مقصود علی بود ؛ پس یہ لوگ اپنی اصطلاح میں جبرئیل علیہ السلام کو صاحب الریش کہتے ہیں اور انپر لعنت کرتے ہیں۔

ذبابیہ ۔ انکا یہ اعتقاد ہے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم نبی ہیں اور حضرت علی خدا ہیں اور کہتے ہیں ان دونوں نبی اور خدا میں بہت مشابہت تھی اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم حضرت علی سے اسطرح مشابہ تھے جیسے مکھی سے مکھی مشابہ ہوتی ہے۔ عربی میں ذباب مکھی کو کہتے ہیں اسی لئے یہ لوگ ذبابیہ کہلاتے ہیں۔ یہ بھی حقیقت میں غرابیہ کی ایک شاخ ہیں کہ اُس عقیدے سے اس عقیدے کی جانب متوجہ ہو گئے۔

ذمیہ (بفتح ذال معجمہ) انکا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب اللہ ہیں اور یہ لوگ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی مذمت کرتے تھے اس زعم پر کہ حضرت علی نے انکو اسلئے بھیجا تھا کہ حضرت علی کے مددگار سربراہ کار رہیں اور لوگوں کو حضرت علی کیطرف بلائیں لیکن محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے دعوٰے نبوت کا کیا اور لوگوں کو اپنی طرف بلانے لگے اور حضرت علی کو اسطرح پر راضی کردیا کہ اپنی بیٹی انکو بیاہ دی اور یہ کئی فرقے ہو گئے ہیں۔ انہیں سے

علیائیہ ہیں۔ اتباع علیا بن ذراع الدوسی یا اسدی کے وہ حضرت علی کی الوہیت کا قائل تھا اور حضرت علی کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے افضل بتاتا تھا اور یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ آنحضرت نے حضرت علی کے ساتھ بیعت کی تھی اور انکی متابعت اختیار کرلی تھی۔

بعض علیائیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی دونوں خدا تھے لیکن انکے بھی دو فریق ہو گئے۔ بعضے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

کو الٰہیت میں مقدم رکھتے ہیں اور بعض حضرت علی کو۔ ان دونوں گروہ کا نام شینیہ اثنینیہ ہے کیونکہ یہ آنحضرت کی مذمت نہیں کرتے جس طرح ذمیہ کرتے ہیں بلکہ حضرت علی و محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو خدائی میں شریک جانتے ہیں اور بعض انہیں سے پنجتن یعنے محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی اور بی بی فاطمہ اور امام حسن اور امام حسین کو اللہ کہتے ہیں یہ بھی انکا قول ہے کہ یہ پانچوں ایک شے ہیں۔ ان سب میں یکساں روح اُترتی ہے ایک کو دوسرے پر کچھ فضل نہیں ہے انکا نام خمسیہ اور مخمسہ ہے۔ یہ لوگ بی بی فاطمہ کو ہمیشہ فاطم کہا کرتے تھے۔ علامت تانیث سے احتراز رکھتے تھے۔ انکے شاعر کا قول ہے ؎

توليت بعد الله في الدين خمسة   نبيًا وسبطيه وشيخا وفاطما

اور تعلیقہ میں لکھا ہے کہ مخمسہ کا عقیدہ یہ ہے کہ سلمان اور ابوذر اور مقداد اور عمار اور عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہم اللہ کیطرف سے مصالح عالم کے موکل ہیں اور توضیح المقال فی علم الرجال میں فرقہ علیائیہ کا نام علیاویہ لکھا ہے اور کہا ہے رئیس انکا بشار شعیری ہے اور اختیار سے نقل کیا ہے کہ علیاویہ کا عقیدہ ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ رب ہیں جو خاندان علوی ہاشمی میں پیدا ہوئے اور ظاہر یہ کیا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور اسکی طرف سے اسکا دوست ہوں اور اللہ کا رسول ہوں محمدیہ طریق میں اور بشار نے اصحاب ابوالخطاب کے ساتھ چار شخصوں میں موافقت کی ہے (۱) حضرت علی (۲) بی بی فاطمہ (۳) امام حسن (۴) امام حسین رضی اللہ عنہم اور اشخاص ثلثہ یعنے بی بی صاحبہ اور حسنین کے معنے تخلیط ہیں یعنے حقیقت انکی ایک ہی ہے چار جامے و عنوان میں ظہور کیا ہے اور وہ حقیقت صرف وجود حضرت علی ہے اسلئے کہ یہی ان سب اشخاص میں صاحب امامت ہیں۔ اور کہا محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا کوئی مخصوص وجود نہیں ہے بلکہ وہ حضرت علی کے بندے ہیں اور حضرت علی رب ہیں اور اُنھوں نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح پانچواں مانا ہے جیسا کہ فرقہ مخمسہ نے سلمان کو پانچواں قرار دیا ہے اور انکو رسول محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا گردانا ہے۔ اور علیاویہ نے اُن لوگوں کے ساتھ اباحت اور تعطیل اور تناسخ میں موافقت کی ہے اور علیاویہ کا نام مخمسہ نے علیائیہ رکھا ہے اس وجہ سے کہ اُنھوں نے یہ خیال کیا ہے کہ جب بشار شعیری نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی ربوبیت

انکار کیا اور حضرت علی کو رب قرار دیا اور محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو حضرت علی کا بندہ مانا اور سلمان کی رسالت کا انکار کیا تو وہ مسخ ہو کر ایک پرند بنگیا جسے علیا کہتے ہیں اور عیا میں رہتا ہے پس جو اسکے متبع ہیں انکو علیائیہ کہنے لگے اور عجب یہ ہے کہ منتہی المقال میں لکھا ہے کہ مخمسہ کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت علی رب ہیں اور توضیح المقال میں یہ بھی نقل کیا ہے کہ خطابیہ اور مخمسہ اور علیاویہ کا یہ عقیدہ ہے کہ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی آل میں سے ہوں تو وہ مبطل ہے اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے حق میں یہود و نصاریٰ کا لفظ قرآن کی اس آیت میں آیا ہے قالت الیھود والنصاریٰ نحن ابناء اللہ واحباءہ قل فلم یعذبکم بذنوبکم بل انتم بشر ممن خلق۔ یعنے کہتے ہیں یہود و نصاریٰ ہم بیٹے ہیں اللہ کے اور اُسکے پیارے۔ تو کہہ پھر کیوں عذاب کرتا ہے تمہارے گناہوں پر بلکہ تم بھی ایک انسان ہو اسکی پیدائش میں سے۔ کیونکہ خطابیہ و مخمسہ کے نزدیک محمد صلے اللہ علیہ وسلم رب ہیں اور علیاویہ کے نزدیک علی رضی اللہ عنہ۔ اور خدا سے نہ اولاد پیدا ہوتی ہے اور نہ وہ خود کسی سے پیدا ہوتا ہے لم یلد ولم یولد اسکی شان ہے۔ اور یہ لوگ بشر ہیں تو پھر محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی کی آل و اولاد کیسے بن سکتے ہیں اسلئے جو ایسا دعوےٰ کرتے ہیں وہ کاذب ہیں یہود و نصاریٰ کی طرح جو اسبات کے مدعی ہیں کہ ہم خدا کی اولاد ہیں۔

اموریہ۔ انکا عقیدہ یہ ہے کہ جناب امیر آنحضرت کی نبوت و رسالت میں شریک تھے۔

غمامیہ انکا نام ربیعیہ بھی ہے انکا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مکان اصلی آسمان ہے اور وہ موسم بہار میں پردہ ابر کے اندر ہو کر واسطے سیر گلزار اور باغ و بہار کے زمین کیطرف نزول کرتا ہے اور دنیا کا طواف کرتا ہے۔ پھر آسمان پر چڑھ جاتا ہے۔ پھل پھول میوہ غلہ اور سبزہ یہ سب اثر بہار اُسی کی وجہ سے ہوتا ہے اور انکا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ کے لئے کوئی جہت نہیں کبھی اوپر کبھی تلے پھرتا رہتا ہے اس فرقہ کا ظہور سنہ ۱۲۵ ہجری میں ہوا تھا

۱۳- زرامیہ یہ لوگ رزام بن سابق کے اصحاب ہیں انکا یہ عقیدہ تھا کہ امامت بعد حضرت علی ابن ابی طالب کے محمد بن حنفیہ کیطرف منتقل ہوئی پھر اُنکے بیٹے ابو ہاشم عبداللہ کیطرف

پھر علی بن عبداللہ بن عباس کیطرف ابوہاشم کی وصیت سے آئی پھر انکے بیٹے محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کیطرف محمد نے اُسکی وصیت اپنے پسر ابوالعباس کو کی جو سفاح کے لقب سے مشہور تھا۔ اور مروان بن محمد بن مروان بن حکم بن ابوالعاص بن امیہ پر جس کو مروان حمار کہتے تھے اور خلفائے بنی امیہ میں سے اخیر خلیفہ تھا۔ فتح پاکر بادشاہ ہوا۔ اور چار برس کچھ زیادہ سلطنت کرکے مرگیا۔ اُسکے بعد بھائی اُسکا ابوجعفر منصور جو بسبب بخل کے دوانیقی مشہور تھا سفاح کی وصیت سے امام ہوا۔ اور رزامیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ ابومسلم ساکن مرو میں جو عباسیہ کیطرف سے داعی تھا اللہ تعالیٰ نے حلول کیا ہے اسی وجہ سے انکا غلاۃ میں شمار ہوتا ہے اور باوجودیکہ ابوجعفر نے ابومسلم کو دغا سے قتل کیا تھا مگر رزامیہ کا یہ زعم ہے کہ وہ مارا نہیں گیا ہے اور یہ لوگ محرمات کو حلال جانتے تھے اور فرائض کو چھوڑ دیا تھا۔

۱۴۔ راوندیہ۔ یہ ایک قوم ہے اہل خراسان سے کہ ابومسلم خراسانی کے مذہب میں جو عباسیہ کیطرف سے داعی اور انکی سلطنت کا بانی تھا۔ یہ لوگ حرب بن عبداللہ راوندی ایک سپہ سالار منصور کیطرف منسوب ہیں اور تناسخ کے قائل ہیں۔ چنانچہ عقیدہ انکا یہ ہے کہ آدم کی روح عثمان بن نہیک میں داخل ہوئی تھی اور کہتے تھے کہ رب ہمارا جو کھانے پینے کو پہونچاتا ہے ابوجعفر منصور بن عبداللہ سفاح بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس ہے جو خلفائے عباسیہ میں سے دوسرا خلیفہ تھا۔ جبکہ یہ بات اُنھوں نے ظاہر کی اور منصور کے محل کے پاس آئے اور کہا کہ یہ قصر ہمارے رب کا ہے تو منصور نے انکے سرداروں کو جو دو سو تھے قید کردیا۔ اسپر اُنھوں نے منصور سے آزردہ ہوکر بغاوت کی اور منصور سے لڑے مگر آخرکار شکست پائی اور مارے گئے یہ واقعہ ۱۴۱ھ ہجری میں ہوا۔ اور منصور کا دارالخلافہ اُسوقت تک شہر ہاشمیہ تھا جو نواح کوفہ میں اُسکے بھائی نے آباد کیا تھا۔

۱۵۔ بسلمیہ۔ یہ منجملہ راوندیہ کے ہیں انکا اعتقاد یہ ہے کہ امامت بعد رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے حضرت علی و امام حسن و حسین اور محمد بن حنفیہ میں آئی پھر ابوہاشم عبداللہ بن حنفیہ

میں پہران سے منتقل ہوکر علی بن عبداللہ بن عباس میں بطور وصیت کے آئی پھر ابوالعباس سفاح میں پھر ابومسلم صاحب دعوت بنی عباس میں۔

حکایت ناحیہ کش ضلع ماوراءالنہر میں ایک شخص نے اہل مرو سے جو آنکھ سے کانا تہا اور اسکو ہاشم کہتے تہے یہ دعویٰ کیا کہ اللہ کی روح ابومسلم میں منتقل ہوکر آئی ہے پہر ابومسلم سے اُسکے اندر منتقل ہو گئی ہے۔ یہ دعوت اُس یک چشم کی اُس علاقہ میں پھیل گئی۔ وہ اپنے اصحاب سے پردہ کرتا تہا۔ اور اپنے لئے ایک مُنہ اُس نے سونے کا بنایا تہا اسلئے مقنع کہلانے لگا۔ اُسکے یاروں نے چاہا کہ اُسکو دیکہیں اُن سے وعدہ کیا کہ میں آپ کو تمہیں دکھاؤنگا اگر تم جل نہ جاؤ اور اپنے سامنے ایک آتشی شیشہ جلانے والا رکھا جسپر سورج کی دہوپ پڑتی تہی۔ جب بعض معتقد اُسکے اندر آئے جل گئے باقی پہر گئے اور فتنے میں پڑ گئے۔ اور معتقد ہو گئے۔ کہ وہ خدا ہے۔ اسکو آنکہیں نہیں دیکہ سکتی ہیں لیئے جنگ و حرب میں اسکو اللہ کہکر پکارتے تہے۔

۱۶۔ **نصیریہ**۔ تعلیقہ میں مذکور ہے کہ یہ لوگ محمد بن نصیر فہری کے متبع ہیں انکا قول ہے کہ رب علی بن محمد عسکری ہے اور محمد بن نصیر علی بن محمد کی طرف سے نبی ہے اُنہوں نے محارم کو حلال کر دیا تہا۔ اور جن عورات کے ساتہ نکاح ناجائز ہے اُنکے ساتہ نکاح جائز کر دیا تہا۔ اور کشی میں مذکور ہے کہ نصیریہ ایک فرقہ ہے جو محمد بن نصیر فہری نمیری کی نبوت کا قایل ہے۔ اور غضائری میں ہے کہ محمد بن نصیر کیطرف فرقہ نصیریہ منسوب ہے، اور خلاصہ میں بہی ہے کہ محمد بن نصیر فرقہ نصیریہ کا رئیس ہے اور اُسی سے یہ فرقہ فرع ہوا ہے۔ اُسی طرف یہ لوگ منسوب ہیں۔ اور منتہی المقال اور توضیح المقال میں لکہا ہے کہ فی الحال شیعہ کے عوام بلکہ اکثر خواص خصوصًا شعرا میں یہ بات مشہور ہے کہ جو حضرت علی کی ربوبیت کا قایل ہے وہ نصیری ہے۔ اور کتب اہل سنت میں بہی یہی مشہور ہے کہ نصیریہ کا اعتقاد یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت علی میں حلول کیا ہے یا اُنکے ساتہ متحد ہو گیا ہے۔ اور کہتے ہیں حضرت علی اور اُنکی اولاد چونکہ سب سے افضل ہیں اور مؤید ہیں ساتھ ایسی تائیدات کے کہ جو اسرار باطنی سے تعلق رکہتی ہیں۔ اسلئے

اللہ تعالیٰ پر ضرور ہوا کہ وہ انکی صورتوں میں ظہور کرے اور انکی زبان سے بات کہے۔ پس یہ لوگ ائمہ کو خدا اعتقاد کرتے ہیں اور دلیل اپنے قول پر یہ لاتے ہیں کہ نبی نے تو مشرکین کے ساتھ جنگ کی اور حضرت علی نے منافقین کے ساتھ۔ اس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر ظاہر حال پر حکم کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ باطن کو دیکھتا ہے۔

۱۷۔ اسحاقیہ۔ انکا یہ عقیدہ ہے کہ زمین پیغمبر سے کبھی خالی نہیں رہتی اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ائمہ کے ساتھ متحد ہو گیا ہے مگر انہیں باہم اس بات میں اختلاف ہے کہ حضرت علی کے بعد اللہ تعالیٰ کس سے متحد ہوا۔

۱۸۔ مقنعیہ۔ یہ متبع ہیں حکم بن ہاشم کے جسکا لقب مقنع تھا اور ۱۶۰ھ ہجری میں ظہور کیا یہ آدمی نہایت عقیل فیلسوف وقت تھا اور ہر ایک صنعت سے واقف تھا خاصکر علم بلاغت و فن شعبدہ و حیل و طلسمات و سحر و نیرنجات اور اکثر علوم فلاسفہ میں ید طولےٰ رکھتا تھا۔ اور عجیب و غریب چیزیں ایجاد کرتا تھا۔ یہانتک کہ شہر نخشب میں جو ملک ماوراء النہر میں سمرقند سے تین منزل پر واقع ہے اور اہل عرب اُسکو معرب کرکے نسف کہا کرتے ہیں ایک کنواں تیار کیا تھا۔ شہر سے چھ میل کے فاصلہ پر کوہ سیام کے دامن میں اور اُس کنوئیں کے اندر ایک چاند سحر و شعبدہ کے ساتھ پارے اور اَور چیزوں سے بنایا تھا۔ یہ چاند مغرب کے وقت اُس کنوئیں سے نکلتا اور رات بھر روشن رہتا اور اسکی روشنی پندرہ میل تک پہونچتی تھی۔ طلوع فجر سے قبل غائب ہو جاتا تھا۔ دو مہینے تک برابر اسی طرح یہ چاند طلوع و غروب کرتا رہا۔ مقنع اپنے آپکو خدا بتاتا تھا۔ اور اُسکے اصحاب اس دعوےٰ میں اُسکی تصدیق کرتے تھے جب اُس نے بہت زور باندھا تو مہدی محمد بن منصور خلیفہ بغداد و امرائے خراسان و سرداران ماوراء النہر نے بڑا بھاری لشکر اُسپر بھیجا مقنع کو شکست ہوئی۔ ایک قلعہ میں اپنے اصحاب کے ساتھ متحصن ہو گیا۔ اور جب محاصرہ سے تنگ آگیا تو بہت سی آگ جلوائی اور اپنے معتقدوں کو خوب ہی شراب پلائی جب وہ نشہ میں مدہوش ہو گئے تو سب کو آگ کر جلا دیا اور راکھ سب کی اُڑا دی۔ پھر آپ ایک برتن میں تیزاب بھر کر اُس میں بیٹھ گیا۔ تیزاب کی تاثیر سے وہ بھی

پانی ہوگیا۔ محاصرین کو ابھی تک یہ خیال تھا کہ سب محصورین قلعہ میں موجود ہیں ایک عورت اُس قلعہ میں بیماری کی وجہ سے ایک کونے میں پڑی ہوئی تھی وہ بچ گئی تھی جب سے افاقہ ہوا تو قلعہ میں تنہائی کی وجہ سے گھبرائی اور دیوار پر چڑھکر پکاری کہ قلعہ میں سوائے میرے کوئی نہیں ہے۔ لوگ اوپر چڑھ گئے اور کواڑ کھولدئے لشکر داخل ہوا دیکھا تو واقعی قلعہ کو خالی پایا۔ مقنع کے بعضے معتقد جو پہلی ہی لڑائیوں میں اُس سے علیحدہ ہوگئے تھے تاسف کرنے لگے کہ فی الحقیقت وہ خدا تھا۔ ہم ساتھ نہ ہوئے۔ ورنہ اُسکے ساتھ آسمان پر چڑھ جاتے۔ وہ عورت اگرچہ مرض میں بیہوش تھی مگر کبھی کبھی آواز وغل سنکر کچھ کچھ حالات سے مطلع ہوجاتی تھی۔ اُس نے یہ ساری کیفیت بیان کی۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ مقنع کے معتقدوں کا یہ عقیدہ ہے کہ امام حسن کے بعد وہ خدا ہے اور خدا چار بتاتے ہیں۔ جو تھا خدا مقنع کو کہتے ہیں مقنعیہ اگرچہ اسماعیلی تھے مگر اس وجہ سے کہ مقنع کی الوہیت کی تصدیق کی غلاۃ میں شمار ہوتے ہیں۔ اور بعض زرامیہ بھی مقنع کی الوہیت کے قائل ہوگئے تھے مقنع اگر الوہیت کا مدعی نہ ہوتا تو اسکا شمار اسماعیلیہ میں ہوتا۔ کیونکہ فی الحقیقت یہ اسماعیلی تھا اور برملا مذہب تشیع کا اظہار کرتا تھا۔

کیسانیہ

واضح ہو کہ کیسانیہ منسوب ہیں کیسانؑ کیطرف کہ حسب تحقیق صاحب صحاح وقاموس وغیرہ اہل لغت

ؔ کیسان نام شخصے از چیلہائے سبط اکبر حسن مجتبیٰ بود (از تحفہ اثنا عشری) اور ملل ونحل میں ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا غلام تھا منتہی المقال فی احوال الرجال میں کئی کتابوں سے نقل کیا ہے کہ اصبغ بن نباتہ سے مروی ہے کہ ایکبار میں نے مختار کو کہ وہ بچہ تھا حضرت علی کی ران پر بیٹھے دیکھا اور آپ اسکے سر پر ہاتھ پھیر پھیر کر فرماتے تھے یا کیس یا کیس اور تعلیقہ میں بھی ایسا ہی ہے اور کیس جیسکے وزن پر زیرک کے معنے ہیں اور کشی نے مختار کے ذکر میں کہا ہے کہ اسکا لقب کیسان اسلئے مشہور ہوا کہ اُسکے کوتوال ابو عمرہ کا نام تھا مختار کو بھی اسکی وجہ سے کیسان کہنے لگے اور بعض کہتے ہیں کیسان حضرت علی کے غلام کا نام تھا اُس نے مختار کو حضرت امام حسینؑ کے خون کا بدلہ لینے کو آمادہ کیا تھا اسلئے مختار بھی کیسان مشہور ہوگیا۔ ۱۲

نام ہے مختار بن ابو عبید ثقفی کا جو واسطے بدلہ لینے حسین علیہ السلام کے کھڑا ہوا تھا۔
مگر ارباب تواریخ کی یہ رائے ہے کہ کیسان حضرت علی بن ابی طالب کا غلام تہا امام
موصوف کی وفات کے بعد محمد بن حنفیہ کی رفاقت میں رہا۔ اور علوم غریبہ اُن سے
حاصل کئے اور یہ کل سات فرقے ہیں۔ انہیں قدر مشترک محمد بن حنفیہ کی امامت کا
قائل ہونا ہے یہ محمد حضرت علی مرتضےٰ کے بیٹے ہیں۔ ابن حنفیہ اسلئے کہلاتے ہیں
کہ انکی ماں ایک عورت سیاہ فام خولہ بنت جعفر نام قوم بنی حنیفہ سے تہیں ۶۹
سال کی عمر پائی۔ ۸۱ھ ہجری میں انتقال کیا۔

ایک کیسانیہ۔ جو منسوب ہیں کیسان مذکور کیطرف یہ شخص امام حسینؑ کی شہادت
کے بعد بہت سے مسلمانوں کو موافق کرکے واسطے بدلہ لینے امام حسینؑ کے کھڑا ہوا
مگر دشمنوں پر کامیاب نہ ہوا۔ آخر کار مارا گیا۔ یہ کیسان اور اسکے مرید امام حسن کی امامت
کے منکر تھے۔ انکا یہ عقیدہ تہا کہ امام بعد جناب امیر کے محمد بن حنفیہ ہیں اسلئے کہ جناب
امیر نے جنگ جمل و صفین میں نشان انہیں کے ہاتھ میں دیا تہا اور امام حسن نے
معاویہ سے صلح کرلی تہی تو امامت کی لیاقت سے خارج ہوگئے تھے اور امام حسین
نے صلح کے باب میں بھائی کی پیروی کی تو وہ بہی امامت کی لائق اسکے نزدیک نہ رہے
تھے۔ اس فرقہ کا ظہور ۶۱ھ ہجری میں ہوا تہا۔

دوسرے مختاریہ۔ یہ لوگ مختار بن ابو عبید بن مسعود ثقفی کے اتباع ہیں
جسکو بعد قتل کیسان کے اسکے پیروؤں نے رئیس بنایا تہا۔ یہ ۶۶ھ ہجری میں واسطے
بدلہ لینے حسین علیہ السلام کے کھڑا ہوا اور کوفہ پر غالب آیا اور جم غفیر نے کتاب اللہ
اور سنت رسول اللہ اور طلب انتقام خون امام ہمام پر مختار کے ساتھ بیعت کی تہی
اور اُس نے شمر ذی الجوشن اور خولی اصبحی جس نے سر امام حسینؑ کا بدن سے جدا
کیا تہا اور عمرو بن سعد بن ابی وقاص کو کہ منجملہ مقاتلین امام ہمام کے تہا اور ابن عمر
اور عبید اللہ بن زیاد حاکم عراق کو بہی بہت سے کشت و خون کے بعد قتل کیا اور
مفتاح التواریخ میں مذکور ہے کہ واقعہ مختار میں ملک شام کے ستر ہزار آدمی کام آئے۔

اور سبھی نے رسم ماتم عاشورا و نوحہ و شیون کی جاری کی ہے۔ تا کہ شیعہ میری جانبداری میں کوتاہی نہ کریں اور ایک کرسی کی تعظیم و تکریم کرانے لگا۔ کہتا تہا کہ یہ کرسی جناب امیر کی ہے اور نام اسکا تابوت سکینہ رکھا۔ تواریخ میں لکہا ہے کہ یہ کرسی طفیل بن جعدہ ایک روغن فروش کی دوکان سے اُٹھا لایا تہا امیر المومنین کی نہ تہی پہر کہنے لگا مجہے علم غیب ہے اور جبرئیل میرے پاس آتے ہیں ان بدعات کی وجہ سے ۶۷ھ ہجری میں مصعب برادر عبد اللہ بن زبیر کے ہاتہہ سے جو امام حسینؑ کے داماد اور بی بی سکینہ دختر امام شہید کے شوہر تھے کوفہ میں شکست پاکر مارا گیا اور ترمذی نے عبد اللہ بن عمر سے جو روایت کی ہے کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے فی ثقیف کذاب و مبیر یعنے قوم ثقیف میں ایک بڑا جہوٹا اور ایک مفسد و ہلاکو ہوگا۔ اسی طرح ابو نوفل معاویہ مسلم تابعی سے مسلم نے جو روایت کی ہے کہ جب حجاج نے عبد اللہ بن زبیر کو سولی دی تو اسمار انکی والدہ نے کہا کہ آنحضرت نے ہم سے بیان فرمایا تہا ان فی ثقیف کذابا و مبیرا سو علمار کذاب کو اسی مختار پر اور مبیر کو حجاج بن یوسف پر حمل کرتے ہیں مختار اگرچہ صاحب علم و فضل تہا مگر صحابی نہ تہا۔ ہاں اسکا باپ جلیل القدر صحابیوں میں سے تہا اور پہلے مختار اہلبیت رسالت سے نہایت دشمنی رکہتا تہا یہاں تک کہ انکی عداوت میں مشہور تہا اور بعد از شہادت امام حسینؑ اظہار محبت کیا۔ اور یہ سب واسطے طلب دنیا اور طلب امارت کے تہا چنانچہ ملل و نحل میں شہرستانی کہتا ہے کہ مختار پہلے خارجی تہا پہر زبیری بنا پہر شیعی اور کیسانی ہوگیا۔ فقط مختصر مختار اور اسکے اتباع جناب امیر کے بعد بلا فاصلہ محمد بن حنفیہ کو امام جانتے تہے۔ اور بعض نے لکہا ہے کہ مختاریہ امام حسن اور امام حسین کی بہی امامت کے مقر تھے اور کہتے تہے کہ امام حسین کے بعد کار امامت محمد بن حنفیہ سے متعلق ہوگیا ہے۔ مختاریہ وہی لوگ تھے جنہیں کیسانیہ کہا کرتے تھے مختار نے انکا نام مختاریہ مقرر کر دیا تہا۔ جبکہ مختار مارا گیا اور لوگ اسکے افعال و اقوال پر نکتہ چینی کرنے لگے تو مختاریہ نے دوبارہ اپنے آپ کو کیسانیہ مشہور کر دیا۔ جب محمد بن حنفیہ نے انتقال کیا تو کیسانیہ امامت میں مختلف ہو گئے۔ اور بعض نے کہا رجوع کار امامت کا بعد انکے اولاد امام حسن و حسین کی طرف ہوگیا۔ بعض نے کہا کہ امامت ابو ہاشم عبد اللہ بن

محمد بن حنفیہ کی طرف منتقل ہو گئی۔

تیسرے کربیہ۔ اصحاب ابوکریب ضریر یہ لوگ حضرت علی مرتضیٰ کے بعد محمد بن حنفیہ کو امام مانتے ہیں اسلئے کہ انہوں نے نشان لشکر بصرہ میں انکو دیا تہا اس امر کو محمد بن حنفیہ کی امامت کو نص جانتے ہیں اور انکا زعم یہ ہے کہ محمد بن حنفیہ زندہ ہیں مرے نہیں۔ مدینہ کے پاس کوہ رضوی کے ایک درے میں اپنے چالیس اصحاب کے ساتہہ مخفی ہیں اور انکے پاس دو چشمے قدرت سے شہد و پانی کے جاری ہو گئے ہیں۔ امام منتظر و مہدی موعود وہی ہیں وہ ظہور کرینگے تو سارا عالم عدل و انصاف سے بہر جائیگا کثیر شاعر کہ انکا ایک شیعہ ہے کہتا ہے ؎

وسبط لا یذوق الموت حتی یقود الخیل یقدمہ اللواء

یغیب فلا یری فیہم زمانا برضوی عندہ عسل وماء

اور یہ لوگ اکثر جمعہ کی راتوں کو اس پہاڑ میں جمع ہوکر عبادت کیا کرتے تہے شیعوں میں سے پہلے جو شخص صاحب الزمان کے مخفی ہونے کا قایل ہوا ہے وہ یہی ابوکریب ہے کہ کہتا تہا کہ امام دشمنوں کے خوف سے چہپ گئے ہیں پہر ایک مدت کے بعد ظاہر ہونگے اور زمین کو عدل سے بہر دینگے۔ اور یہ بات پہر شیعوں میں رائج ہو گئی اور جو امام جن شیعوں کی مرضی کے موافق تہا وہ اسی کو صاحب الزمان جانکر دشمنوں کے خوف سے اسکے غائب ہو جانیکے مقر ہو گئے۔

چوتھے اسحاقیہ۔ یہ لوگ اسحاق بن عمر کے معتقد ہیں عقیدہ انکا یہ ہے کہ امامت نے بعد محمد بن حنفیہ کے انکے بیٹے ابوہاشم کی طرف انتقال کیا۔ ابوہاشم کے بعد انکی اولاد میں امامت کو منتقل جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہر ایک باپ اپنے بیٹے کے لئے وصیت کرتا گیا تہا۔

پانچویں حربیہ جو کندیہ کے لقب سے بہی ملقب ہیں۔ یہ لوگ عبداللہ بن حرب کندی کے پیرو ہیں جو اسحاقیہ میں سے ایک سرگردہ تہا اور ابوہاشم بن محمد بن حنیفہ کے بعد عبداللہ بن حرب کو امام جانتے ہیں کہ اسکی امامت کے لئے ابوہاشم نے وصیت کر دی تہی۔

چھٹے عباسیہ۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ابو ہاشم بن محمد حنفیہ کے بعد امامت حضرت علی بن ابی طالب کے گھرانے سے نکل گئی اور اولاد عباس عم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہوگئی۔ چنانچہ علی ابن عبد اللہ بن عباس کو امام بتانے لگے۔ اور پھر انکی اولاد کو امام جاننے لگے۔ یہانتک کہ منصور دوانقی تک امامت اس خاندان میں قائم جانتے تھے اور خدا کی شان کہ جو خیالی پلاؤ اپنے ذہنوں میں یہ لوگ پکا رہے تھے۔ وہ خاندان عباسیہ میں وقوع میں آگیا اور مرتبہ امامت کو پہونچگئے مگر تعجب یہ ہے کہ یہ صرف منصور عباسی ہی تک امامت کے قائل ہیں۔

ساتویں طیاریہ۔ انکا عقیدہ یہ تہا کہ ابو ہاشم بن محمد حنفیہ نے عبد اللہ بن معاویہ بن عبد اللہ بن جعفر بن ابو طالب کے لئے امامت کی وصیت کردی تہی۔ اسلئے بعد ابو ہاشم کے عبد اللہ امام ہیں۔ اور طرفہ یہ ہے کہ کیسانیہ جن لوگوں کو امام بتاتے تہے وہ اس دعوے سے انکار کرتے تہے اور کہتے تہے کہ یہ لوگ ہمارے اوپر افترا کرتے ہیں کیسانیہ اسکے جواب میں کہتے تہے کہ یہ انکار ہمارے ائمہ کا بوجہ خوف جان کے ہے دشمنوں کے ڈر سے تقیہ کرتے ہیں کیونکہ ابہی مروانیہ مدینہ کے حاکم ہیں انکی طرف سے اندیشہ ایذا کا ہے۔ بعد اسکے مذہب تشیع میں تقیہ نے بہت رواج پالیا۔

اسماعیلیہ

انکا اعتقاد یہ ہے کہ امامت بعد وفات جعفر صادق کے انکے پسر کلان اسماعیل پر موقوف ہے اسلئے کہ امام جعفر نے انکی امامت کے لئے کہدیا تہا اور سب اولاد جعفر میں وہ نجیب بہی ہیں اسلئے کہ انکی ماں جنکا نام فاطمہ ہے حسن بن امام حسن بن حضرت علی بن ابو طالب کی بیٹی ہیں حالانکہ اسماعیل جنکی کنیت ابو محمد ہے امام جعفر کے سامنے عریض میں کہ مدینہ میں ایک وادی ہے جہاں اہل مدینہ کے اونٹ چرتے ہیں[1] مرگئے تھے اور ۱۳۳ھ میں بقیع الغرقد

[1] دیکھو منتہی الارب فی لغات العرب۔

میں جو مدینہ کا ایک قبرستان ہے مدفون ہوئے تھے اور پھر والد انکے دس برس تک زندہ رہے [۱]۔ یہ اسماعیلیہ بھی امام کے بعد فوت کے دنیا میں لوٹ آنے کے قائل ہیں یہ گویا قائل ہونا ہے ساتھ تناسخ ارواح کے۔ یہ کہتے ہیں کہ ایک جزو الٰہی نے ائمہ میں حلول کیا ہے بعد علی کرم اللہ وجہہ کے اسوجہ سے ائمہ بطریق وجوب مستحق امامت ہیں جسطرح کہ آدم علیہ السلام مستحق سجود ملائکہ تھے۔ یہی رائے عقیدہ تھا فاطمیین کا بلاد مصر میں اور اسماعیلیہ کا رسم یہ بھی ہے کہ اللہ تعالےٰ قادر و مختار نہیں ہے۔ جب کسی چیز کو پسند کرتا ہے وہ بے اختیار موجود ہوجاتی ہے جیسے سورج سے شعاع بے اختیار نکلنے لگتی ہے۔ اور نہ اللہ تعالےٰ صاحب ارادہ ہے بلکہ جو کچھ اس سے صادر ہوتا ہے وہ اسکی ذات کو لازم ہے جیسے آگ کو گرمی اور آفتاب کو روشنی۔

واضح ہو کہ اسماعیلیہ کو بابکیہ بھی کہا کرتے ہیں اسوجہ سے کہ بابک نام ایک عجمی آدمی تھا اس نے جب زمانہ خلفاے بنی عباس میں آذربائجان میں خروج کیا تھا تو اس فرقہ کے بہت سے آدمی اُسکے شریک و معاون ہوگئے تھے اور اسکو بابک خرم دین کہا کرتے تھے۔ اسلئے کہ اُس نے اس دین کو اختراع کیا تھا خلیفہ نے افشین کو اس جنگ کرنیکے لئے مامور کیا جس کی کوشش سے بابک مغلوب [۲] ہوگیا۔ اور محمرہ بھی انکا لقب ہے، اور اس لقب کی وجہ یا تو یہ ہے کہ انھوں نے بابک کی معیت میں سرخ لباس پہننا اختیار کیا تھا۔ یا جو مسلمان ان سے مخالف تھے مذہب و اعتقاد میں انہیں حمیر کہا کرتے تھے۔ ابتدا ظہور اسماعیلیہ کا ۲۵۰ھ ہجری میں ہوا۔ اسماعیلیہ کے کئی فرقے ہیں جنمیں قدر مشترک یہ ہے کہ بعد جعفر صادق کے اسماعیل امام ہیں۔

۱- مبارکیہ یہ منسوب ہیں مبارک کیطرف اور وہ محمد بن اسماعیل بن جعفر صادق کا غلام تھا اور خوش نویسی اور نقش و نگار اور دستکاری میں سرآمد روزگار تھا بعد انتقال اسماعیل اور محمد بن اسماعیل کے اس نے کوفہ میں جاکر شیعہ کوفہ کو مذہب اسماعیلیہ کی طرف ترغیب دی اور اپنے پیرووں کا نام مبارکیہ رکھا انکے نزدیک بعد اسماعیل کے محمد بن اسماعیل امام ہیں اور محمد کو یہ لوگ خاتم الائمہ جانتے

[۱] دیکھو عمدۃ الطالب در انساب آل ابی طالب [۲] دیکھو انجمن آرائے ناصری میں لغت بابک

ہیں اور کہتے ہیں وہی قائم و منتظر اور مہدی موعود ہیں۔ اس فرقہ کا ظہور ۲۵۹ھ ہجری میں ہوا۔ بعض اسکے فرقہ کو قرامطہ بھی کہتے ہیں اسلئے کہ مبارک کا لقب قرمط تھا۔ اور تحقیق اسکی میں آگے بیان کرتا ہوں۔

۲- میمونیہ یہ عبداللہ بن میمون قداح اہوازی کے پیرو ہیں جو فنون شعبدہ و سحر و طلسمات جانتا تھا۔ مبارک نام غلام محمد بن اسماعیل کی صحبت میں مدفون ہوا تھا۔ جب مبارک اسکی صلاح سے کوفہ میں جا کر داعی مذہب اسماعیلیہ کا ہوا تو یہ کوہستان عراق پھر شہر بصرہ میں گیا اور وہاں گیا اور وہاں کے لوگوں کو بزور طلسمات و نیرنجات اپنا معتقد بنا کر میمونیہ انکا نام رکھا اور اپنے نائب جابجا روانہ کئے اسکا عقیدہ تھا کہ قرآن و حدیث کے ظاہری مضمون پر عمل کرنا حرام ہے اور حشر کا اور جزا و سزا کا بھی منکر تھا اور اسی نے اول طریقہ باطنی نکالا کہ کہتا تھا نصوص قرآن و حدیث کے باطن پر عمل کرنا فرض ہے نہ انکے ظواہر پر اسی واسطے اسکے فرقہ کو باطنیہ بھی کہا کرتے تھے یہ بعد موت ہوکر بصرہ میں مدفون ہوا۔

۳- خلفیہ یہ منسوب ہیں طرف خلف کے جسے عبداللہ بن میمون نے اپنا نائب کرکے خراسان اور قم اور کاشان اور طبرستان کی طرف بھیجا تھا یہ بھی قیامت اور بہشت و دوزخ کا منکر تھا اپنے معتقدوں سے کہا کرتا تھا کہ مسلمانوں نے اپنی طرف سے مذہب تراش لئے ہیں تکلیفات اور تشریعات کی تنگی میں پھنس گئے ہیں اور لذتوں اور مزوں سے محروم ہو رہے ہیں اور اسکا عقیدہ یہ تھا کہ قرآن و حدیث میں جو روزے اور نماز اور حج اور زکوٰۃ وغیرہ کا ذکر ہے یہ سب اپنے معانی لغوی پر محمول نہیں۔ انکے دوسرے معنے مراد ہیں۔ نیشاپور اور رَے کی رعایا بھی اسکے داؤں میں آگئی اسکے انتقال کے بعد احمد نام اسکا بیٹا باپ کا جانشین ہوا۔ اس نے غیاث نامی ایک شخص کو جو نہایت فصیح و بلیغ اور شاعر اور مکار و غدار تھا اپنا نائب بنایا اور عراق کیطرف بھیجا اس شخص نے پہلے پہل ایک کتاب اصول مذہب باطنیہ میں تصنیف کرکے اسکا نام بیان رکھا۔ اور تشیع میں فلسفہ اور الحاد ملا دیا۔

۴۔ قرامطہ رئیس اور پیشوا اس مذہب کا حمدان اشعث معروف بہ قرمط ہے پس اسکی طرف یہ لوگ منسوب ہیں اور حمدان کو قرمط اسلئے کہتے ہیں کہ وہ کوتاہ پاتہا۔ چلنے میں قریب قریب قدم رکہتا تہا۔ اور بعضے کہتے ہیں کہ قرمط ایک جگہ کا نام ہے واسط کے علاقہ میں جہاں یہ شخص رہا کرتا تہا۔ اس شخص نے اپنے اتباع کا نام قرامطہ رکھا تھا۔ اور یہ لقب اُسکے معتقدوں پر اتنا غالب و رائج ہوگیا کہ پہر کوئی آدمی مبارکیہ کو قرامطہ نہیں کہتا تہا۔ صرف اُسی کے پیرووں کو قرامطہ کہا کرتے تہے والقرامطہ لفظ سارے مبارکیہ کا ہے۔ اسلئے کہ مبارک کا یہ لقب تہا۔ اسکے اتباع اپنے قول کو علم باطن کہتے ہیں شرائع اسلامیہ کی تاویل کرتے ہیں۔ ظاہر سے طرف امور مزعومہ اپنے کے پہیرتے ہیں۔ آیات قرآن کو ماؤل بتاتے ہیں اور انکا دعوے اس باب میں ایک تاویل بعید ہے اور قرامطہ کے نزدیک اسمٰعیل بن جعفر خاتم الائمہ ہیں اور وہ زندہ ہیں۔ یہ لوگ حرام چیزوں کو مباح جانتے ہیں۔ ابتدا مذہب قرمط کی ۲۶۴؁ہجری میں ہوئی۔ سیوطی نے تاریخ الخلفا میں خلیفہ مقتدر باللہ عباسی کے حالات میں لکھا ہے وفی سنة احدی وثلثمائة ادخل الحسین الحلاج مشہورا علی جمل الی بغداد فصلب حیا ونودی ھذا احد دعاة القرامطة فاعرفوہ ثم حبس الی ان قتل فی سنة تسع اشیع عنه انه ادعی الالھیة یعنے مقتدر نے حسین بن منصور حلاج کو اونٹ پر سوار کرا کر تشہیر کیا پہر اُسکو سولی دی اور لاش کو جلوا دیا اور لوگوں میں اعلان کیا گیا کہ وہ فرقہ قرامطہ کا داعی ہے اور یہ واقعہ ۳۰۹؁ہجری میں ہوا اور یہ مشہور کیا گیا کہ یہ الوہیت کا مدعی تہا۔ اور ابوالفدا نے اپنی تاریخ میں لکہا ہے کہ حسین حامد وزیر مقتدر کی وجہ سے مارا گیا کہ اسکو حسین کے قتل پر بڑا اصرار تھا۔ وزیر نے حسین کو پکڑ کر بہت بحث کی مگر کوئی بات اُسکے منہ سے ایسی نہ نکلی جو شرع اسلام کے خلاف سمجھی جاتی۔ آخر کار حسین کی تالیفات میں سے ایک کتاب ملی جس میں مرقوم تہا جب انسان حج کا ارادہ کرے اور اُس سے نہ بن پڑے تو اپنے مکان میں سے ایک کوٹھڑی پاک صاف سی منتخب کر کے اور اُسمیں کوئی آدمی نہ گہسے جب حج کے دن آئیں تو اسکا طواف کرے اور جو کچھ حجاج عمل کرتے ہیں وہ یہ بہی کرے پہر تیس یتیم اُس کوٹہڑی میں جمع کر کے

اچھا کھانا جو اُس سے ہو سکے انکو کھلا دے اور کپڑے پہنا دے اور ہر ایک کو سات
درم دیدے پس یہ شخص بمنزلے اُس شخص کے ہوگا جس نے حج بیت اللہ کا کیا ہے
وزیر نے یہ کتاب قاضی ابو عمر کو سنوائی قاضی نے حسین سے دریافت کیا کہ یہ تو نے
کہاں سے لکھا ہے اُس نے کہا حسن بصری کی کتاب اخلاص سے۔ قاضی کے منہ سے
نکل گیا "اے حلال الدم" (کشتنی) میں نے وہ کتاب مکہ میں پڑہی ہے اُس میں یہ کہاں ہے
وزیر نے قاضی کا وہ لفظ پکڑ لیا اور اصرار کر کے حسین کے مباح الدم ہونے کا فتویٰ
لکھا لیا اور اس فتوے پر اور علماء سے بھی مہریں کرالیں۔ جب حلاج کو خبر ہوئی کہ میرے
قتل پر فتوے لیا گیا ہے تو بولا میرا خون تمکو حلال نہیں میرا دین اسلام ہے اور مذہب
سنت ہے۔ اور میری اسباب میں کتابیں موجود ہیں میرے خون سے درگذر کرو۔ اور
خدا سے ڈرو۔ وزیر نے حلاج کی ایک نہ سنی اور خلیفہ سے اجازت لے کر ایک ہزار
کوڑے لگوا کر اور ہاتھ پاؤں کٹوا کر پھر قتل کرا کے آگ میں جلوا کر سر اُسکا بغداد میں لٹکوا دیا

حلاج زہد و تصوف ظاہر کیا کرتا تہا۔ کرامات دکھلایا کرتا تہا۔ گرمی کا میوہ سردی
کے موسم میں اور سردی کا گرمی کے موسم میں لوگوں کے واسطے موجود کرتا۔ جو کچھ وہ گھروں
میں کھاتے اور کرتے اور جو کچھ ان کے دلوں میں ہوتا یہ بتا دیتا تہا۔ اور اپنا ہاتہ ہوا میں
پہیلا کر غیب سے درم پیدا کر دیتا جنپر یہ لکہا ہوتا قل ھو اللہ احد اور اسکا نام درہم قدرت
رکھا تہا۔ آدمیوں کے خیالات اسکی نسبت مختلف ہو گئے تہے۔ بعضے کہتے تہے اسمیں جزو
الٰہی نے حلول کیا ہے۔ بعضے اُسے ولی جانتے تہے اور جو کچھ اُس سے ظاہر ہوتا
اُسے کرامت سمجہتے۔ بعضے کہتے تہے وہ شعبدہ باز ساحر کاہن جھوٹا آدمی ہے جبیرہ
برس روز تک مکہ میں حجر اسود کے پاس رہا کبھی سایہ میں نہیں گیا۔ دن بہر روزہ رکھتا
شام کو پانی سے افطار کر کے صرف تین لقمے خالی روٹی کے کھاتا اسکے سوا کچھ نہ کھاتا تھا بغداد
میں آیا تو یہ نوبت پہونچی اور ابو الفدا نے اپنی اسی تاریخ میں ایک اور مقام پر لکھا ہے قرامطہ کوفہ
کے علاقہ کی طرف ۲۷۸ھ ہجری میں آئے تھے۔ اور جس شخص نے انکو دعوت اپنے مذہب اور
دین کی طرف کی تہی وہ کوفہ کے علاقہ میں ایک موضع میں بیمار ہو گیا پس ایک آدمی اُسے

اپنے مکان پر لے گیا جو بسبب سرخی چشم کے کرمیتہ کہلاتا تھا کہ گنواروں کی بولی میں سرخی چشم کو کہتے ہیں۔ جب شیخ مذکور کو آرام ہوا تو وہی اس شخص کے نام کے ساتھ مشہور ہو گیا اس سے مبدل و مخفف کر کے قرمط کہنے لگے۔ اس شیخ نے جنگل کے رہنے والوں کو جو بے علم وحشی بے عقل تھے اپنے دین کیطرف بلانا شروع کیا۔ وہ لوگ اسکی متابعت میں آ گئے۔ اس نے ظاہر کیا تھا کہ میں ایک کتاب لایا ہوں جس میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد لکھا تھا۔ کہتا ہے فرج بن عثمان اور وہ رہنے والا قریہ نصرانہ کا ہے کہ وہ داعی ہے مسیح کا اور وہ مسیح عیسیٰ ہے اور وہی عیسیٰ کلمہ ہے اور وہی مہدی ہے اور وہ مسیح احمد بن محمد بن حنفیہ ہے اور وہی جبرئیل ہے۔ اور تحقیق مسیح انسان کی صورت بنگیا ہے اور کہا تحقیق تو ہی بلانیوالا ہے اور تو ہی محبت ہے اور تو ہی ناقہ ہے اور تو ہی دابہ ہے اور تو ہی یحییٰ بن ذکریا ہے اور تو ہی روح القدس ہے اور بتایا اسکو کہ نماز چار رکعت ہیں دو رکعت طلوع شمس کے قبل اور دو رکعت غروب کے قبل اور اذان ہر نماز میں یوں دینا چاہیئے۔ اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اشھد ان لا الہ الا اللہ اشھد ان لا الہ الا اللہ اشھد ان آدم رسول اللہ اشھد ان نوحا رسول اللہ اشھد ابراھیم رسول اللہ اشھد ان عیسیٰ رسول اللہ اشھد ان محمد رسول اللہ اشھد ان احمد ابن محمد ابن الحنفیۃ رسول اللہ اور قبلہ بیت المقدس کیطرف ہے اور جمعہ پیر کا دن ہے۔ اس دن کوئی کام نہ کرنا چاہیئے۔ اور ہر ایک رکعت میں استفتاح پڑھنا چاہیئے۔ جو احمد بن محمد بن حنفیہ پر نازل ہوئی ہے بعد اسکے رکوع میں جانا چاہیئے اور استفتاح کی عبارت یہ ہے الحمد للہ بکلمتہ وتعالیٰ باسمہ المنجد لاولیائہ باولیائہ قل ان الاھلۃ مواقیت للناس ظاھرھا لیعلم عدد السنین والحساب والشھور والایام وباطنھا اولیائی الذین عرفوا عبادی سبیلی واتقونی یا اولی الالباب وانا الذی لا اسئل عما افعل وانا العلیم الحلیم وانا الذی ابلوا عبادی وامتحن خلقی فمن صبر علی بلائی ومحنتی واختیاری ادخلتہ فی جنتی وادخلتہ فی نعیمی ومن زال عن امری وکذب رسلی اخلدتہ مھانا فی عذابی واتممت اجلی واظھرت امری علی السنۃ رسلی وانا الذی لم یعل جبار الا وضعتہ ولا عزیز

الا ذلتہ وبئس الذی اصر علی امرہ ودام علی جھالتہ وقال لن نبرح علیہ عاکفین وبہ موقنین اولئک ھم الکافرون ۔ یعنے تمام تعریفیں اللہ کے لئے ثابت ہیں ساتھ کلمہ اسکے کے اور برتر ہے ساتھ نام اپنے کے اور قوت دینے والا ہے اپنے دوستوں کو ساتھ دوستوں اپنے کے تو وہ حلال وقت ٹہرے ہیں واسطے لوگوں کے ظاہر پر اُن سے معلوم ہوتی ہے تعداد برسوں و حساب مہینوں اور دنوں کی اور باطن حلال کا میرے دوستوں کو لئے ہے ایسے دوست جنہوں نے میرے بندوں کو میری راہ بتلائی ہے ۔ اور ڈرو تم مجھہ سے اے صاحبان عقل اور مَیں وہ ہوں کہ نہ سوال کیا جاؤنگا اُس چیز سے جو مَیں کرونگا اور مَیں عالم ہوں بردبار ہوں اور میں وہ ہوں کہ مبتلا کرتا ہوں اپنے بندوں کو امتحان کرتا ہوں اپنی مخلوق کا جو صبر کریگا میری بلا اور میری محبت اور میرے اختیار پر داخل کرونگا میں اُسے جنت میں اور ہمیشہ رکھونگا اُسکو اپنی نعمت میں اور جس نے میرے حکم سے سرتابی کی اور میرے رسولوں کو جھٹلایا میں اُسکو ہمیشہ اپنے عذاب میں ذلیل رکھونگا ۔ اور اپنی اجل کو میں تمام کرونگا اور میں اپنے امر کو رسولوں کی زبان سے ظاہر کرونگا اور میں وہ ہوں کہ نہیں تعلی کریگا کوئی سرکش مگر میں پست کرونگا اُسے اور نہ کوئی زبردست مگر ذلیل کرونگا اُسے اور وہ آدمی بُرا ہے جو اپنے کام پر اصرار کرے اور اپنی جہالت پر جما رہے اور یہ بات کہے کہ ہم اُس کام پر اڑے رہیں گے اور اسی کو حق جانیں گے ۔ اور یہی لوگ کافر ہیں اور اسکی شرائع میں سے یہ بات تھی کہ نبیذ کو حرام اور شراب کو حلال بتاتا تھا اور جنابت یعنے ناپاکی کے بعد غسل کرنا اُسکے نزدیک ضروری نہ تھا صرف وضو کر لینا کافی سمجھتا تھا اور اس سے حلال کیا تھا گوشت نیش والے درندہ کا جو شکار کرتا ہوا اپنے نیش سے اور اُس طائر پنجہ گیر چنگل والے کا جو شکار کرتا ہو اپنے چنگل یعنے ناخن سے جو فی الحقیقۃ حرام ہیں اور پارسیوں کے دو دنوں میں اُس نے روزہ رکھنا تجویز کیا تھا ۔ ایک نوروز کے دن دوسرے مہرگان کے دن کہ وہ نام ہے ماہ مہر کی سولہویں تاریخ کا ۔

میں خیال کرتا ہوں کہ یہ قرامطہ اور یہ رزامیہ اقسام اسماعیلیہ میں نہیں ہونا چاہیئے اسلئے کہ یہ اسماعیلیہ کو محمد بن حنفیہ یا انکی اولاد کی امامت سے سروکار نہیں ہاں حمدان شعث کہ متبع اسماعیلی ہیں ۔

۵ مغیطیہ یہ لوگ یحییٰ بن ابی الشمیط احمسی کے پیرو ہیں یہ شخص مختار کے لشکر کا ایک سردار تھا ۔ مختار نے اسکو لشکر بصرہ پر امیر کر دیا تھا وہ مصعب بن زبیر سے جنگ

کرتا رہا اور مقام ہادر میں مارا گیا۔ اسکے نزدیک جعفر صادق کے بعد امامت اُنکے پانچوں بیٹوں کو پہونچی کہ اول اسمٰعیل امام ہوئے پھر محمد بن موسیٰ کاظم پھر عبداللہ افطح پھر اسحاق اور محمد بن اسمٰعیل کی امامت کا تو منکر نہ تھا مگر یہ کہتا تہا کہ وہ مرگئے ہیں اور پہر دنیا میں نہیں آئینگے۔

۶۔ برقعیہ یہ پیرو ہیں محمد بن علی برقعی کے جس نے ۲۵۵ھ ہجری میں اہواز میں خروج کیا تہا اور اپنے آپ کو علویہ کیطرف منسوب کرکے امامت کا دعوےٰ کیا اور علوی عین اور لام کے فتح سے حضرت علی کی اُس اولاد کو کہتے ہیں کہ جو حضرت فاطمہ رضہ کے سوا اور کسی بی بی سے ہو۔ حالانکہ یہ شخص علوی نہ تہا بلکہ اسکی ماں کے ساتھ ایک علوی نے نکاح کرلیا تہا اور اپنی ماں کے ساتھ یہ بہی اس علوی کے یہاں آیا تہا اور یہیں پرورش پائی تہی۔ بصرہ اور اہواز کے بعض علاقوں پر غالب آگیا اور ہزارہا آدمیوں کو اپنی بیعت میں لے لیا اور آخر کار معتضد خلیفہ عباسی کے لشکر سے ۲۷۰ھ میں شکست کھا کر قید ہوا اور بغداد میں اُسکو معتضد نے سولی پر چڑہایا۔ اور تمام شیعوں کے فرقوں میں سے اول جس نے تقیہ ترک کیا وہ یہی محمد بن علی برقعی ہے کہ برملا مذہب تشیع کو ظاہر کرنے لگا۔ اور برقعی اور مقنع اور قرمطی کے درمیان میں خط کتابت بہی اپنے عقاید فاسدہ کے پھیلانے میں اور اہل سنت و جماعت کا مذہب مٹانے میں رہا کرتی تہی اسکے پیرو معاد اور احکام شرایع کے منکر ہیں اور نصوص کی تاویل کرتے ہیں اور بعض انبیا کی نبوت کا بہی انکار کرتے ہیں۔ اور انپر لعنت کرنے کو واجب جانتے ہیں (نعوذ باللہ)

۷۔ جنابیہ یہ لوگ ابو سعید بن حسن بن بہرام جنابی کے اتباع ہیں اس شخص نے معتضد عباسی کے عہد میں خروج کیا اور بحرین کے تمام علاقہ میں رفتہ رفتہ اپنے اس مذہب کو پھیلا دیا کہ حشر و نشر اور معاد کی ساری باتیں جہوٹے قصے ہیں۔ اور احکام شرع پر عمل کرنا نہ چاہیے بلکہ ایسے شخص کا قتل کرنا واجب ہے۔ چنانچہ تیسری صدی میں ابو سعید جنابی موسم حج میں مکہ میں بہت سی جمعیت لے کر چڑھ آیا۔ اور تین ہزار حاجیوں کو قتل کیا جب ۳۰۱ھ میں اپنے ایک خدمتگار کے ہاتھ سے حمام میں مارا گیا۔ تو اسکا بیٹا ابو طاہر سلیمان اسکا قائم مقام ہوا اور ہجر اور احسا اور قطیف اور تمام ملک بحرین

پہر تمام بعض حصہ متصرف ہوگیا اور ۳۱۵ھ میں کوفہ پر چڑہائی کی۔ اور مقتدر خلیفہ عباسی کے لشکر کو پسپا کر کے اسے لوٹ لیا اور دریائے فرات کیطرف بہت سے شہر فتح کئے اور کام اسکا بہت بڑہتا رہا اور اس نے مذہب باطنیہ کو رواج عظیم دیا۔ اور ۳۱۷ھ میں موسم حج میں مکہ معظمہ میں بہت بڑی جمعیت کے ساتھ آیا۔ امیر مکہ ابن محلب اور اُسکے ساتھیوں کو قتل کیا اور مسجد الحرام میں گھوڑے پر سوار داخل ہوا اور شراب کا پیالہ ہاتھ میں تہا جسے وہاں پیا اور اپنے گھوڑے کو سیٹی دی تو اس نے مسجد کے بیچ میں پیشاب کر دیا اور حاجیوں کو بڑی بیدردی سے قتل کرا کر چاہ زمزم میں ڈلوا دیا اور باقی کو مسجد حرام میں دفن کرایا۔ اور خانہ کعبہ کا غلاف اتروا کر یاروں کو تقسیم کر دیا اور دروازہ کعبہ کو اکہڑوا ڈالا اور میزاب کے اکہیڑنے کو بھی ایک آدمی چڑہایا کہ وہ گر کر مرگیا۔ اور حجر اسود کو اکہڑوا کر مقام ہجر کو لے گیا جو اسکا دار الحکومت تھا اور وہاں سنڈاسوں میں ڈلوا دیا اور پہر اٹہوا کر رکھ لیا اور بائیس برس تک حجر اسود اُسکے پاس رہا یہانتک کہ ۳۳۹ھ میں خلیفہ عباسی مطیع اللہ ابو القاسم مفضل بن مقتدر بن معتضد نے تیس ہزار دینار کو اس سے خرید کر کے بدستور خانہ کعبہ میں رکھوا دیا اور مطلب اسکا حجر اسود اکہڑنے سے یہ تہا کہ آدمی بد اعتقاد ہوجاویں اور پہر کبھی یہاں طواف کو نہ آئیں۔ ابو طاہر قرمطی نے یہانتک زور پکڑ لیا تہا کہ ۳۲۷ھ میں تمام بحرین اور یمامہ کا مالک ہوگیا۔ اور تقیہ کو بالکل ترک کر دیا۔ یاد رہے کہ میمونیہ اور خلفیہ اور سمیطیہ اور برقعیہ اور جنابیہ ان پانچوں فرقوں کا شمار قرامطہ میں ہے اور ان تمام فرقوں کو **باطنیہ** بھی کہتے ہیں اسلئے کہ انکا زعم یہ ہے کہ قرآن کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی ہے اور مراد باطن قرآن ہے اور اسی پر یہ عمل کرتے ہیں اور ان کے زعم میں ظاہر قرآن جو لغت سے مفہوم ہوتا ہے عمل کے قابل نہیں ہے۔ بلکہ ہر ایک کا شرعی کا مقصود باطن ہے نہ ظاہر مثلاً روزہ کا باطن یہ ہے کہ مذہب کو مخفی رکھے اور حج کا باطن امام کے پاس پہونچنا ہے اور نماز کا باطن امام کی فرمانبرداری ہے۔ اسی واسطے امام مالک بن انس نے کہا ہے کہ فرقہ باطنیہ کی توبہ قبول نہیں اسلئے کہ شاید انکی توبہ کا بھی باطن ہو اور اصول عقائد میں یہ سارے باطنیہ مخالف نہیں البتہ بعضے فروع میں باہم مخالفت کرتے ہیں اور باطنیہ خاص اس باب میں کہ نصوص قرآن وحدیث ظاہر پر محمول نہیں منصوریہ اور خطابیہ کے

خوشہ چین ہیں جنکا ذکر غلاۃ شیعہ میں ہو چکا۔

۸۔ مہدویہ یہ لوگ قائل ہیں اس بات کے کہ عبید اللہ جس نے اپنا لقب مہدی رکھا تھا امام ہے اور یہ مہدی اپنے آپ کو اسمٰعیل بن جعفر کی اولاد سے بتاتا تھا اور اپنے تابعین کا مہدیہ نام مقرر کیا تھا اور امامت کا دعوے کرتا تھا اسیوجہ سے انکا خاندان اسماعیلیہ بھی کہلاتا ہے۔ فرقہ مہدویہ کا یہ عقیدہ تھا کہ یہ عبید اللہ مہدی موعود ہے اور دلیل اس بات پر یہ حدیث پیغمبر بیان کرتے تھے وعلی رأس ثلثمائۃ تطلع الشمس من مغربھا۔ یعنے سنہ ۳۰۰ ہجری کے شروع میں آفتاب مغرب سے طلوع کرے گا اور کہتے تھے کہ اس حدیث میں آفتاب سے مراد مہدی ہے اور مغرب سے مراد ملک مغرب ہے۔ مگر یہ حدیث قطعاً موضوع ہے اور یہ تاویل بھی انکی مخترعات سے ہے۔ اسماعیلیہ تو دین اسلام کے منہدم کرنیوالے ہیں پھر انکی نسبت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایسی پیشین گوئی کیونکر فرماتے۔ یہ بھی یاد رہے کہ اتک بہت لوگوں نے دعوی کیا ہے کہ ہم مہدی ہیں پس بعضوں نے تو اس لفظ سے معنے لغوی مراد رکھے ہیں۔ یعنے مقصود انکا یہ تھا کہ ہم ہدایت کرنیوالے ہیں ایسے ہیں تو کچھ گفتگو کی جگہ نہیں اور بعضوں نے دعوی کیا کہ ہم وہی مہدی ہیں جنکی قیامت کے قریب آنیکی پیغمبر خدا نے خبر دی ہے۔ اور یہ دعوی انکا باطل تھا مگر انپر بھی جاہل لوگ جمع ہو گئے۔ ہندوستان میں بھی سید محمود جونپوری نے علانیہ مہدی ہونے کا دعوی کیا اور دکن اور راجپوتانہ میں بہت سے مسلمانوں نے انکے اتباع سے اپنا لقب مہدویہ رکھدیا بعض مسائل میں اہلسنت وجماعت سے خلاف کرنے لگے مثلاً نماز میں دعا کے وقت رفع یدین کرتے اور بعض احکام میراث میں بھی خلاف رکھا اور کہتے تھے کہ مہدی موعود ہمارا پیشوا تھا کہ ظاہر ہوا اور مر گیا اور انکا یہ اعتقاد تھا کہ جو اس عقیدے پر نہ ہووہ کافر ہے اور شیعہ اثنا عشری کا عقیدہ یہ ہے کہ مہدی موعود حسن عسکری کے فرزند محمد ہیں اور وہ مرے نہیں بلکہ لوگوں کی نظروں سے مخفی ہو گئے ہیں اور وہ امام زمانہ ہیں اپنے وقت پر ظاہر ہونگے یہ صحیح نہیں اسلئے کہ ابو داؤد کی حدیث سے ثابت ہے کہ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمنام ہونگے اور انکے بھی باپ کا نام عبد اللہ ہوگا۔ دوسرے اسی حدیث

سے ثابت ہے کہ مہدی حضرت امام حسن کی اولاد سے ہونگے اور بعض حدیثوں میں جو انتساب انکا امام حسین کیطرف آیا ہے سو یہ اسوجہ سے ہے کہ ماں اُنکی امام حسین کی اولاد میں سے ہونگی یعنے باپ کی جانب سے حسنی ہونگے اور ماں کیجانب سے حسینی۔ اور محمد بن حسن عسکری باپ کی جانب سے حسینی ہیں۔ تیسرے شیعہ کے اصول میں سے یہ بات ہے کہ اللہ تعالےٰ پر امام کا مقرر کرنا واجب ہے، اور اللہ پر یہ بات جائز نہیں کہ زمانہ امام سے خالی رکھے اور اُنکے نزدیک امامت کا حصر انہی بارہ ائمہ میں ہے جنکے لئے عصمت کا واجب ہونا ثابت کرتے ہیں اِس صورت میں یہ بات لازم آتی ہے کہ اللہ تعالےٰ پر جو کچھ واجب تھا اُسے ترک کیا کہ حسن عسکری کی وفات کے بعد اُنکے بیٹے محمد کو امام نہ بنایا بلکہ کارِ امامت کو آخر زمانہ تک ڈھیل میں ڈالدیا اگر شیعہ جواب میں یہ کہیں کہ محمد بن حسن اسوقت بھی امام ہیں تو یہ کہا جائیگا کہ ایسے امام کے وجود سے کیا فائدہ ہے جو چھپا ہوا رہتا ہے۔ عاجز ہے ظلم کے دور کرنے پر قادر نہیں[1]۔

تاریخ ابوالفدا میں لکھا ہے کہ آئمہ مہدویہ کی سلطنت کی ابتدا افریقیہ میں ۲۹۶ھ سے ہوئی ہے اِنمیں سے پہلے جس شخص نے پہلے ملک گیری کی وہ ابو محمد عبید اللہ بن محمد بن عبداللہ قداح بن میمون بن محمد بن اسمٰعیل بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن حضرت علی بن ابی طالب ہے۔ اور بعضی کتابوں نے اسکا سلسلہ یوں ملایا ہے عبداللہ بن احمد بن اسمٰعیل ثانی بن محمد بن اسمٰعیل بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن حضرت علی بن ابی طالب اور علما کو اسکی نسب کی صحت میں بڑا اختلاف ہے جو لوگ اسکی امامت کے معترف ہیں وہ کہتے ہیں کہ نسب اسکا صحیح ہے اور وہ بلاشبہ سید علی فاطمی ہے اور بہت سے علمائے علوی بھی کہ نسب ناموں کے بڑے واقفکار تھے اثبات کی تصدیق کرتے ہیں مگر علمائے محققین کہتے ہیں کہ یہ نسب نامہ بالکل غلط ہے اسلئے کہ اسمٰعیل بن جعفر اپنے باپ کے سامنے مدینے میں مر گئے تھے اور اسمٰعیل کے بیٹے محمد جعفر کے ہمراہ بغداد میں آئے اور وہاں لاولد فوت ہوئے ملک مغرب کے نساب (نسب کا جاننے والے) کہتے ہیں کہ وہ عبداللہ بن سالم

[1] دیکھو سبائک الذہب فی نسل قبائل العرب ۱۲

بصری کی اولاد سے ہے اور اسکا باپ بصرہ میں نانبائی کی دوکان کیا کرتا تہا اور عراق کے نسابہ (نسب کے جاننے والے) کہتے ہیں کہ وہ یہودی کی نسل سے ہے اور اسکا نام عبید اللہ نہیں بلکہ سعید نام ہے اور وہ بیٹا تہا احمد بن عبد اللہ قداح ابن میمون بن دیصان کا اور بعضوں نے عبید اللہ بن محمد بن عبد اللہ قداح بیان کیا ہے اور بعضوں نے سعید بن حسین بن محمد بن احمد بن عبد اللہ قداح۔ یہ حسین بن احمد بن عبد اللہ قداح جب مقام سلمیہ علاقہ حمص میں گیا تو ایک یہودن کے حسن وجمال کا ذکر اسکے سامنے ہوا اور شوہر اسکا جو لوہار تہا مرچکا تہا حسین نے اس سے نکاح کرلیا تہا۔ اس عورت کے ایک لڑکا پہلے شوہر لوہار سے بہی تہا حسین اسے بہت چاہنے لگا۔ اور اسکی تعلیم میں بڑی کوشش کی۔ چونکہ حسین لاولد تہا تو اسی کے لئے وصیت کی اور اسے دعوت کی اسرار سکہلائے اور سارا مال اور کل علامات اسے دیدیں پہر اس نے بڑی ترقی پکڑی اور عبید اللہ مہدی کے نام سے شہرت حاصل کی اور حلی نے خلاصہ میں لکہا ہے کہ عبد اللہ قداح بن میمون کے دادا کا نام اسود ہے یہ عبد اللہ بنی مخزوم کے موالی میں سے تہا اور تیر بنایا کرتا تہا اسلئے قداح کہلاتا ہے اسکا باپ ابو جعفر اور ابو عبد اللہؑ سے روایت کرتا ہے اور وہ ابو عبد اللہ سے راوی ہے۔ اور کتاب نجاشی میں مذکور ہے کہ اسکی تصنیف سے دو کتابیں ہیں کہ ایک میں جناب سرور کائنات کے مبعث کے اخبار مذکور ہیں دوسری میں صفت جنت و دوزخ کا حال ہے۔ اور انساب سمعانی میں آیا ہے کہ میمون جعفر کا غلام تہا اور عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن جعفر کے ساتہ مکتب میں رہتا تہا جب انہوں نے وفات پائی تو اسماعیل کی خدمت میں رہا کرتا تہا اور جب اسماعیل نے بہی وفات پائی تو اس نے دعویٰ کیا کہ میں اسماعیل کا بیٹا ہوں حالانکہ وہ میمون کا بیٹا تہا اور مخالفین عبد اللہ قداح ابن میمون کے باب میں بڑی قیل وقال کرتے ہیں مختصر یہ ہے کہ میمون پدر عبد اللہ نے میزان نام ایک کتاب زندیقوں کی تائید میں لکہی ہے اور لوگوں کے سامنے یہ ظاہر کیا کرتا تہا کہ آل نبی کا خالص شیعہ ہوں میمون کے بیٹا پیدا ہوا۔ اسکا نام عبد اللہ رکہا اور چونکہ وہ آنکہیں بنایا کرتا تہا اسلئے اسے قداح کہا کرتے تہے میمون نے عبد اللہ قداح کو پختہ کار کردیا اور دعوت کے طریقے اور اسرار سکہادیئے۔ پہر عبد اللہ اصفہان کیطرف سے اہواز اور بصرہ اور سلمیہ میں آیا

لوگوں کو تشیع اور اہلبیت کی طرف بلانے لگا اُسکے انتقال کے بعد احمد یا محمد نامی اسکا بیٹا قائم ہوا اور اس نے رستم بن حسین بن حوشب بن زادان بخار کوفی کو یمن کیطرف بیجا کہ وہ لوگوں کو اسکے مذہب کیطرف ہدایت کرے اور پہر ایک شخص ابو عبد اللہ حسین بن احمد بن محمد بن زکریا کوفہ کیطرف کا رہنے والا اُسے ملگیا ابن حوشب نے اُسکو بہت سا مال و اسباب دیکر عبایٔے مغرب کو مذہب مہدی کیطرف دعوت کے لئے بیجا اور اس نے ایسے ہاتہ پاؤں پہیلائے کہ وہاں کا فرمانروا زیادۃ اللہ جو آخری بادشاہ بنی اغلب کا تہا رمضان ۲۹۶ھ میں افریقہ سے بہاگ گیا اور ابو عبد اللہ شیعی وہاں قابض ہوگیا۔ اور اگرچہ ابہی تک اس مذہب کا نام مہدویہ نہیں ہوا تہا مگر در اصل بنیاد اس مذہب کی اسی وقت سے سمجہنا چاہیے۔ اسلئے جب محمد نے سلمیہ میں انتقال کیا اور اپنے بیٹے عبید اللہ کے واسطے خلافت و نیابت کی وصیت کردی اور دعاۃ کا حال دیتا تہا دیا تو عبید اللہ نے اپنا لقب مہدی باللہ رکہا۔ جب مکتفی خلیفہ عباسی کو اسکا حال معلوم ہوا تو اپنے حضور میں طلب کیا اور ابو محمد عبید اللہ مہدی اور اُسکا بیٹا ابو القاسم جس نے بعد عبید اللہ کے اپنا لقب قائم بامر اللہ رکہا تہا اور ۲۹۶ ہجری تک سارے افریقہ اور مغرب کا مالک ہوگیا تہا دونوں سوداگروں کے بہیس میں مصر ہوتے ہوئے مغرب میں طرابلس کی طرف بہاگ گئے وہاں ایک مقام پر دونوں قید ہوئے پہر ابو عبد اللہ شیعی نے رہائی دی اور بڑے جلوس کے ساتہ مہدی کو ابو عبد اللہ شیعی افریقہ میں لیگیا اور ۲۹۸ میں مہدی سارے افریقہ کے شہروں کا مالک ہوگیا اور خلفائے عباسیہ کی حکومت سے وہ ملک نکل گیا ۳۰۳ میں مہدی نے افریقہ میں ساحل بحر پر ایک شہر آباد کرکے اُسکا نام مہدویہ رکہا اور اُسکو اپنا دار السلطنت بنایا۔ خلفائے مصر کا مورث اعلیٰ یہی ہے بلاد افریقہ و مغرب میں اُنکی حکومت نے بڑی قوت پکڑی مذہب اسماعیلیہ کا اعلان کرنے لگے اُنکے داعی زمین مصر کی طرف پہیل گئے ایک خلق کثیر نے اُنکی دعوت قبول کی پہر معز الدین اللہ ابو تمیم معد بن اسمٰعیل منصور بن قائم محمد ابن مہدی عبید اللہ ۳۵۸ میں ابو حسین جوہر اپنے والد کے غلام کی کوشش سے بعد وفات کافور اخشیدی کی الی مصر کے مصر کا مالک بن بیٹہا جہاں جوہر نے قاہرہ آباد کیا اور اپنا لشکر شام کیطرف روانہ کیا

تمام ملک مغرب و مصر و بلاد شام میں بھی یہ مذہب پھیل گیا۔ انکی سلطنت کو دولت عبیدیہ
کہا کرتے ہیں اور جاہل لوگ انکے خاندان کو علوی فاطمی جانتے ہیں سیوطی نے رسالہ زینبیہ میں
لکھا ہے کہ صدر اول میں لفظ شریف کا اطلاق ہر ایک اُس آدمی پر ہوتا تھا جو اہل بیت میں سے
تھا خواہ حسنی ہو یا حسینی یا علوی یا محمد بن حنفیہ کی اولاد میں سے یا حضرت علی کے دوسرے
بیٹوں کی اولاد میں سے یا جعفری یا عقیلی یا عباسی جبکہ فاطمیوں کا مصر پر قبضہ ہوا تو انہوں
نے فقط اولاد امام حسن و حسین پر استعمال اس لفظ کا منحصر کر دیا۔ انتہی ملخصاً۔ اور حافظ ابن
حجر نے کتاب الالقاب میں لکھا ہے کہ بغداد میں ہر عباسی اور مصر میں ہر علوی لفظ شریف کیساتھ ملقب تھا
قاضی ابوبکر باقلانی کہتے ہیں کہ عبید اللہ الملقب بہ مہدی نہایت شریر خبیث اور مکار تھا
یہ باطنیہ کا عقیدہ رکھتا تھا دین اسلام کی بربادی کے درپے تھا علما کو قتل کراتا تھا تاکہ میری
مخالفت پر لوگوں کو وعظ و نصیحت نہ کریں اور اُسکی اولاد بھی اُسی وطیرے کی نکلی۔ زناکاری اور
شراب کو مباح کر دیا تھا۔ عبیدیہ سے پیشتر اسماعیلیہ کے پاس سوائے کتاب البیان باطنیہ
سو لغو غیاث کے اور کوئی کتاب نہ تھی جب مہدویہ نے مصر اور مغرب پر تسلط حاصل کیا تو
ان کے خاندان میں بڑے بڑے علما صاحب تصانیف اور داعی پیدا ہوئے جیسے نعمان
بن محمد بن منصور قاضی اور علی بن نعمان اور محمد بن نعمان اور عبدالعزیز اور محمد بن مسیب
اور مقلد بن مسیب عقیلی اور ابوالفتوح رجان اور محمد بن عمار کتابی الملقب با مام الدین
وغیرہ خاصکر مستنصر کے عہد میں عامر بن عبداللہ رواحی یمنی اور علی ابن قاضی محمد بن علی
صلیحی یمن کا قاضی زادہ یہ دو بڑے بڑے داعی تھے یہانتک کہ علی بن محمد نے ۴۲۹ھ
سے یمن میں ایسا قدم جمایا اور مسمی نجاح رئیس تہامہ کو زہر دلوا کر ۴۵۲ھ سے دو برس کے
عرصہ میں یعنے ۴۵۵ھ تک ساری قلمرو یمن کا بتدریج مالک ہو گیا اور اہل یمن کو مذہب
مہدویہ میں کر لیا۔ یمن میں قوم بنی یام اور قوم بنی ہمدان اسماعیلی المذہب ہیں اور بعد انکے
اور بڑے بڑے داعی بھی گذرے ہیں جیسے صالح بن زریک رمنی وزیر فائز بن ظافر ہے
اور فقیہ عمارہ یمنی صاحب تاریخ یمن بھی باطن میں شافعی تھا اور ظاہر میں مہدویہ کا داعی۔
اور حسین بن عبداللہ بن حسن بن علی بن سینا کو بھی اسماعیلی المذہب بتاتے ہیں اور

احمد بن عبداللہ مؤلف رسائل اخوان الصفا کا بھی یہی مذہب تھا اور فوائد المجموعہ میں لکھا ہے کہ رسائل اخوان الصفا کا واضع زید بن رفاعہ ہے۔ انکے اتباع جنکا لقب مہدیہ ہے جسطرح عبیداللہ مہدی بن محمد کے اسلاف کو امام جعفر صادق تک امام منصوص جانتے ہیں اسلئے کہ ہر ایک باپ اپنے بیٹے کی امامت کے لئے تنصیص کر دیتا تہا۔ اسی طرح عبیداللہ مہدی کے بعد اُسکے بیٹے ابو القاسم محمد الملقب قائم بامر اللہ کو پھر اُسکے بیٹے ابو طاہر اسمٰعیل الملقب منصور باللہ کو پہر اُسکے بیٹے ابو تمیم معد الملقب معز الدین اللہ کو پہر اُسکے بیٹے ابو منصور نزار الملقب عزیز باللہ کو پھر اُسکے بیٹے ابو علی منصور الملقب حاکم بامر اللہ کو پہر اُسکے بیٹے ابو الحسن علی الملقب ظاہر لاعزاز دین اللہ کو پہر اُسکے بیٹے ابو تمیم معد الملقب مستنصر باللہ کو امام منصوص مانتے ہیں مستنصر کے بعد سے مہدویہ میں اختلاف واقع ہو گیا اور دو فرقے بنگئے۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ مستنصر نے اول اپنے بہائی نزار کی امامت کے لئے اپنے بعد نص کی پہر اپنے بعد ابو القاسم احمد الملقب مستعلی باللہ اپنے بیٹے کی امامت کے لئے بہی نص کر دی سو ایک جماعت نے نص ثانی کو نص اول کا ناسخ قرار دیا اور مستعلی کو امام برحق جانا چنانچہ انکو مستعلویہ کہا کرتے ہیں بعد مستعلی کے اُسکا بیٹا ابو علی منصور الملقب آمر باحکام اللہ پہر منصور کا چچا زاد بھائی ابو میمون عبدالمجید الملقب حافظ الدین اللہ ابن امیر ابو القاسم محمد بن مستنصر پہر عبدالمجید کا بیٹا ابو منصور اسمٰعیل ثانی الملقب ظافر باللہ پہر اسکا بیٹا ابو القاسم الملقب فائز بنصر اللہ پہر اُسکے بعد ابو محمد عبداللہ الملقب عاضد لدین اللہ امام ہوا اور عاضد فائز کا بیٹا نہ تہا جیسا کہ صاحب تحفہ اثنا عشری نے جانا ہے بلکہ عاضد یوسف کا بیٹا ہے اور یوسف بیٹا ہے عبدالمجید حافظ الدین اللہ کا اور اس خاندان میں سوائے حافظ اور عاضد کے کوئی اور ایسا آدمی خلیفہ نہیں ہوا جسکا باپ خلیفہ نہ ہوا اور امیر یوسف خلیفہ نہ تہا جیسا کہ تاریخ ابو الفدا و تاریخ الخلفا مؤلفہ سیوطی وغیرہ میں لکھا ہے اور شاہ عبدالعزیز صاحب نے جو عبدالمجید کو احمد کا بیٹا بیان کیا ہے یہ بہی درست نہیں۔ وہ احمد کا بیٹا نہیں محمد کا بیٹا ہے۔ مستنصر کے دو بیٹے تہے احمد و محمد احمد کو امامت ملی جسکا لقب مستعلی ہوا اور محمد کو امامت نہ ملی۔ احمد منصور کا باپ تہا۔ اُسکے بعد منصور ہی امام ہوا۔ جب منصور مرا تو محمد کا بیٹا عبدالمجید

المومنین امام ہوا۔ اور تحفہ میں ان خلفا کے ناموں کی نسبت اور بہی کئی غلطیاں واقع ہوئی ہیں۔ اور مجالس المومنین میں غلطی سے ابو تمیم معد مستنصر کو قاہرہ کا بیٹا لکہا ہے حالانکہ ان خلفا میں قاہر کسی کا لقب نہ تہا۔ اور معد مستنصر علی بن منصور کا بیٹا ہے اور علی کا لقب ظاہر لاعزاز دین اللہ ہے۔

مہدویہ میں سے بعض کا قول یہ ہے کہ امام حکومت و ولایت کے وقت گناہوں سے معصوم ہوتا ہے نہ قبل اسکے اور بعض کہتے ہیں کہ قبل اس سے بہی معصوم ہوتا ہے اور کہتے ہیں کہ امام کا حکم ہر ایک مذکر و مونث پر لازم الاتباع ہے۔ اگرچہ مرضی کے برخلاف ہو پس اگر امام کسی عورت کا عقد کسی مرد کے ساتہ کر دے تو یہ عقد دونوں پر لازم ہو جاتا ہے اور فسخ نہیں کر سکتے۔ اسی طرح اور تمام معاملات بیع اور اجارہ وغیرہ میں امام کا حکم نافذ ہے اور یہ بہی عقیدہ ہے کہ امام کو خدائے تعالےٰ کے ساتہ مانند حضرت موسیٰ کی ہمکلام ہونا چاہیئے۔ اور حاکم عبیدی کو اس باب میں بڑے بڑے دعوے تہے اور اکثر کوہ طور پر جاتا اور لوگوں پر ظاہر کرتا کہ مجہ سے خدا نے کلام کیا ہے۔ اور مہدویہ کے نزدیک امام کے لئے علم غیب کا ہونا ضروری ہے جیسا کہ شیعہ اثنا عشری کا زعم ہے اور انکا اعتقاد یہ ہے کہ لفظ علی جو برادر اور برکاتہ حمید ہے درود میں آل پر داخل کرنا یعنی یوں کہنا حرام ہے اللہم صل علی محمد و علی آل محمد بلکہ یوں کہنا چاہیئے اللہم صل علی محمد و آل محمد اور اس حرمت کے استدلال میں یہ حدیث موضوع بیان کرتے ہیں من فصل بینی و بین آلی بعلی لم ینل شفاعتی یعنے جس نے مجہ میں اور میری آل میں لفظ علی کے ساتہ فاصلہ دیا وہ میری شفاعت سے محروم ہے اور کہتے ہیں کہ ایک مرد کو اٹہارہ عورتوں کے ساتہ نکاح کر لینا جائز ہے اور تمسک اس آیت کے ساتہ کرتے ہیں فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ و ثلث و رباع یعنے نکاح کرو جو خوش لگے تم کو عورتوں سے دو دو اور تین تین اور چار چار۔ پس انکے نزدیک سب اعداد کا مجموعہ یعنے اٹہارہ عورتوں کا ایک شخص کے نکاح میں ہونا جائز ہے اور اماما ن مہدویہ اگرچہ باطنیہ تہے مگر تالیف قلوب رعایا کے لئے بظاہر احکام شرع کی پابندی کرتے تہے اور در پردہ اپنے عقاید فاسدہ کے

جاری کرنے میں برابر مصروف تہے اور اپنے سچے دوستوں کو بعلوم باطنیہ کی بہی تعلیم دیا کرتے تہے۔ انکے عہد میں تمام مصر میں رواج مذہب اسماعیلیہ کا ہوگیا تہا قاضی ومفتی شیعہ ہوتے تہے جو کوئی انکے خلاف کرتا اسکو سزا دیتے یہانتک کہ سوا اس عقیدے کے کوئی عقیدہ اس سرزمین میں باقی نہ رہا۔ اگرچہ مذہب شیعہ پہلے سے بہی ملک مصر میں معروف تہا یزید بن ابی حبیب نے کہا ہے نشأت بمصر وھی علویة فقلبتها عثمانیة یعنے جب میں نے مصر میں ہوش سنبہالا تو مصر میں شیعہ مذہب تہا میں نے اُسکو عثمانی مذہب یعنے حنفی کر ڈالا ۔ سے خاندان عبیدیہ مصر میں امامت کرتے رہے۔ جب عاضد ابو محمد بن امیر یوسف کی امامت کی نوبت پہونچی تو نور الدین محمود بن عماد الدین اتابک زنگی سلطان موصل و دمشق نے چڑہائی کی اور لشکر کے ساتھ صلاح الدین یوسف بن ایوب اور اُسکا چچا شیرکوہ بہی تھے۔ لشکر عاضد کو یہانتک اُنھوں نے شکستیں دیں کہ آخر کار اُس نے زچ ہو کر ۵۶۴ھ میں حکومت انکے سپرد کر دی۔ سلطان موصوف اور قاضی صدرالدین مارانی مذہب اشاعرہ پر تھے۔ ان دونوں نے ابتدائی خدمت سلطان نور الدین سے دمشق میں اسی طریقے پر نشو و نما پایا تہا۔ بلکہ صلاح الدین نے بچپن میں عقیدہ مولفہ قطب الدین مسعود نیشاپوری کو حفظ کر لیا تہا اور اپنے چہوٹے بچوں کو یاد کرا دیا تہا۔ اسوجہ سے وہ اسی عقیدہ اشعری پر جمے ہوئے تہے۔ جب یہ مصر کے بادشاہ ہوئے تو سارے لوگوں کو التزام عقاید اشاعرہ پر آمادہ کیا۔ اور تغیر مذہب اسماعیلیہ و مہدویہ و ازالہ تشیع میں کوشش کرنی شروع کی اور مصر میں واسطے فقہائے شافعیہ و مالکیہ کے مدارس بنائے اور سارے قضاۃ شیعہ کو مصر سے نکال دیا اور صدرالدین عبدالملک بن ادریس مارانی شافعی کو قاضی القضاۃ مقرر کیا تب سے اقلیم مصر میں جو کوئی قاضی مقرر ہوتا وہ شافعی المذہب ہوتا۔ لوگ کہلم کہلا

ف سلطان صلاح الدین نور الدین کے بعد مصر کا بادشاہ ہوگیا۔ سیریا عرب الجزائر میں بہت لڑائیاں کیں ۵۸۳ھ میں عیسائیوں کو یروشلم یعنے بیت المقدس کی لڑائی میں بڑی شکست دی۔ نہایت دلیر و بہادر تہا ۵۳۲ھ میں پیدا ہوا اور ۵۸۹ھ میں بمقام دمشق مرگیا ۱۲

مذہب شافعی و مالک پر چلنے لگے اور مذہب شیعہ اسماعیلیہ و امامیہ مختفی ہوگیا یہانتک کہ زمین مصر سے بالکل جاتا رہا۔

اکثر مردم اسماعیلیہ اپنے داعی کے ساتھ ملک مصر اور مغرب سے نکلکر مدینے یمن میں رہے جبکہ وہاں شہر حراز میں قدیم سے انکا داعی موجود تہا۔ اسلئے ہندوستان کو چلے آئے۔ اب گجرات۔ دکن۔ مالوہ۔ کوکن راجپوتانہ میں بوہرے کے نام سے مشہور ہیں۔ ابجد العلوم میں لکہا ہے کہ بیوپار ہندوستانی زبان میں تجارت کو کہتے ہیں اور بوہرہ کے معنے تاجر ہیں۔ اور بوہرے تجار کے معنے میں اس لفظ کی جمع ہے چونکہ ساری قوم تجارت پیشہ ہے اسلئے بوہرے کہتے ہیں اور اس وجہ سے یہ لوگ مرفہ حالی کے ساتھ رہتے ہیں اور انکے داعی[1] سابق احمد آباد و گجرات اور برہانپور اور خاندیس اور اوجین مالوہ میں رہتے تہے اب کئی پشت سے بندر سورت میں رہتے ہیں اور دس لاکھ روپیہ کے قریب سالانہ قوم بوہرہ سے اُنہیں پہونچتا ہے۔ امیرانہ ٹہاٹہ سے بسر کرتے ہیں۔ ان لوگوں میں بڑے بڑے ادیب زبان عربی کے ہوتے ہیں نظم و نثر فصاحت و بلاغت کے ساتھ لکہتے ہیں۔ ہمیشہ کتب عربی دیکہتے ہیں زبان فارسی۔ اردو وغیرہ کی کتابیں شغل میں نہیں رکہتے۔ علما آپسمیں خط و کتابت بہی عربی زبان میں کرتے ہیں اور جو بے علم ہیں وہ گجراتی اور اردو میں لکہتے ہیں۔ اور سارا فرقہ نماز اور روزہ کا پابند ہے اور اپنے مرشد کی اطاعت میں سرگرم ہے۔ کوئی ڈاڑہی نہیں منڈاتا۔ اور سر پر بال نہیں رکھتا۔ نہ حقہ پیتا ہے نہ تنبا کو کہاتا یا سونگہتا ہے۔ مسکرات کے قریب بہی نہیں جاسکتے۔ بوہروں کے علما کسی سے مناظرہ نہیں کرتے خاصکر مذہبی مناظرہ سے بالکل بچتے ہیں اور نہ اپنے مذہب کے اصول و فقہ و حدیث و تفسیر و عقاید کی کتابیں غیر مذہب والے کو دکہاتے ہیں اس باب میں انکا عہد ہے اور جس قصبہ یا شہر میں

---

[1] دیکہو جلد ثالث ابجد العلوم موسوم بہ رحیق المختوم حالات محمد طاہر فتنی" اسکے نواب صدیق حسن کے داعی اور امام میں نہ فرق معلوم ہوا۔ اور انکو یہ بہی خبر نہ تہی کہ یہ داعی ہیں یا امام۔ اسی لئے انکو امام سمجھتے ہیں۔"

رہتے ہیں وہاں انکی تمام جماعت ایک محلہ میں سکونت رکھتی ہیں دوسرے مذہب والے کو اسمیں جگہ نہیں دیتے اور اپنی مسجد اور جماعت خانہ اور قبرستان بھی سب سے علیحدہ رکھتے ہیں اور اپنی شادی غمی میں سوائے اپنی برادری کے دوسرے کو دخل نہیں دیتے اپنی ہی قوم میں بیاہ شادی کرتے ہیں ناچ رنگ اور باجا وغیرہ نہیں کرتے۔ کسی غیر مذہب والے کی بیٹی نہ لیتے ہیں نہ اُسے دیتے ہیں۔ ہاتھ کھولکر نماز پڑھتے ہیں اور نماز کا اتنا سامان تہ بند۔ کرتہ۔ ٹوپی۔ مصلا جدا رکھتے ہیں۔ نماز کے وقت ملبوس مستعمل کو اُتار کر نماز کے کپڑے پہن لیتے ہیں مگر یہ بات مسجد میں ہوتی ہے کسی اور جگہ مستعمل کپڑے سے بھی نماز کر لیتے ہیں مسجد میں عورتوں کے واسطے بھی ایک حصہ علیحدہ رکھتی ہیں۔ نماز تین وقت پڑھتے ہیں ظہر اور عصر کو ملا لیتے ہیں اور مغرب عشا کو اور فجر کو پڑھتے ہیں۔ پیش نماز بطور عامل اور قاضی کے داعی کیطرف سے ہر بستی میں بوہروں کے لیئے مقرر ہوتا ہے اُسی کی معرفت سالانہ نذرانہ اپنے مقدور کے موافق داعی کو پہونچتا ہے۔ انکے ہاں عورات کے پردہ کا رواج نہیں۔ باہر پھرتی ہیں لہنگے پہنتی ہیں یہ لوگ سود علانیہ دیتے لیتے ہیں اور اس فرقہ کی یہ خصوصیات میں سے ہے کہ ماہ رمضان میں ایک روز قبل روزہ رکھتے ہیں اور جب ایک روز باقی رہتا ہے عید کر لیتے ہیں اور پورے تیس روزے رکھتے ہیں۔

اور نور اللہ شوستری مجالس المومنین کی جلد اول میں کہتے ہیں کہ اس زمانہ سے تخمیناً تین سو برس قبل ایک فاضل ملا علی نامی کی ہدایت سے یہ لوگ مسلمان ہوئے ہیں جنکی قبر کھنبایت میں ہے

له منتخب التواریخ میں ملا عبدالقادر نے لکھا ہے کہ نوراللہ شوستری اکبر بادشاہ کے حکم سے لاہور کے قاضی مقرر ہوئے تھے اور علی خان والا نے تذکرہ ریاض الشعرا میں کہا ہے کہ وہ ستر برس کی عمر میں عہد جہانگیر بن اکبر بادشاہ میں بوجہ تصنیف کتاب مجالس المومنین کے درہ خاردار سے بحکم بادشاہ اتنے پیٹے گئے کہ آخر دم نکل گیا اکبر آباد میں انپر جو جاری ہوئی تھی وہیں قبر ہے اور یہ حال جلد اول نجوم السماء میں بھی نقل کیا ہے۔ اور حسین قلی خان عاشقی نے اپنے تذکرہ شعرائے فارسی میں جسکا نام نشتر عشق ہے لکھا ہے کہ قاضی نوراللہ ۱۰۱۹ ہجری میں شہید ہوئے تھے ۱۲ ۲ه دیکھو قلائد الجواہر فی احوال البواہر۔

اور سلطان ظفر نے جو سلطان فیروز شاہ والی دہلی کا امیر اعظم تھا گجرات پر تسلط پایا۔ تو بہت سے بوہرے اسکی وجہ سے سنت و جماعت بھی ہو گئے۔ سبحۃ الرجال اور ابجد العلوم میں لکھا ہے کہ ملا محمد طاہر صاحب مجمع البحار نے مہدویہ بوہروں کی جو اسکی قوم تھے بدعت سے بیزار ہو کر انکے خراب و تباہ کرنے کی مصمم نیت کر لی اور یہانتک اصرار کیا کہ جبتک یہ بدعت نہ مٹ جاے گی سر پر عمامہ نہ رکھونگا۔ جب اکبر شہنشاہ ہندوستان نے ۹۸۰ ہجری میں گجرات فتح کی تو ملا شہنشاہ کے حضور میں مدد کے واسطے حاضر ہوا۔ شہنشاہ نے اپنے ہاتھ سے ملا کے سر پر عمامہ رکھا اور فرمایا کہ میں اس کام میں تمہاری مرضی کے موافق کوشش کرونگا۔ اور شہنشاہ نے اسی غرض سے گجرات کی حکومت پر خان اعظم مرزا عزیز کوکہ کو مقرر کیا۔ خان اعظم نے اس قوم کی بدعت رفع کرنے میں کوشش کی یہانتک کہ اکثر اس قوم کے مشاہیر تقیہ کرنے اور جابجا چھپنے لگے۔ ابھی یہ بدعت خاطر خواہ رفع نہ ہوی تھی کہ خان اعظم کی جگہ عبد الرحیم خان۔ خان خانان مقرر ہو گئے۔ یہ شیعہ مذہب تھے۔ انکی وجہ سے بوہرے پھر کھلم کھلا اپنی بدعات پر چلنے لگے۔ ملا نے یہ حالت دیکھکر پھر عمامہ سر سے اتار ڈالا اور تدارک کے لیے درگاہ اکبری کیطرف رجوع کی۔ شہنشاہ ان دنوں اکبر آباد میں تھے بوہروں نے ملا کا پیچھا کیا یہانتک کہ اوجین میں ۹۸۶ھ میں ملا کو مار ڈالا اور دوسری جماعت مستنصر کی نص اول کے موجب نزار کو امام جاننے لگی اور کہنے لگی کہ نص ثانی لغو ہے اسلئے کہ نص اول اپنا کام پورا کر چکی تھی۔ اس فرقہ کو:۔

نزاریہ کہا کرتے ہیں اور یہ لوگ نزار کے بعد اسکے بیٹے ہادی کو اور اسکے بعد اسکے بیٹے حسن کو امام جانتے ہیں اور یہ حسن اور اسکی اولاد نہایت غلو رکھتے تھے اور علانیہ اپنے بدعات پھیلاتے تھے تقیہ چھوڑ دیا تھا۔ اور نزاریہ کو صباحیہ اور حمیریہ بھی کہا کرتے ہیں اور یہ منسوب ہیں طرف حسن بن صباح حمیری اسماعیلی کے جس نے مستنصر کو خراسان اور بلاد عجم میں حکومت اور دعوت قائم کرنیکی ترغیب دی تھی۔ اور بعد مستنصر کے ہادی کا سرہنگ کار رہا تھا اور اُسی نے کوشش کرکے کوہستان طبرستان وجبل و قلعہ الموت وغیرہ پر ۴۸۳ھ ہجری میں قبضہ کرکے مذہب نزاریہ کو رونق دی اور فتوحات عظیم حاصل کیں

اور اس مذہب میں بہت سی کتابیں تصنیف کیں اور بادشاہت ہادی کی ددیات میں ایک سو اکہتر برس تک رہی آخر چنگیز خان اور اُسکی اولاد کے ہاتھ سے برباد ہوئے۔

اور نزاریہ کا مستقطیہ اور سقطیہ بھی نام ہے اسلئے کہ انکا مذہب یہ ہے کہ امام فروع کے ساتھ مکلف نہیں ہے بلکہ اُسکو یہ بھی اختیار ہے کہ بعض تکالیف یا تمام تکالیف کو آدمیوں سے دور کردے۔

نزاریہ کی راے یہ ہے کہ امام ایکبار کسی بات کی وصیت کردے اور پھر اُسکے خلاف پر نص کردے تو نص اول ہی پر عمل کرنا چاہیئے۔ اور ثانی لغو ہے بخلاف مہدویہ کے کہ اُنکے نزدیک نص دوم ناسخ ہے نص اول کی۔

فرقہ اسماعلیہ کا سبعیہ بھی نام ہے اور یہ نام انکا اسوجہ سے مقرر ہوا ہے کہ کہتے ہیں کہ انبیا شریعت کے پہونچانے والے یعنے رسول صرف یہ سات تن ہیں۔ آدم اور نوح اور ابراہیم اور موسےٰ اور عیسےٰ اور محمد اور مہدی اور درمیان دو رسولوں کے سات ائمہ ہوتے ہیں جو ایک رسول کی شرایع کو تمام کرتے ہیں اور احکام اجرا فرماتے ہیں۔ جب تک دوسرا رسول مبعوث ہو امام اول حضرت علی۔ دوم حسن۔ سوم حسین چہارم علی زین العابدین پنجم محمد بن علی زین العابدین ششم جعفر بن محمد ہفتم اسماعیل بن جعفر ہیں۔ جو درمیان محمد علیہ السلام اور مہدی کے شریعت قایم رکھتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ہر عصر میں لوگوں کی ہدایت کے لئے سات آدمیوں کا ہونا فرض ہے اول امام کہ جانب غیب سے اسکو علم اور احکام بے واسطہ پہونچتے ہیں اور سلسلہ علم کے حصول کی انتہا اُسی کی ذات پر ہوتی ہے۔ دوسرا حجت کہ امام سے حاصل کرکے دوسرے آدمیوں تک پہونچائے۔ تیسرا ذومصہ یہ حجت سے علم حاصل کرتا ہے چوتھا داعی اکبر یہ امام اور حجت کے نزدیک مومنوں کے درجات کو بڑہاتا ہے۔ اور اُنہیں ترقی دیتا ہے پانچواں داعی ماذون یہ طالبین سے عہد و پیمان لیکر امام کی بیعت میں داخل کرتا ہے اور لوگوں کو علم و معرفت سکہاتا ہے۔ چھٹا مکلب یہ شخص اگرچہ بلند درجہ کا آدمی ہوتا ہے لیکن اسکو دعوت کا اذن نہیں ہوتا۔ اسکا صرف

یہی کام ہے کہ غیر مذہب والے کے عقائد میں حجت اور دلیل کے ساتھ شبہات ڈالدے
اور اُسکے احتمالات کا جواب دے اور جب وہ متحیر ہو کر طلب حق کی درخواست کرے تو
یہ داعی ماذون کو بتا دیتا ہے کہ اُس آدمی کے پاس جاؤ اُس سے یہ مقصد بخوبی حاصل
ہو جائیگا۔ پھر داعی ماذون اُس سے عہد و پیما لیکر ذو مصہ کے حوالہ کر دیتا ہے اگر
استعداد طالب کی ذو مصہ کے مبلغ علم سے بڑھکر ہوتی ہے تو وہ حجت کے پاس پہونچا
دیتا ہے۔ اسی طرح حجت امام کے پاس اگر موجود ہو۔ ساتواں مومن جو مطلب
اور داعی کی کوشش سے امام کی تصدیق کرتا ہے اور اسکے حلقہ عہد میں داخل ہوتا ہے
اور کتب اسماعیلیہ کی سیر سے معلوم ہوا کہ دعاۃ اسماعیلیہ خصوصاً دعاۃ فاطمیین نو دعوتیں
ارشاد کرتے ہیں۔ مگر داعی جس مدعو میں جس قدر شوق اور قابلیت پاتا ہے اُسیقدر
دعوتیں اُسکو کرتا ہے۔

دعوت اول۔ داعی نہایت وقار سے مسند ارشاد پر بیٹھا ہوتا ہے جس کو دعوت
کرتا ہے اول اُس سے تاویل آیات اور معانی امور شریعت کی مشکل باتوں کے اور
تھوڑے علم طبعیات وغیرہ کے مشکل مسئلوں کے بھی سوالات کرکے کہتا ہے کہ
اے شخص اسرار دین پوشیدہ ہے اور اکثر آدمی اُس سے منکر اور جاہل ہیں۔ اگر
امت محمدی کے لوگ اُن باتوں کو جان لیتے جو اللہ تعالے نے ایمہ اہلبیت سے
مختص کی ہیں تو آدمیوں میں اختلاف پیدا نہوتا۔ جب مدعو یہ بات سنتا ہے تو داعی کے
پاس جو کچھ معلومات ہوتی ہیں اُسکے سننے کا مشتاق ہوتا ہے پھر داعی اُسکی رغبت پاکر
بیان کرنا شروع کرتا ہے اور بڑی عمدگی سے آیات قران اور شرائع دین کے مطالب
بیان کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جو کچھ اختلاف لوگوں میں آیا ہے اور گمراہی میں پڑے
ہیں یہ سب اسوجہ سے ہے کہ آئمہ دین اور حافظان دین نبی سے روگردانی کی ہے
اور غیروں کے اتباع کرتے ہیں اور حق یہ ہے کہ ایمہ ہدی شرع رسول کے حافظ ہیں۔
اُسکی حقیقت کو اچھی طرح جانتے ہیں معانی ظاہری و باطنی اور تاویل تفسیر قران سے آگاہ
ہیں جب مسلمانوں نے دوسروں کی اتباع کی اور اپنے عقل سے دلایل نکالنے لگے

تو گمراہی میں پڑ گئے۔ اللہ تعالےٰ نے علم دین کو پردہ میں مخفی رکھا ہے تاکہ اسرار الٰہی مبتذل نہ ہو جائیں۔ پس اللہ کے بھید سوائے فرشتہ مقرب اور نبی مرسل یا بندۂ مومن کے جسکا دل خدا نے تقوے میں امتحان کر لیا ہو کوئی نہیں جان سکتا ہے جب مدعو کا دل داعی کی باتوں سے خوب مربوط ہو جاتا ہے اُسوقت داعی دوسری باتیں شروع کرتا ہے کہتا ہے کہ رمی جمار[۱] اور سعی صفا[۲] کیا ہے اور کس لئے حائضہ[۳] کو روزے کی قضا کا حکم ہے اور قضائے نماز کی ممانعت ہے۔ اور کیا سبب ہے کہ جنابت[۴] کیلئے غسل کا حکم ہوا ہے اور بول و براز کے واسطے غسل کا حکم نہ ہوا۔ اور کیا سبب ہے کہ خدا نے مخلوقات کو

[۱] رمی جمار یعنے کنکریاں مارنا جمار جمع ہے جمرہ کی اور جمار چھوٹی چھوٹی پتھریوں کو کہتے ہیں اور منا میں جمار ان تین مکانوں کا نام ہے جنپر کنکریاں اور پتھریاں پھینکتے ہیں۔ ایک کو جمرۂ اولی کہتے ہیں جو مسجد الخیف کے پاس ہے اور دوسرا جمرۂ وسطے اور تیسرا جمرۃ العقبے۔ صحیح ابن خزیمہ میں عبد بن عباس سے روایت ہے کہ رسولخدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ابراہیم خلیل اللہ مناسک کے ادا کرنے کو آئے تو شیطان ان تینوں مقاموں میں سامنے آیا اور اُنہوں نے ہر بار اسکو سات کنکریاں ماریں۔ تو زمین میں دھنس گیا۔ ابن عباس نے کہا تم شیطان کو مارتے ہو اور اپنے باپ ابراہیم کے دین پر چلتے ہو۔ کذا فی الترغیب والترہیب لابن حجر ۱۲

[۲] صفا اور منا نام دو پہاڑیاں ہیں مکہ معظمہ میں۔ ان دونوں مقاموں کے درمیان تخمیناً دو سو قدم کا فاصلہ ہے ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان میں حاجی سات بار دوڑتے ہیں اور یہ امر لوازم حج میں سے ہے۔ حدیث جابر میں مسلم نے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا والسعی بین الصفا والمروۃ تو یعنے دوڑنا درمیان صفا اور مروہ کے طاق ہے یعنے سات بار ۱۲

[۳] واضح ہو کہ حیض مانع ہے روزہ اور نماز اور جماع کو پر عورت روزے کو قضا کرے نہ نماز کو کیونکہ نماز ہر سال ہر روز فرض ہے اور روزہ سال بھر میں ایک مہینہ تو قضائے صوم میں حرج نہیں اور نماز کی قضا میں دقت و مشقت ہے۔

[۴] جنابت ثابت ہوتی ہے دو سبب سے ایک نکلنے منی کے شہوت سے۔ دوسرے تمام حشفہ یعنے سپاری کے داخل کرنے سے آدمی کی شرمگاہ میں۔ کذا فی الخانیہ ۱۲

چھ دن۱؎ میں پیدا کیا ہے۔ کیا ایک گھڑی میں پیدا کرنے سے عاجز تھا۔ اور صراط کے کیا معنے
ہیں اور کراماً کاتبین کیا ہیں اور ہم جو انہیں نہیں دیکھتے اسکا کیا سبب ہے کیا وہ ہم سے مکان
کے سبب سے خائف ہیں اور ہم سے اس سبب سے چھپکر گواہ بنے ہیں اور ہمارے اعمال لکھتے رہتے ہیں
اور زمین کا بدل دینا قیامت کو۔ اور عذاب جحیم کیا ہے اور یہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ عاصی کی
جس جلد نے گناہ کیا ہے وہ ایک اور جلد سے بدل دیجائیگی جو گناہ میں شامل نہیں تاکہ اُسکو عذاب
دیا جائے اور اس آیت کے کیا معنے ہیں ویحمل۲؎ عرش ربک فوقھم یومئذ ثمانیۃ! اور شیطان
اور اُسکی صفت کیا ہے اور وہ کہاں رہتا ہے۔ اور یاجوج و ماجوج اور ہاروت
و ماروت کیا ہیں اور کہاں رہتے ہیں اور سات دوزخیں اور آٹھ بہشتیں کس وجہ
سے ہیں اور کیا ہیں۔ اور زقوم۳؎ ۴؎ کا درخت اور دابۃ الارض اور رؤس الشیاطین

۱؎ قرآن میں ہے لقد خلقنا السموات والارض وما بینہما فی ستۃ ایام تحقیق پیدا کیا ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو
اور اس چیز کو کہ درمیان انکے ہے چھ دن میں۔ اور یہ جو مسلم نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ اللہ تعالے نے مٹی ہفتے کے دن پیدا کی اور اُسمیں پہاڑ اتوار کے
دن پیدا کئے اور درخت پیر کے دن اور اشیا مکروہ کو منگل کے دن اور نور کو بدھ کے دن اور زمین میں
جانور جمعرات کو پھیلائے اور آدم کو جمعہ کے دن پیدا کیا عصر کی نماز کے بعد انتہی۔ اسلیئے آیت مذکورہ منافی
نہیں اسلئے کہ ہفتے سے مراد آخر دن ہفتہ کا ہے کہ جسکو عشیۃ الاحد کہتے ہیں پس وہ اتوار ہی کے حکم میں ہے
خلاصہ یہ کہ حدیث میں بھی موافق آیت کے پیدائش عالم چھ دن میں مقصود ہے۔ ۱۲

۲؎ اور اٹھائینگے عرش رب تیرے کا اپنے اوپر اُس دن آٹھ شخص اب چار اُٹھائے ہوئے ہیں۔
اُس دن چار اور زیادہ ہو جائینگے۔

۳؎ اللہ تعالے سورۂ دخان میں فرماتا ہے ان شجرۃ الزقوم طعام الاثیم کالمہل یغلی فی
البطون کغلی الحمیم مقرر درخت سینڈ کا کھانا ہے گنہگار کا مانند پگھلے ہوئے تانبے
کی کھولتا ہے پیٹوں میں جیسے کھولتا ہے پانی ۱۲

۴؎ اذلک خیر نزلا ام شجرۃ الزقوم انا جعلنٰھا فتنۃ للظلمین انہا شجرۃ تخرج فی اصل
الجحیم طلعہا کانہ رؤس الشیاطین بھلا یہ بہتر ہے مہمانی یا درخت سینڈھ کا ہم نے اسکو کیا ہے

اور شجرۃ الملعونہ؎۱ اور تین؎۲ اور زیتون کیا ہیں اور اس آیت کے کیا معنے ہیں فلا اقسم؎۳ بالخنس الجوار الکنس اور حروف مقطعات کے کیا معنے ہیں اور سات آسمان اور سات زمین اور سبع المثانی؎۴ اور بارہ مہینے کس وجہ سے ہیں اور قرآن و سنت پر عمل کرنا تمہارے حق میں کیا کریگا۔ اور فرائض لازمی کے کیا معنے ہیں اور امل اپنے نفس میں فکر کرنا چاہئے کہ کہاں ہے اور تمہاری روح اور اسکی صورت کس طرح کی ہے اور وہ جسم میں کس جگہ

بقیہ نوٹ متعلقہ صفحہ ۱۲۹

خراب کرنا ظالموں کا۔ وہ ایک درخت ہے کہ نکلتا ہے دوزخ کی جڑھ میں سے اسکا شگوفہ جیسے سر شیطانوں کا یعنے بدنما یا شیطان سے مراد سانپ ہے اور واقعی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مراد اس سے سانپ ہیں کیونکہ سینڈ کی ایک قسم ہے جسکے پتے مشابہ سانپ کی پھن کے ہوتے ہیں اور اُنپر کانٹے مثل ببول کے ہوتے ہیں اور پھول زرد اور پھل سرخ رنگ گول ہوتا ہے اور پک کر شیرین ہو جاتا ہے اور اون اُسپر ہوتا ہے اسلئے ہاتھ لگانے سے ہاتھ میں لگجاتا ہے اور غارشت ہوتی ہے پہاڑی ملک میں۔ یہ درخت کثرت سے ہوتا ہے اور اسی وجہ سے اُسے ناگ پھنی کہا کرتے ہیں تو معلوم ہوا کہ آیت مذکورہ میں زقوم کی یہ قسم مراد ہے اور اسکو سانپ کے سر کے ساتھ استعارہ بیان کیا ہے۔"

؎۱ سورہ بنی اسرائیل میں ہے والشجرۃ الملعونۃ فی القرآن مطلب اس مقام کا یہ ہے کہ نہیں کیا ہم نے اُس درخت کو جس پر پھٹکار ہے قرآن میں مگر واسطے جانچنے لوگوں کے "

؎۲ والتین والزیتون۔ قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی۔"

؎۳ قسم کھاتا ہوں میں پھر جانیوالوں سیدھے چلنے والوں تھم رہنے والوں کی واضح ہو کہ سبعہ سیارہ آسمان میں علحدہ چال چلتے ہیں۔ اُن میں سے پانچ جو سورج اور چاند کے سوا ہیں یعنے زحل مشتری۔ مریخ زہرہ عطارد انکی چال الٹ پھیر کی ہے کبھی مغرب سے مشرق تک جاتے ہیں سو سیدھی چال سے مراد ہے کبھی راہ میں الٹے پھر جاتے ہیں کبھی سورج کے پاس آکر دنوں تک غائب ہو جاتے ہیں۔ "

؎۴ سبع المثانی۔ بفتح السین و میم سورہ فاتحہ کو کہتے ہیں۔ اسلئے کہ بسم اللہ کے سوا سات آیتیں ہیں۔ اور یہ اسوجہ سے کہتے ہیں کہ دوبارہ نازل ہوئی ایک بار مکہ میں اور دوبارہ مدینہ میں یا یہ وجہ ہے کہ ہر دوگانہ میں دوبار پڑھی جاتی ہے۔ بخلاف دوسری سورتوں کے۔ اور بعض کے نزدیک سارا قرآن سبع المثانی ہے۔"

رہتی ہے۔ اور روح کا حال کیا ہے اور انسان کیا ہے اور کیا ہے تفاوت انسان اور جانور اور بہائیم اور حشرات کی زندگی اور حیات میں اور کیا فائدہ ہے حیات کے پیدا ہونے اور نباتات کے اُگنے میں اور اسکے کیا معنے ہیں کہ حوا آدمؑ کی پسلی میں سے پیدا ہوئی ہے۔ اور فلاسفہ کے اس قول کے کیا معنے ہیں کہ انسان عالم صغیر ہے اور عالم انسانِ کبیر ہے اور انسان کا قامت کیوں کھڑا پیدا ہوا اور حیوان کا خلاف اسکے رہا اور کس واسطے پانوں اور ہاتھوں کی دس دس انگلیاں ہوئیں اور کیا وجہ ہے کہ ہر انگلی میں تین تین ٹکڑے ہیں اور انگوٹھے میں دو۔ اور چہرہ میں سات سوراخ کیوں مقرر ہوئے اور باقی بدن میں صرف دو ہی سوراخ کیوں رکھے گئے۔ اور کیا وجہ ہے اسبات کی کہ پشت کی ہڈی میں بارہ گرہ ہیں اور گردن میں سات اور کیوں آدمی کی گردن کی شکل میم کی سی ہے اور دونوں ہاتوں کی حاے حطی کی سی اور شکم کی شکل میم کی سی اور پانوں کی شکل دال کی صورت پر کیوں ہے۔ جس سے آدمی کی قامت میں اُن حروف کا مجموعہ ثابت ہوتا ہے جو لفظ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) میں جمع ہیں اور کس واسطے آدمی کا قامت بشکل الف راست ہے۔ اور رکوع میں لام کی صورت پر ہوجاتا ہے اور سجدہ میں ہا بنجاتا ہے کہ مجموعہ ان تین حروف کا وہ ہے جو لفظ اللہ میں موجود ہے اور کس لئے انسان کی ہڈیاں اسقدر ہیں اور دانت کیوں اتنے واقع ہوئے اور اسکے اعضائے رئیسہ اور گون کی اتنی مقدار کیوں ہے۔ اسی طرح داعی تمام تشریح اعضا کا ذکر کرتا ہے پھر داعی کہتا ہے کہ تم اپنے نفس پر غور و خیال کیوں نہیں کرتے ہو کہ ہمارا پیدا کرنے والا حکیم اور علیم ہے اور اُسکے سب کام حکمت سے لبالب ہیں۔ حالانکہ اس نے قرآن میں جابجا غور کرنے کے لئے تاکید فرمائی ہے فی الارض آیات للموقنین وفی انفسکم افلا تبصرون یعنے زمین میں نشانیاں ہیں یقین لانیوالوں کے لئے اور خود تمہارے اندر کیا تم نہیں دیکھتے ہو۔ دوسری جگہ فرمایا ہے سنریھم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسھم حتی یتبین لھم انہ الحق اب ہم دکھا دینگے انکو اپنے نمونے دنیا میں اور آپ اُنکی جان میں جبتک کہ کھلجاوے انپر کہ یہ ٹھیک ہے اس قسم کی آیات سراسر

دلالت کرتی ہیں کہ خدا کا ارادہ یہ ہے کہ تم کو اسرار مخفی و کھلائے اگر تم تشنہ ہو جاؤ اور جان جاؤ تو تم سے سب حیرت زائل ہو جائے اور شبہ اور شک مٹ جائے اور معارف سینہ تم پر ظاہر ہو جاویں کیا یہ نہیں خیال کرتے کہ تم اپنے نفوس سے بھی بے خبر ہو حالانکہ خدا نے فرمایا ہے من کان فی ھذہ اعمی فھو فی الاخرۃ اعمی واضل سبیلا جو کوئی رہا اس جہان میں اندھا سو پچھلے جہان میں اندھا ہے اور بہت کھویا ہوا ہے راہ یعنی ہدایت سے اندھا رہا ویسا ہی آخرت میں بہشت کی راہ سے اندھا ہے اور دور پڑا ہے۔ جب داعی دیکھتا ہے کہ مدعو کو میری باتوں کیطرف بخوبی رغبت ہے تو اس سے کہتا ہے کہ اے شخص جلدی مت کر خدا کا دین اعلیٰ ہے اس سے کہ نااہل آگاہ ہوں۔ بدوں معاہدہ کئے آگاہ کرنا مناسب نہیں کیونکہ اللہ کی یہی عادت ہے کہ جسکو ہدایت کرتا ہے اُس سے اول عہد و پیمان کر لیتا ہے چنانچہ قرآن میں ہے واخذنا من النبین میثاقھم ومنک ومن نوح و ابراھیم وموسی وعیسی ابن مریم واخذنا منھم میثاقا غلیظا جب لیا ہم نے نبیوں سے اُنکا عہد اور تجھ سے اور نوح اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور عیسےٰ پسر مریم سے اور لیا ہم نے اُن سے گاڑھا عہد اور فرمایا ہے ومن المؤمنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ یعنے ایمان والوں میں سے وہ مرد ہیں کہ سچ کر دکھایا انہوں نے اُس چیز کو کہ عہد کیا تھا اللہ سے اور فرمایا ہے یاایھا الذین امنوا اوفوا بالعقود اے ایمان والو پورا کرو اقرار۔ اور فرمایا ہے ولاتنقضوا الایمان بعد توکیدھا۔ مت توڑو قسموں کو پیچھے اُنکی مضبوطی کے۔ اسی قسم کی آیات پڑھکر کہتا ہے کہ بیعت کا ہاتھ دو اور ہم سے عہد پختہ کر لو کہ ہرگز بیعت کو نہ توڑوگے اور راز کسی پر فاش نہ کروگے اور ہمارے دوست کو دوست اور دشمن کو دشمن سمجھوگے۔ جب مدعو نے بیعت کر لی تو اُس وقت داعی اُسکے مال میں سے بقدر حیثیت کچھ مال امام کی نذر میں مانگتا ہے۔ اگر مدعو دیدیتا ہے تو داعی کی مجلس میں بار دیگر حاضر ہو سکتا ہے اور نصیحت وغیرہ سننے کا مجاز ہوتا ہے۔ ورنہ اُسکو بار نہیں ملتا۔

دعوت دوم۔ جب کہ مدعو سب باتیں پہلی دعوت کی تسلیم کر لیتا ہے اور مال بھی

نذر کر دیتا ہے تو دوسری مجلس میں داعی اُسکو باردیگر کہتا ہے کہ اللہ راضی نہیں ہوتا اپنی طاعت سے اور جو کچھ بندوں پر مقرر کیا ہے اُسکی بجاآوری سے جب تک ائمہ حق کی متابعت نہ کرے جن کو اللہ تعالےٰ نے آدمیوں کی ہدایت کے لئے مقرر کیا ہے اور انکو شریعت کا محافظ بنایا ہے۔ پھر ان امور کی تشریح کرتا ہے اور اپنے کلام پر دلائل لاتا ہے جو اس فرقہ کی کتب میں مفصل مذکور ہیں جب داعی کو معلوم ہوا کہ مدعو کے دل میں ائمہ کی طرف سے اعتقاد راسخ ہوگیا تو تیسری دعوت ارشاد کرتا ہے۔

دعوت سوم۔ جب تیسری دعوت کی مجلس میں مدعو حاضر ہوتا ہے تو داعی کہتا ہے کہ ائمہ حق سات ہیں۔ حضرت علی حسن حسین۔ زین العابدین۔ محمد باقر جعفر صادق۔ ساتویں قائم صاحب الزمان اور جانتا رہو کہ قائم میں اختلاف ہے بعض محمد مکتوم بن اسماعیل بن جعفر صادق کو امام جانتے ہیں اور بعض اسماعیل بن جعفر کو۔ جب دلائل اور توجیہات سے مدعو کے دل میں ثابت ہوجاتا ہے کہ امام سات ہیں تو شیعہ اثنا عشری سے برخلاف ہوجاتا ہے جو دوازدہ امام کے قائل ہیں اور داعی بیان کرتا ہے کہ صاحب الزمان کو علم باطنی اور مخفی وہ کچھ حاصل ہے کہ اُس سے زیادہ اور بہتر خدا کے پاس بھی علم نہیں ہے اور وہی تاویل تفسیر قرآن اور تاویل تاویلات کے ماہر ہیں اور انہی کو تمام اسرار الٰہی کا علم ہے اور دعاۃ انکے وارث ہیں اور کوئی دعاۃ کی ہمسری نہیں کرسکتا اور داعی اپنے ان مطالب پر بڑی بڑی دلیلیں لاتا ہے جو اس فرقے کی کتب میں مذکور ہیں۔ جب داعی نے خیال کیا کہ میری تقریر نے اسکے دل میں اثر کیا تو دعوت چہارم شروع کرتا ہے۔

دعوت چہارم۔ اس دعوت میں داعی بیان کرتا ہے کہ مجددین شرائع کے سات ہیں اور ہر ایک کو ناطق کہتے ہیں۔ اور ناطق کے رواج دینے والے اور وصی بھی سات آدمی ہوتے ہیں جنکو صامت کہا کرتے ہیں۔ پہلے ناطق اول آدم علیہ السلام ہیں جنکے صامت اول شیث تھے۔ جب ان سب

صامتوں کا زمانہ گذر چکا تو دوسرے ناطق نوح علیہ السلام ہوئے جنہوں نے ناطق اول کی شرع کو یک قلم موقوف کردیا۔ انکے صامت اول سام تھے۔ تیسرے ناطق ابراہیم علیہ السلام ہیں اور انکے جانشین یعنے صامت اول اسماعیل ذبیح اللہ تھے۔ انکے بعد ناطق چہارم موسیٰ علیہ السلام ہوئے۔ اُنکے وصی اول ہارون علیہ السلام تھے اُنکے بعد یوشن علیہ السلام پانچویں ناطق عیسےٰ علیہ السلام تھے اور اُنکے وصی اول شمعون علیہ السلام تھے۔ اور ناطق ششم محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور اُنکے وصی اول حضرت علی پہر حسن پہر حسین پہر علی بن حسین پہر محمد باقر پہر جعفر صادق پہر اسماعیل بن جعفر آخر خموشان صامت ہفتم ہیں۔ ساتویں ناطق صاحب الزمان محمد بن اسماعیل ہیں کہ اُنہی پر جملہ علوم اولین و آخرین تمام ہوئے ہیں اور اُنکی اطاعت میں ہدایت و نجات منحصر ہے جب اس ترتیب کو عمدہ عمدہ تقریروں کے ساتھ جو انکی کتب میں مذکور ہیں ولنشین کر دیتا ہے تو پانچویں دعوت آغاز کرتا ہے۔

دعوت پنجم۔ داعی اسمیں کہتا ہے کہ ہر امام صامت کے ساتھ بارہ آدمی مطابق عدد مہینوں اور برجوں کے ہوتے ہیں کہ ہر ایک حجت کہلاتا ہے۔ خدا نے انسان کے جسم کو زمین کی طرح پیدا کیا ہے اور چاروں انگلیوں کو جزایر کیطرح بنایا ہے ہر انگلی میں تین تین ٹکڑے رکھے ہیں جو کل بارہ ٹکڑے ہوئے۔ اور یہ بارہ ٹکڑے انہی حجتوں کی طرف اشارہ ہیں اور انگوٹھا کہ کف دست کو اس سے استحکام اور قوام ہے اس میں دو ٹکڑے ہیں۔ سو اس میں اشارہ ہے کہ رسول اور امام یا وصی جدا جدا نہیں ہیں۔ اور خدائے تعالےٰ نے پشت میں جو بارہ گردیاں پیدا کی ہیں وہ بھی انہی بارہ حجتوں کیطرف اشارہ ہیں اور گردن باوجودیکہ پشت سے افضل اور اعلیٰ ہے مگر اس میں سات گردیاں بنائی ہیں سو وجہ اسکی یہ ہے کہ اسمیں سات ناطقوں کی ذوات کی طرف اشارہ منظور ہے اور اُنکے اُیہ جانشینوں کی طرف بھی یہ اشارہ ہے اور اسی اشارے کی وجہ سے آسمان اور زمین اور دریا اور ہفتہ کے دن

اور کواکب سیارہ بھی سات ہی سات ہیں جو تمام عالم کے مدبر ہیں اور اسی سبب سے چہرہ میں بھی سات سوراخ رکھے ہیں جب داعی تقریر طویل کے ساتھ اس مطلب کو بھی مدعو کے ذہن نشین کر دیتا ہے تو دعوت ششم شروع کرتا ہے۔

دعوت ششم۔ اس میں آیات قرآن کی تفسیر کرتا ہے نماز اور روزہ اور زکوٰۃ اور خمس اور حج اور جہاد اور طہارت وغیرہ امور مختلفہ شرعی کے قاعدے اور طریقے بیان کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ سب رموز ہیں کہ واسطے مصلحت اور سیاست عام کے جاری کیے گئے ہیں تاکہ ان میں مشغول ہو کر آپس میں فتنہ و فساد نہ پھیلائیں اور حاکم وقت کی حکومت اور تابعداری سے انحراف نہ کریں ورنہ فی الحقیقۃ وضو سے مراد دوستی امام ہے اور تیمم سے مراد یہ ہے کہ امام کی غیبت میں مجتہد سے ضروریات کا اخذ کرنا اور احتلام عبارت ہے راز کے ظاہر کر دینے سے اور غسل سے مقصود تجدید عہد و پیمان ہے اور زکوٰۃ سے مراد تزکیہ نفس ہے امورات دینی کی معرفت کے ساتھ اور کعبہ سے مراد نبی علیہ السلام ہیں اور باب سے حضرت علی اور صفا سے نبی علیہ السلام اور مروہ سے حضرت علی اور خانہ کعبہ کا سات بار طواف کرنے سے مراد یہ ہے کہ ائمہ سبعہ سے دوستی رکھو اور جنت سے مراد بدن کو تکلیف سے بچانا ہے اور دوزخ سے مراد بدن کو مشقت اور تکالیف میں ڈالنا ہے وغیرہ وغیرہ۔ جب مدعو کے دل میں یہ باتیں بیٹھ جاتی ہیں تو داعی فلسفہ کی باتیں شروع کرتا ہے اور اقوال افلاطون و ارسطو و فیثاغورس وغیرہ کو دلائل عقلی کے ساتھ سمجھاتا ہے اور جب یہ مطالب بھی ذہن نشین ہو جاتے ہیں تو ایک عرصہ دراز کے بعد ساتویں دعوت شروع کرتا ہے۔

دعوت ہفتم۔ اس میں کہتا ہے کہ صاحب ولایت اور ناصر شریعت کے لئے ایک مددگار اور مصاحب کی ضرورت ہے تاکہ جو کچھ ارشاد کرے یہ اسکو دوسروں کی خاطر نشین کر دے اور انہیں ایک بجائے اصل کے ہے اور دوسرا نائب کی مثل ہوتا ہے اور نظیر اسکی یہ ہے کہ مدبر عالم اصل ترتیب اور نظام عالم میں ایک ہی ہے پس اول موجود دینے

کہ اس سے بلا واسطہ دبلا سبب صدور پایا ہے وہ ہی ایک ہے جس کو عقل کامل کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور صادر اول بھی کہتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ مرتبہ اول میں یہی صادر ہوا ہے۔ اس مطلب کی طرف قرآن و حدیث میں کئی جگہ اشارہ ہوا ہے انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون یعنے سوا اسکے نہیں کہ حکم اسکا جب چاہے پیدا کرنا کسی چیز کا یہ کہ کہتا ہے واسطے اُسکے کہ ہو پس ہو جاتی ہے اس آیت سے اول فی الرتبہ کی جانب اشارہ ہے اور دوم فی الرتبہ کی جانب اس آیت میں اشارہ فرمایا ہے انا کل شئی خلقناہ بقدر یعنے ہم نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے پہلے اُسکو اندازہ کر کے اور اس حدیث میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی عقل کی جانب جس نے ابتدائً اللہ تعالے سے صدور پایا ہے اشارہ کیا ہے۔ اول ما خلق اللہ القلم فقال لہ اکتب قال ما اکتب قال اکتب القدر فکتب ما کان وما ھو کائن الی الابد یعنے سب سے پہلے جو چیز اللہ نے پیدا کی وہ قلم ہے پس کہا اُس سے لکھ اُس نے عرض کی کہ کیا لکھوں فرمایا لکھ تو تقدیریں پس لکھی اُس نے جو چیز کہ ہو چکی تھی اور وہ چیز کہ ہونیوالی ہے اور اس قسم کی بہت باتیں ہیں۔ جو ان لوگوں کی کتب میں مندرج ہیں۔ اور در اصل یہ قول فلاسفہ کے قول سے ماخوذ ہے جنکی رائے یہ ہے الواحد لا یصدر عنہ الا الواحد یعنے ایک سے صادر نہیں ہوتا مگر ایک ہی۔ جب یہ دعوت تمام ہو جاتی ہے تو داعی دعوت ہشتم شروع کرتا ہے۔

دعوت ہشتم۔ اس دعوت میں داعی کہتا ہے کہ اُن دونوں ذاتوں میں کہ ایک مدبر الوجود ہے اور دوسری اُس سے صادر ہوئی ہے اس طور کا تقدم و تاخر ہوتا ہے جیسے کہ علت[1] کو معلول پر تقدم ہے خلاصہ یہ ہے کہ سابق علت ہے اور

---

[1] واضح ہو کہ حدیث میں جسطرح یہ آیا ہے اول ما خلق اللہ القلم یعنے اول چیز کا کہ اللہ نے پیدا کیا قلم ہے۔ اسی طرح یوں بھی آیا ہے اول ما خلق اللہ نوری یعنے جو چیز کہ اللہ نے اول پیدا کی وہ میرا نور ہے اور حکما کا یہ مذہب ہے کہ اول ما خلق اللہ العقل یعنے اول جو چیز کہ پیدا کی اللہ نے وہ عقل ہے

لا محالہ معلول اول جسے مبدء الوجود نے بعین ذات کو اول پیدا کیا ہے اسی سے عالم کے تمام اعیان اور اشخاص پیدا ہوئے ہیں اسطرح کہ مبدء الوجود یعنے اللہ تعالے نے عالم علوی میں اول اپنے امر کے ساتھہ عقل کامل کو جسکو عقل کلی اور عقل اول اور اول موجود

بقیہ حاشیہ متعلقہ صفحہ ۱۳۵

ہیں یہ تینوں چیزیں ہوئیں جنمیں سے ہر ایک کا اول مخلوق ہونا لازم آتا ہے اسلئے بعضوں نے ان اقوال میں توفیق دی ہے اور دونوں حدیثوں اور علما کے قول میں اتفاق ثابت کرکے اختلاف اٹھایا ہے اسطرح کہ جو چیز کہ اول پیدا ہوئی وہ اس حیثیت سے کہ مجرد ہے اپنی ذات کو اور اپنے مبدا کو جانتی ہے عقل کہلاتی ہے اور اس وجہ سے کہ وہ تمام عالم کے پیدا ہونے اور علوم کے نقوش اور صحف بننے میں واسطہ ہے قلم کہلاتا ہے اور اس حیثیت سے کہ وہ انوار نبوت کے ظاہر ہونیکے لئے وسیلہ واقع ہوتی ہے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا نور ہے ۱۲

ے جب دو شی کو اس وضع سے پاتے ہیں کہ ان میں کسی قسم کا اتحاد خاص درمیان ہے تو ان میں سے جب ایک شے کو دیکھیں تو دوسری شے کے بھی وجود کا ان کا یقین حاصل رہتا ہے یہ یقین بار بار کے تجربہ سے پیدا ہوتا ہے یہانتک کہ دونوں شے لازم و ملزوم سمجھی جاتی ہیں اور انکی نسبت یہ عقیدہ استحکام پاتا ہے کہ صرف زمانہ ماضی میں ایک ربط خاص درمیان ان کے نہیں موجود ہے بلکہ بزمانہ استقبال بھی وہی ربط خاص قایم رہیگا۔ مثلاً اگر آگ سے بارود کو مشتعل ہوتے دیکھا کئے ہوں تو بالیقین یہ سمجھیں گے کہ اگر کبھی آیندہ بھی بارود میں آگ لگائی جاویگی تو وہی کیفیت پیدا ہوگی۔ جیسا زمانہ ماضی میں پیدا ہوتی آئی ہے شے لازم کو علت اور ملزوم کو معلول کہتے ہیں۔ علت کی دو قسمیں ہیں ایک علت تامہ دوسری علت ناقصہ۔ علت تامہ وہ ہے کہ معلول کا وجود اس علت کے سوا اور کسی علت پر موقوف نہ رہے علت تامہ اور اسکے معلول کے درمیان اندروئے وجود کے تلازم پایا جاتا ہے۔ علت ناقصہ وہ ہے کہ معلول کا وجود اس علت کے سوا اور کسی علت پر بھی موقوف رہے یعنے معلول کے لئے اس علت کے سوا دوسری علت بھی ہو۔ علت ناقصہ یا داخل معلول ہوا کرتی ہے یا خارج از معلول ہوا کرتی ہے جو علت ناقصہ کہ داخل معلول ہوا کرتی ہے وہ یا ایسی ہوتی ہے کہ اس سے معلول کا قوام بالفعل متعلق رہتا ہے مثلاً صورت تخت کے لئے اور اس علت کو علت صوریہ کہتے ہیں یا ایسی ہوتی ہے

اور عقل اول بھی کہتے ہیں پیدا کیا اور اسکے ذریعے سے نفس ناقص جسے نفس کلی اور نفس اعلی بھی کہتے ہیں پیدا کیا۔ پھر نفس کو عقل سے کمال حاصل کرنے کا ذوق وشوق پیدا ہوا۔ پس نقصان سے کمال کی جانب نفس نے حرکت کی مگر بدون آلہ کے حرکت پوری نہیں ہوسکتی تھی اسلئے اجرام فلکی پیدا ہوئے۔ ان کو نفس نے حرکت دوری کرائی۔ اور اجرام فلکی کی حرکات کے سبب سے اربعہ عناصر کی طبیعتیں پیدا ہوئیں اور اربعہ عناصر کے ذریعے سے مرکبات یعنے نباتات اور جمادات اور حیوانات پیدا ہوئے اور ان سب مرکبات میں افضل اور اشرف انسان ہے اسلئے کہ اسمیں انوار قدسی کے حاصل کرنیکی استعداد ہے اور عالم علوی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور جبکہ عالم علوی میں عقل کامل کلی اور نفس ناقص کلی موجود ہیں جنہوں نے کائنات کو ایجاد کیا ہے۔

کہ معلول کا قوام بالفعل متعلق نہیں رہتا ہے بلکہ بالقوۃ متعلق رہتا ہے۔ مثلاً مٹی آبخورے کے لئے۔ اور اس علت کو علت مادیہ کہتے ہیں۔ وہ علت ناقصہ جو معلول سے خارج ہوکر تی ہے یا وجود معلول میں مؤثر ہوا کرتی ہے اور باعث ایجاد معلول ہوتی ہے۔ مثلاً معمار آبخورے کے لئے اور اس علت کو علت فاعلیہ کہتے ہیں یا بعد وجود معلول کے حاصل ہوکرتی ہے اور فعل فاعل کے اقدام کا باعث ہوکرتی ہے اور اس علت کو علت غائیہ کہتے ہیں۔ مثلاً آبخورے کی ساخت سے غرض پانی وغیرہ کا پینا ہے۔ الغرض تقدم بالعلیۃ وہ تقدم ہے جو علت تامہ کو معلول پر ہوتا ہے جیسے چھلے کو اپنی حرکت پر تقدم ہے۔ اور خاصیت اس متقدم کی یہ ہے کہ متاخر کو وجود بغیر اسکے حاصل نہیں ہوتا بلکہ متقدم کے ساتھ وجود حاصل ہوتا ہے۔ یعنے اول اس علت کو کہ متقدم ہے وجود حاصل ہوتا ہے پھر معلول اسکی وجہ سے وجود میں آتا ہے مگر تقدم علت کا معلول پر زمانی اور مکانی نہیں ہوتا بلکہ جس متقدم کو تقدم علیت کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے وہ بے متاخر کے کسی زمانہ و مکان پر موجود نہیں ہوسکتا۔ صرف اسقدر ہوتا ہے کہ جب متقدم کی ذات کی طرف خیال کرتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اپنے معلول سے اسوجہ سے پیشتر ہے کہ اسکی علت ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مدبر الوجود قدیم ہے تو عالم بھی قدیم ہے مگر فرق اسقدر ہے کہ مدبر الوجود قدیم بالذات ہے اور عالم قدیم بالغیر مگر قدیم وہ دونوں ہیں ۱۲

حاشیہ متعلقہ صفحہ ۱۳۶

تو عالم سفلی میں بھی ایسی عقل کامل کا موجود ہونا ضرور ہے جو نجات کا وسیلہ ہو اور اصطلاح شرع میں اسی عقل کامل شخص کو رسول کہتے ہیں۔ اور رسول کی نیابت میں ایک نفس ناقص نجات کے طریقے بیان کرنیکے لئے ہوتا ہے جسکو اس معاملہ میں رسول کے ساتھ وہ نسبت ہوتی ہے جو نفس کلیہ کو عقل کلی کے ساتھ کائنات کے ایجاد کرنیکے معاملہ میں نسبت ہوا کرتی ہے۔ اسی نفس ناقص رسول کے نائب کو امام اور رسول کا وصی کہتے ہیں۔ اور جس طرح افلاک کو عقل اول اور نفس اول نے حرکت دیتے ہیں اسی طرح رسول اور امام انسانوں کے نفوس کو نجات کی طرف حرکت دیتے رہتے ہیں۔

مگر ان لوگوں کے ان مدبر الوجود یعنے اللہ تعالےٰ کے لئے نہ کوئی نام ہے نہ نشان نہ بیان نہ صفت اور نہ اُسکو الفاظ کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ پس انکے زعم میں خدا نہ موجود نہ معدوم نہ عالم نہ جاہل نہ قادر نہ عاجز وغیرہ وغیرہ۔ کیونکہ ان کا زعم یہ ہے کہ ان اوصاف کے اثبات سے خدا کی مشارکت موجودات کے ساتھ لازم آجائے گی اور نفی اقتضائے تعطیل کرتی ہے اسلئے یہ کہتے ہیں کہ جو کچھ قدیم ہے وہ خدا کا امر اور کلمہ ہے اور جو کچھ محدث ہے وہ خلق ہے اور اُسکی فطرت۔

بعد اسکے داعی مدعو سے کہتا ہے کہ یہ دوسرا یعنے صادر جسکو عقل کامل کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اعمال ذات میں مدبر الوجود کے اتباع اختیار کرتا ہے یہانتک کہ یہ مدبر الوجود کے مرتبہ کو پہونچ جاتا ہے۔ اسی طرح امام جسے صامت اور وصی بھی کہتے ہیں اپنے اعمال میں رسول کی پیروی کرکے رسول کے حکم میں ہوجاتا ہے جس کو ناطق بھی کہا کرتے ہیں اور دونوں میں ذرا بھی تفاوت نہیں رہتا۔ اسی طرح داعی وصی کے مرتبہ کو پہونچ جاتا ہے غرضکہ عالم کے کاروبار اسی طریق پہ جاری ہیں۔ اسکے بعد داعی کہتا ہے کہ رسول کا معجزہ یہی چیزیں ہیں جس سے انسانوں کی سیاست کا کام متعلق ہے سوا اسکے کچھ بھی نہیں اور انتظام عالم کی غرض سے بھی زمین و آسمان جواہر و اعراض کی حقیقتیں بیان کرتا ہے کبھی ایسی وضاحت

سلہ حکمائے یونان کا بھی یہی مذہب ہے کہ جواہر عالم عقل علت ہے جواہر عالم اجسام کی ۱۲

ہے ساتھ کہ لوگ اُسے سمجھ لیتے ہیں کبھی ایسی رمز کے ساتھ کہ علما بھی اُسکے ادراک سے عاجز آ جاتے ہیں اور اسی تدبیر کے ساتھ رسول کی شریعت کو انتظام حاصل ہوتا ہے اور آدمی اُسے مانتے ہیں۔ اور داعی کہتا ہے کہ قیامت اور ثواب و عذاب کے معانی کچھ اور ہی ہیں جو عام طور پر ہر ایک کی سمجھ میں آنا دشوار ہیں اور وہ نہیں مگر حاوث ہونا کواکب کے دوروں کا وقت پورا ہونے سے پہلے دوروں کے اور سیارات اور ثوابت میں کسی طرح کون و فساد نہیں آ سکتا۔ انکی طبائع اس سے پاک صاف ہیں پس قیامت کے یہ معنے اصل میں درست نہیں ہیں کہ اجرام علوی فنا ہو جائینگے اسکے بعد داعی دعوت نہم شروع کیا کرتا ہے۔

دعوت نہم۔ یہ دعوت سب دعوات کا نتیجہ ہے جب داعی مدعو کی طرف سے مطمئن ہو جاتا ہے تو اُسے ہدایت کرتا ہے کہ فلاسفہ کی کُتب دیکھا کرے اور علوم آلہی اور طبعی کا مطالعہ کرتا رہے جب داعی سمجھ لیتا ہے کہ مدعو کو فلاسفہ کے اقوال پر خوب واقفیت حاصل ہو چکی تو اب داعی اپنے رازوں کو کھولنا شروع کرتا ہے کہ جو کچھ میں نے تجھے اصول و حدوث سے ابتک اطلاع دی ہے یہ سب رموز اور اشارات ہیں صرف معانی اور مبادی اور انقلاب جواہر کے اور وحی صرف نفس کی صفائی کا نام ہے۔ اور رسول یا نبی کا کام یہ ہے کہ جو بات اُسکے دل میں آتی ہے اور اُسے بہتر معلوم ہوتی ہے وہ اور لوگوں کو بتا دیا کرتا ہے۔ اور اسکا نام کلام آلہی رکھ دیتا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں یہ قول اثر کر جائے۔ اور اسے مان لیں تاکہ سیاست اور مصلحت عام میں انتظام رہے۔ اور جبکہ نبی کی حقیقت یہ ٹھری تو اسکے تمام اقوال پر عمل کرنا کیا ضرور اور اُسی قدر پر عمل کرنا چاہیئے جو اپنی مصلحت اور حاجت کے مناسب ہو بلکہ عارف کے واسطے تو نبی کے کسی قول پر عملدرآمد اور پابندی ضرور نہیں اُسکے لئے صرف معرفت ہی کافی ہے کیونکہ معرفت ہی اصل الاصول ہے۔ اور سب کمالات کی انتہا یہی ہے۔ اور جو کچھ قیدیں اور اعمال کی پابندیاں مقرر ہیں وہ کافروں کے واسطے واجب

ہوئے ہیں جو معرفت سے آگاہ نہیں ہوتے۔ اور عارف کے حق میں یہ باتیں بالکل عبث اور بار گراں ہیں اور اقسام معرفت میں سے ان لوگوں کے نزدیک ایک یہ ہے کہ انبیائے ناطق صاحب شرائع واسطے سیاست عام کے مقرر ہیں اور جن انبیا کے پاس حکمت خاصہ ہے وہ فلاسفہ کی جماعت ہے اور عالم کا وجود روحانی ہے اور جو کچھ ریاضت کتب معارف کے مطالعہ میں کیجاتی ہے یہی ناظر کو امام تک پہونچا دیتی ہے۔ اور امام کے ظہور کے معنے یہ ہیں کہ دعاۃ کے ذریعہ سے اُسکے احکام امر و نہی جاری ہوں یعنے یہی امر و نہی کا ظہور بعینہ امام کا ظہور ہے۔

مقتدایان اسماعیلیہ طالبین اور اپنے معتقدین کو غیر مذہب والوں کی اہل اسلام میں سے کتب دیکھنے سے منع کرتے ہیں بلکہ جسقدر بیانات متقدمین اسماعیلیہ نے اپنی کتب میں مندرج کئے ہیں اُنکے سیر و مطالعہ سے بھی علمائے متاخرین اسماعیلیہ روکتے ہیں اور اُن میں خوض و فکر کرنے سے منع کرتے ہیں تاکہ ذکی الطبع ہمارے فضایح و قبایح پر مطلع نہ ہو جائے۔

زیدیہ

اتباع زید بن علی زین العابدین بن حسین بن حضرت علی بن ابی طالب ہیں۔ یہ لوگ زید کو امام اعتقاد کرتے ہیں۔ سنہ ۱۲۱ ہجری اور بقولے سنہ ۱۲۲ میں جب زید بن علی نے ہشام بن عبد الملک مروانی پر خروج کیا اور لوگوں کو دعوت بیعت کی تو بہت سے لوگ ان کے شریک ہوگئے اور انکی امامت کے قایل ہوئے اور اُن سے بیعت کی اور بارہ ہزار آدمی یا تیس ہزار شیعہ تبرائیہ میں سے کہ اکثر اُن میں کے کیسانیہ و مختاریہ اور تھوڑے سے وہ لوگ بھی جو زین العابدین کی امامت کے قایل تھے اُنکے ہمراہ ہوئے۔ اُن دنوں کوفہ اور عراقین کا گورنر ہشام کی طرف سے یوسف بن عمر ثقفی تھا۔ یہ سب جماعت اُس سے لڑنے کو بڑھی۔ جب زید کو معلوم ہوا کہ غلاۃ شیعہ تبرا اور ہجو صحابہ کی کرتے ہیں

تو انہیں منع کیا۔ یوسف اپنا لشکر آراستہ کرکے مقابلہ کو آیا تو غلاۃ گھبرائے کیونکہ جان جانے اور محبت کے امتحان کا وقت قریب آگیا تھا اور یہ لوگ بہانہ کرکے گھروں کو چلدئے۔ کہ زید ہمکو کیوں صحابہ کے تبرا سے منع کرتے تھے۔ مگر خالص مخلص ہمراہ رہ گئے۔ جنگ میں اتفاقاً ایک تیر زید کی پیشانی پر لگا جسکے صدمہ سے طائر روح قفس بدن سے اڑ گیا۔ جو لوگ زید شہید کے ساتھ تھے وہ اپنے آپ کو شیعہ خالص کہنے لگے اور کہا کہ امام برحق یہی تھے کہ اپنے اسلاف کی طرح ظالم دشمنوں سے لڑکر مارے گئے۔ اور اپنی جان امامت کی راہ میں دیدی اور امام کو یہی چاہیے کہ راہ خدا میں کسی سے نہ ڈرے اور تلوار کے ساتھ نکلے اور کسی کی پشتی ورفاقت یا ترک مدد کی پروانہ کرے اور جو لوگ اُن سے جدا ہوکر کوفہ کو چلے گئے تھے انہیں روافض کہنے لگے بلکہ جب اُن جھوٹے شیعوں نے ترک رفاقت کی تھی تو خود زید شہید نے کہا تھا رفضونا ھم الروافض مگر حدیث مرفوع میں ہے یکون فی اٰخر الزمان قوم یسمون الرافضۃ یرفضون الاسلام فاقتلوھم فانھم مشرکون یعنے ہوگی آخر زمانہ میں ایک قوم کہ نام رکھے جاوینگے رافضی۔ چھوڑ دینگے اسلام کو پس قتل کرنا تم انکو اسلئے کہ مشرک ہونگے اور ایک روایت میں ہے وینتحلون حب اھل البیت ولیسوا کذالک وایۃ ذالک انھم یسبون ابابکر وعمر یعنے دعوی کرینگے محبت اہل بیت کا اور نہیں ہونگے وہ ایسے اور علامت اسکی یہ ہے کہ وہ برا کہیں گے ابوبکرؓ اور عمرؓ کو۔ یہ روایت صواعق محرقہ میں ہے اور مشکوۃ میں بھی مذکور ہے اور دارقطنی نے حضرت علی سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریب ہے کہ آوے گی تیرے بعد ایک قوم کہ کہا جاوے گا اُن کو رافضی۔ پس اگر پاوے تو اُن کو قتل کریو انکو اسلئے کہ وہ مشرک ہیں۔ حضرت علی کہتے ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ کیا علامت ہے اُن میں۔ فرمایا بڑھاوینگے تجھکو ساتھ اُس چیز کے کہ نہیں تجھ میں اور طعن کرینگے صحابہ پر۔ اور دارقطنی کی ایک روایت میں اس طرح ہے۔ اور یہ اس سبب سے ہے کہ

وہ برا کہیں گے ابوبکر و عمر کو اور جو کوئی برا کہے میرے اصحاب کو بس اُس پر لعنت ہے اسکی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی اور عبداللہ بن احمد نے زوائد میں روایت کی کہ حضرت نے فرمایا کہ آخر زمانہ میں ایک قوم ہوگی جنکا نام رافضہ ہے کہ وہ رفض یعنے ترک کرینگے اسلام کو۔

بعد اسکے واضح ہو کہ امام اعظم ابوحنیفہ کوفی بہی زید بن علی کی صحت امامت کے قائل تھے۔ اور اس خروج کو انکا اچھا جانتے تھے اور لوگوں کو انکی رفاقت کے لئے آمادہ کرتے تھے۔ جس قدر مخلصین زید کے ساتھ رہے تھے اُنہوں نے اپنی جانوں کو زید کی طرف منسوب کر دیا۔ اور مذہب جداگانہ نکال لیا۔ ان میں سے عمدہ داعی یہ لوگ ہیں۔ یحییٰ بن زید بن علی بن حسین اور یحییٰ بن حسین بن ہاشم حسنی کہ حسن بن حسن بن علی کرم اللہ وجہہ کی نسل سے تہا۔ اس نے اپنا لقب ہادی رکھا اور ۲۸۰ھ میں خروج کیا اور یمن اور حجاز کے شہروں پر قبضہ کر لیا اور احکام نام ایک کتاب فقہ زیدیہ میں تصنیف کی اور اس کا بیٹا مرتضیٰ بہی زیدیہ کے مذہب کا داعی تہا اور حسن بن احمد بن یحییٰ بن حسین اور یحییٰ بن احمد بن یحییٰ بن حسین یہ بہی زیدیہ کے دعاۃ میں سے تھے۔ اور یہانتک زیدیہ کا مذہب خالص رہا کہ اصحاب کبار پر تبرا نہیں کرتے اور زید سے بہت سے نصوص اس مدعا پر نقل کرتے ہیں اور سب کو نیکی کے ساتھ یاد کرتے ہیں اور کہتے ہیں اگرچہ امامت جناب امیر کا حق تھا مگر انہوں نے خود خلفائے ثلثہ کو دیدی اور کہتے تھے کہ بیعت خلفا کی خطا نہ تہی اسلئے کہ جناب امیر اُس سے راضی تھے اور معصوم خطا اور باطل بات سے راضی نہیں ہوتا ہے۔ انکا سارا مذہب امامت کے باب میں اہل سنت وجماعت کے مذہب کے موافق تہا۔ مگر فرق اسقدر ہے کہ ان کے نزدیک امام کا فاطمی ہونا شرط ہے اور جب وہ فاطمی کسی غیر فاطمی کو امامت سپرد کر دے تو اس کی امامت منعقد ہو جاتی ہے لیکن یہ حال ان لوگوں کا تہا جو خاص زید شہید کے متبع تھے۔ پھر بعضے علمائے زیدیہ نے بعض باتیں

اسماعیلیہ و امامیہ کے مذہب میں سے لے کر مذہب زیدیہ میں داخل کرکے آپ داعی اس مذہب کے بنے اور ہر ایک کے متبعین سے ایک فرقہ مقرر ہوگیا جیسے ابوالجارود کہ کنیت اسکی ابوالنجم ہے اور سلیمان بن جریر اور ابتر ثومی اور حسین بن صالح اور نعیم بن یمان اور یعقوب وغیرہ مگر یہ سب زیدیہ میں شمار پاتے ہیں اور زید بن علی بن امام حسین بن امیر المؤمنین علی شاگرد واصل بن عطا رئیس معتزلہ تھے۔ اصول کو اسی سے لیا تھا۔ اسی وجہ سے سارے زیدیہ اصول میں معتزلی ہیں مگر مسئلہ امامت میں معتزلہ سے مخالف ہیں اور کہتے ہیں امام وہ ہوتا ہے جس میں چھ خصلتیں ہوں۔ علم۔ زہد۔ شجاعت اور اولاد فاطمہ زہرا سے ہو حسنی یا حسینی۔ اور بعض نے اتنا اور زیادہ کیا ہے کہ صبیح الوجہ بھی ہو اور کسی طرح کی آفت اس میں نہ ہو۔ اور زیدیہ فروع میں حنفی ہیں مگر چند مسائل میں خلاف رکھتے ہیں۔ سارے زیدیہ کا مثل امامیہ کے یہ عقیدہ ہے کہ اللہ کا ارادہ حادث ہے اور اسکا ارادہ ساری موجودات کو عام و محیط نہیں بلکہ بہت سی موجودات اسکے بلا ارادہ پیدا ہو گئی ہیں۔ جیسے شر اور آفت اور کفر اور معصیت۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ کی بعض مرادیں واقع نہیں ہوسکتیں اور شیطان اور کافروں کی واقع ہو جاتی ہیں۔ اور کیسانیہ کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ اور زیدیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ بعض بندوں کی ہدایت کا ارادہ کرتا ہے مگر شیطان و مغویان بنی آدم اُسے گمراہ کر دیتے ہیں اور اللہ تعالےٰ کا ارادہ انکے سامنے نہیں چل سکتا یہی عقیدہ امامیہ کا ہے اور یہ آٹھ فرقے ہیں جنمیں قدر مشترک زید بن علی کی امامت ہے اور نیز اکثر کے نزدیک ائمہ کا ایک وقت بلکہ ایک ملک میں متعدد ہونا جائز ہے۔

ایک فرقہ جارودیہ[1] ہے۔ مجمع البحرین میں لکھا ہے کہ یہ فرقہ اپنے رئیس کی طرف منسوب ہے جو خراسان کا باشندہ تھا۔ اور اُسے ابو جارود زیاد بن منذر

---

[1] صاحب کشاف اصطلاحات الفنون نے صفحہ ۹۹ میں لکھا ہے جارودیہ زیدیہ کا ایک فرقہ ہے انکا ذکر شاں باب ۱۰ سے تجدید کی فصل حال میں آئیگا اور صفحہ مذکور میں جارودیہ کا لفظ ہے

عبد ہی کہتے ہیں اس شخص کا امام محمد باقر نے سرحوب نام رکہا تہا اور کہا تہا کہ سرحوب ایک شیطان ہے کہ سمندر میں مقیم ہے۔ اسی لئے اس فرقہ کو سرحوبیہ بہی کہتے ہیں۔ اسکا یہ عقیدہ تہا کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے نص کی تہی امامت حضرت علی پر ساتہہ وصف کے۔ نہ ساتہہ نام کے۔ اور لوگ ترک کرنے سے بیعت حضرت علی اور حسن اور حسین اور انکی اولاد کے کافر ہوگئے اور کہتا تہا امامت حسن اور حسین کے بعد انکی اولاد میں ہے جو کوئی انہیں سے تلوار کے ساتہہ خروج کرے گا اور عالم اور شجاع ہوگا وہی امام ہے اور جارودیہ میں امام منتظر کی بابت اختلاف ہے۔ بعضے کہتے ہیں کہ امام منتظر محمد بن عبد اللہ بن حسین بن علی ہیں جو منصور کے عہد میں دعوت امامت کی وجہ سے مقتول ہوئے اور یہ انکے مقتول ہونے کے منکر ہیں۔ اور بعضے کہتے ہیں کہ محمد بن قاسم بن علی بن حسین صاحب طالقان امام منتظر ہیں جنہوں نے معتصم کے زمانہ میں خروج کیا اور گرفتار ہوئے معتصم نے انہیں قید میں رکہا۔ قید خانہ ہی میں انتقال کیا۔ پس یہ لوگ انکی موت کے منکر ہیں۔ اور بعضے کہتے ہیں کہ امام منتظر یحیی بن عمر ہے جو زید بن علی زین العابدین کے اصحاب میں سے تہا اور صاحب کوفہ اسے کہا کرتے ہیں اور یہ بوجہ دعوت امامت کے مستعین باللہ کے وقت میں مارا گیا سو یہ لوگ اسکی موت کے منکر ہیں۔

دوسرا فرقہ دکینیہ۔ یہ فضل بن دکین کے پیرو ہیں اور تمام باتوں میں جارودیہ کے

علے مہملہ اور دال مہملہ کے ساتہہ لکہا ہوا ہے مگر یہاں علیہ نہیں لکہا ہے اور صفحہ ۶۱۴ میں زیدیہ کی ذیل میں بہی جارودیہ کے عقاید کا حال لکہا ہے اور سرحوب خطابکا بہی ذکر کیا ہے اور صفحہ ۲۲ میں یوں لکہا ہے۔ جارودیہ ابی الجارود کے اصحاب ہیں اور یہاں علیہ اگرچہ نہیں لکہا ہے مگر صاف طور پر انہیں حروف کے ساتہہ ہے اور یہاں سندالسند کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ اس فرقہ کا قول یہ ہے کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نص کی ہتی امامت حضرت علی پر ساتہہ وصف کے نہ ساتہہ نام کے صحابہ نے جو بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حضرت علی سے مخالفت کی انکو اپنا امام نہ مانا سو وہ کافر ہوگئے۔ تعجب اس بات کا ہے کہ صفحہ ۱۰ میں تو جارودیہ لکہکر وہ کہا اور صفحہ ۴۴ میں جارودیہ لکہکر کہا اور زیدیہ میں بہی موافق صفحہ ۴۴ کے بیان کیا ہے زیدیہ میں بیان کرنے تو تعجب نہیں تعجب اس بات کا ہے کہ جارودیہ اور جارودیہ کو علیحدہ علیحدہ جیم کے حرف میں لکہا ہے۔

موافق ہیں مگر طلحہ اور زبیر اور ام المومنین عائشہ کو کافر بتاتے ہیں باقی صحابہ کو بُرا نہیں کہتے۔

تیسرا فرقہ سلیمانیہ ہے جسے جریریہ بھی کہا کرتے ہیں۔ یہ سلیمان بن جریر کی طرف منسوب ہیں۔ اسکا اعتقاد یہ ہے کہ امامت تام بے شوری کا درمیان خلق کے اور دو مسلمانوں کے مقرر کرنے سے بھی منعقد ہو جاتی ہے اور امامت مفضول کی فاضل کے موجود ہوتے صحیح ہے اور یہ کہتا تھا کہ لوگ ترک بیعت حضرت علی سے کافر نہیں ہوئے بلکہ خطا وار ہوئے کہ افضل کو چھوڑ دیا۔ یہ جارودیہ کی تکفیر کرتے ہیں اسلئے کہ وہ صحابہ کی تکفیر کرتے ہیں۔ مگر سلیمانیہ طلحہ اور بی بی عائشہ کے مکفر ہیں اور حضرت عثمان بن عفان کو بھی کافر بتاتے ہیں بسبب اُن خلاف امورات کے جاری کرنیکے جو اُنہوں نے اپنی خلافت میں نکالے تھے۔ حالانکہ وہ سارے فتور اُنکے اقارب بنی امیہ کے تھے نہ حضرت عثمان کے اُن لوگوں نے مخلوق پر دست درازی کرنا شروع کی تھی۔ جبر کرنے لگے تھے وہ جبر اُنہیں ایذا اختلاف کثیر پیدا ہوگئے عثمان رضی اللہ عنہ پر مواخذات کیے گئے۔ اور سلیمانیہ کہتے ہیں کہ حضرت علی نے کسی کی امامت پر نص نہیں کی بلکہ بعد اُن کے امر شوریٰ ہوگیا۔

چوتھا فرقہ تبریہ کہ توثیہ[۵] بھی کہلاتے ہیں یہ مغیرہ بن سعد کے اصحاب ہیں جو ابتر کے لقب سے مشہور تھا۔ یہ موافق ہیں سلیمانیہ کے مگر کہتے ہیں کہ حضرت علی افضل والے بامامت ہیں گو حضرت ابوبکر بھی امام تھے اور اُنکی امامت خطا نہ تھی نہ کفر بلکہ خود حضرت

۵ بتریہ و توثیہ نیز لقب آنہا ست۔ یاران مغیرہ بن سعد کہ ملقب بہ ابتر بود و در تحفہ و شرح مواقف میں ہے التبریۃ ھو بتیر الثومی اور تعریفات سید شریف میں بھی لکھا ہے کہ تبریہ بتر ثومی کیطرف منسوب ہے ۔ تبریہ میں باء موحدہ کے بعد تاء فوقانی اور اسکے بعد یاء تحتانی ہے اور ملل ونحل شہرستانی میں ہے التبریۃ منسوب الی کثیر النومی الابتر اور کشف العزیز میں ہے بتریہ اتباع ہیں حسن بن صالح بن کثیر ابتر کے اور ترجمہ ملل ونحل میں ہے تبریہ صحابہ کو غیر حق تبری اور تعلیقہ میں ہیبانی نے کہا ہے البتریۃ بضم الباء وقیل بکسرھا منسوب الی کثیر النوی والابتر لقبہ کان ابتر الیہ وقیل الی المغیرۃ ابن سعد یعنی تبریہ میں باء موحدہ مضموم یا مکسور ہے منسوب ہے کثیر کیطرف۔ چونکہ اسکا ہاتھ کٹا ہوا تھا اسلئے اسکے فرقہ کو تبریہ کہنے لگے کیونکہ عربی میں ابتر مقطوع الید تام کو کہتے ہیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ یہ فرقہ مغیرہ بن سعد کیطرف منسوب ہے۔ ۱۲

علی نے انکی امت دیدی اور حضرت عثمان کی تکفیر نہیں کرتے انہیں متوقف ہیں اسواسطے کہ ان کے حق میں جناب امیر کا سکوت اور رضا مندی انکی خاطر خواہ ثابت نہ ہوئی اور کہتے ہیں کہ جناب امیر اپنی بیعت کے بعد سے امام ہوئے اور توضیح المقال میں لکھا ہے کہ بعض فضلا کہتے ہیں کہ تبریہ کے نزدیک تقدیم مفضول کی فاضل پر جائز ہے۔

پانچواں فرقہ نعیمیہ ہے۔ یہ نعیم بن یمان کے معتقد ہیں یہ سارے عقاید میں تبریہ کے موافق ہیں مگر حضرت عثمان کو کافر جانتے ہیں باقی صحابہ کو نیکی کے ساتھہ یاد کرتے ہیں۔

چھٹا فرقہ یعقوبیہ ہے۔ اتباع یعقوب کے۔ یہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی امامت کے منکر ہیں۔ بلکہ بعضے انہیں سے تبرا کرتے ہیں ان دونوں سے اور قائل ہیں رجعت اموات کی طرف دنیا کے قیامت سے پہلے۔

ساتواں فرقہ خشبیہ ہے یہ خلف بن عبدالصمد کے تبع ہیں خشبیہ الکے اس وجہ سے نام ہے کہ جب سلطان وقت پر انھوں نے خروج کیا تہا توان کے پاس اسباب جنگ اور ہتہیار نہ تھے۔ صرف لکڑیاں اور لاٹھیاں لے کر اٹھے تھے اور خشب زبان عربی میں لکڑی کو کہتے ہیں انکا عقیدہ یہ ہے۔ امامت نام ہے شوریٰ کا۔ اولاد بی بی فاطمہ میں اگر کوئی اور شخص امام بنجائے تو اس پر خروج کرنا واجب ہے۔

آٹھواں فرقہ صالحیہ ہے۔ یہ حسن بن صالح بن حی کے اتباع ہیں انکا عقیدہ یہ ہے کہ امامت شوریٰ ہے درمیان اولاد بی بی فاطمہ کے جو کوئی فاطمی صفت شجاعت وسخاوت وعلم کے ساتھہ متصف ہو اور تلوار لیکر خروج کرے وہ امام ہے اور باقی قول امامت میں تبریہ کے موافق ہیں۔ اور حضرت عثمان کے معاملہ میں متوقف ہیں نہ انہیں مومن جانتے ہیں نہ کافر۔

امامیہ

اب غور سے سنو کہ امام کا مقرر کرنا بعد ختم زمانہ نبوت کے واجب ہے یا نہیں۔ اور واجب ہے تو کیا خدائے تعالےٰ پر واجب ہے یا خلق پر اور پہر واجب ہے تو ثبوت

اس وجوب کا دلیل شرعی کے ساتھہ ہے یا عقلی کے۔ پس خوارج یہ کہتے ہیں کہ کسی طرح امام کا مقرر کرنا واجب نہیں اور اسماعیلیہ اور امامیہ کہتے ہیں کہ اللہ پر امام کا مقرر کرنا عقلاً واجب ہے۔ قانون شرع کی محافظت کے ساتھہ تاکہ یہ قانون تقرر ائمہ خدا کی طرف سے واجب ہونیکی علامت اور معرف ہے کیونکہ اس بات کے سمجھنے کے واسطے ایک جتانے والے کی ضرورت ہے۔ سو جتانے والا یہ قانون شرع رہیگا۔ اور اہل سنت اور معتزلہ کی یہ راے ہے کہ مخلوق پر امام کا مقرر کرنا واجب ہے۔ مگر معتزلہ کے نزدیک عقلاً واجب ہے۔ اور زیدیہ کا بھی یہی مشرب ہے۔ مگر ہشام بن عمر غوطی معتزلی اور اُسکے اتباع کے نزدیک امن و امان کی حالت میں امام کا مقرر کرنا واجب ہے تاکہ شعائر اسلام کو ظاہر کرے اور فتنہ و فساد کی حالت میں ضرور نہیں اسلئے کہ سرکش لوگ اُسکی اطاعت نکرینگے تو خونریزی ہوگی۔ اور ابو بکر اصم معتزلی اور اُسکے اصحاب کی یہ رائے ہے کہ فتنہ و فساد کے وقت میں امام کا مقرر کرنا واجب ہے اور امن و اطمینان کی حالت میں ضرور نہیں۔ کیونکہ اس وقت میں امام کی کیا حاجت ہے۔ اور بعضے معتزلہ جیسے جاحظ اور کعبی اور ابو الحسین یہ کہتے ہیں کہ عقلاً و سمعاً دونوں طرح واجب ہے اور اہل سنت و جماعت کے نزدیک بدلیل سمعی؎ ہے۔ اور امامیہ کہتے ہیں کہ خلافت جامع و شامل ہے امامت و سلطنت کو خواہ حقیقت کے ساتھہ ہو جیسے حضرت علی کی خلافت کہ وہ امامت و سلطنت و حقیقت تینوں باتوں کو جامع تھی صرف غلبہ و تسلط کے ساتھہ ہو جیسے خلافت خلفاے ثلثہ کی کہ وہ حقیقت کے ساتھہ نہ تھی اور نہ وہ امامت کو جامع تھی۔ اور امامت خاص ہے۔ یعنے صرف نبی کی نیابت بدون سلطنت و امارت و حکومت اسی لیے شیعہ خلفاے ثلثہ کو امام نہیں جانتے اور امامیہ اثنا عشر کو امام مانتے ہیں۔ اور محققین اہل سنت خلافت عامہ اور امامت دونوں کو مترادف جانتے ہیں اور دونوں کے معنے بادشاہی لیتے ہیں جو کہ واسطے انتظام دین اسلام کے پیغمبر علیہ السلام کی نیابت میں ہو اور کہتے ہیں کہ جب خلیفہ میں دین اسلام کا انتظام

؎ دیکھو شرح تجرید مقصد خاص ۱۲

کرنے کی صفات ہوں اور حکم اُسکا جاری ہو تو یہ بادشاہی اُسکے لیے سوجب گناہ نہیں افضل امت ہویا نہ ہو۔ امامیہ کہتے ہیں کہ افضل امت ہوکر حکم الٰہی میں اُسکی اطاعت تمام امت پر واجب ہے بادشاہ اور فرمانروا ہو یا نہ ہو۔ اور امامت اس معنے میں ایک ایسی بات ہے کہ کسی گروہ نے اُسکو ثبوت کو نہیں پہونچایا ہے۔ اور نہ قرآن و حدیث اسکے موید ہیں۔ اور نہ حضرت علی کی اولاد نے اس معنے پر کسی عہد میں اتفاق کیا ہے۔ اہل سنت و جماعت خلافت کو ضمیمہ امامت جانتے ہیں۔ یعنے جبکہ امام موجود ہو تو خلافت اُسکا حق ہے۔ کسی دوسرے کو نہ لینا چاہیئے۔ پس اصل مسئلہ یہ ہوا کہ امام کی اطاعت فرض ہے۔ پھر اگر کوئی معصوم کسی کو اپنی طرف سے بادشاہ بنادے تو اسکی بادشاہت صحیح متصور ہوگی۔ اور خود وہ معصوم امام رہے گا۔ اور یہ شخص خلیفہ جسطرح حضرت شموئیل علیہ السلام نے طالوت کو خلیفہ کردیا تھا۔[1]

مسئلہ امامت میں بہت سے اختلاف اور شعب پیدا ہو گئے ہیں اور یہ مسئلہ بڑا خلافی مسئلہ ٹہرا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ امام بعد رسول خدا کے فلاں شخص ہے بنص۔ کوئی کہتا ہے فلاں شخص ہے باجماع۔ ایک کچھ کہتا ہے۔ اور دوسرا کچھ کہتا ہے پھر اس پر ترتیب تکفیر و تضلیل و تبدیع و تشنیع کی جاتی ہے۔ پھر اس کارروائی سے طرح طرح کی عداوتیں باہم پیدا ہوتی ہیں۔ جس سے نوبت خونریزی اور تفرق فی الدین کی پہونچتی ہے۔ اللہ نے ہمکو اپنا بندہ واسطے اداے واجبات شرعیہ کے بنایا ہے جیسے نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ۔ ہم پر یہ واجب نہیں ہے کہ ہم یہ امر جانیں کہ فلاں شخص فلاں وقت میں خلیفہ تھا اور فلاں شخص اُس وقت میں خلیفہ نہ تھا۔ اسلئے کہ یہ ایک ایسی بات ہے کہ قلم اُس سے سوکھ چکا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کا حکم اُسکے ساتھ بندوں کے درمیان اجرا پاچکا ہے۔ وہ سب روز قیامت کو اللہ پاک کے سامنے کھڑے ہونگے وہاں جو مبطل ہے مصیب مخطی سے ممتاز و میز ہو جائیگا ہمکو کیا پڑا ہے

---

[1] دیکھو ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء

کہ ہم ایسی قوم سے مشتغل ہوں جنکو گذرے ہوئے ایک زمانہ دراز گذر گیا ہے نہ اُنکے محسن لئے ہمارے ساتھ کوئی احسان کیا ہے اور نہ اُنکے مسیٔ نے ہمارے ساتھ کوئی بُرائی کی ہے۔ اور جب کسی شخص کا یہ اعتقاد ہو کہ اللہ کے کسی بندہ پر معرفت اس امام کی واجب ہے جس کا زمانہ اس نے نہیں پایا ہے تو یہ دعویٰ اُسکا بغیر برہان شرعی کے قبول نہ ہوگا کیونکہ اس شریعت کے واجبات محض دعوے سے ثابت نہیں ہوتے ہیں۔ اگر یہ بات صحیح ٹھہرے تو پھر معرفت نبوت انبیا علیہم السلام کی بھی آدم علیہ السلام سے تا خاتم النبوت واجب بلکہ اوجب ہوگی۔ کیونکہ امامت رسالت کی فرع ہے۔ اور جمہور اہل سنت کا یہ مذہب ہے کہ امامت کا سارا بحث حقیقۃً مسائل فقہیہ میں سے ہے۔ اسلئے کہ امام کا مقرر کرنا امت پر بدلیل سماعی واجب ہے۔ پس یہ حکم مکلف سے متعلق ہے جو فقہ کا موضوع ہے۔ گروہ ناجی اور فرقہائے ناری کا اختلاف کھولدینے کی غرض سے علم کلام میں لے آتے ہیں لیکن اس باب میں تحقیق وہ ہے جو صاحب مسامرہ شرح مسایرہ ابن ہمام نے اختیار کیا ہے کہ امامت کے سارے مباحث ایسے نہیں ہیں جو صرف فعل مکلف سے متعلق ہوں اسلئے ان میں سے بعض اعتقادی بھی ہیں۔ مثلاً اس بات کا اعتقاد کرنا کہ امام اول حضرت ابو بکر ہیں پھر حضرت عمر اور خلفا کی تفضیل علی الترتیب بھی اسی قبیل سے ہے۔ پس اس مسئلہ کے عقاید سے ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ مگر باوجود اسکے جمہور اہل سنت اسکو ظنی جانتے ہیں۔ قطعیت پر کوئی دلیل کافی قایم نہیں ہے۔ اور اہل سنت کے نزدیک مسئلہ افضلیت مستقل ہے ترتیب خلافت پر متفرع نہیں اور نہ ترتیب خلافت پر موقوف ہے۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ خلافت اس ترتیب پر نہ ہوتی تب بھی ترتیب افضلیت اس نہج پر ہوتی کہ سب صحاب رسول اللہ میں سے افضل ابو بکر صدیق ہیں پھر عمر پھر عثمان پھر علی رضی اللہ عنہم تمام اہل سنت وجماعت اور اکثر قدمائے معتزلہ اسی مذہب پر ہیں اور خوارج ونواصب کے نزدیک بھی صرف حق شیخین میں یہی ترتیب ہے۔ اور خطابیہ کے نزدیک سب سے افضل حضرت عمر ہیں۔ اور فرقہ عباسیہ جو امامت

سلہ دیکھو ازالۃ الخفا حاشیہ شفاء الاوہام مولفہ مخنوکا ﷺ

حضرت عباس کا قایل ہے۔ اُسکی رائے میں افضل اصحاب عباس بن عبدالمطلب ہیں اور شیعہ تمام علی الاتفاق حضرت علی کو سب سے افضل جانتے ہیں۔ اور نفس قطعی خلیفہ یا امام کرنے پر کسی جانب میں نہیں ہے۔ خلافت اور امامت کا وجود ان چار طور سے متقرر ہوتا ہے ایک اہل حل و عقد کی بیعت سے اور وہ علماء و قضاة و امراء و مشاہیر قوم ہیں کہ انکے سامنے بیعت کی جائے مگر تمام ممالک اسلام کے اہل حل و عقد کا بیعت کے وقت موجود ہونا شرط نہیں کیونکہ یہ محال ہے اور نہ ایسے ایک ایک دو دو آدمی کا ہونا مفید ہیں۔ خلافت حضرت صدیق اور حضرت علی کی ایسے طور پر منعقد ہوئی ہے دوسرا طور استخلاف ہے کہ خلیفہ عادل اُن آدمیوں میں سے جو ایسے منصب کی لیاقت رکھتے ہوں اُن میں سے ایک شخص منتخب کرکے مسلمانوں کی دلسوزی و ہمدردی کی وجہ سے وصیت کر دے کہ میرے بعد اس شخص کی متابعت کرنا چاہئے۔ حضرت فاروق کی خلافت اسی طور سے واقع ہوئی تیسرا طور شوریٰ ہے کہ خلیفہ چند ایسے آدمیوں کو جن میں شرائط خلافت جمع ہوں خلافت کے لئے نامزد کرکے مسلمانوں کو یہ وصیت کر دے کہ تم جسکو چاہو ان میں سے خلافت کے لئے اختیار کر لینا۔ حضرت عثمان کی خلافت اسی طور پر منعقد ہوئی تھی چوتھا طور یہ ہے کہ جب خلیفہ کا انتقال ہو جائے تو کوئی شخص منصب امامت کو بغیر بیعت اور استخلاف اور مشورے کے حاصل کرکے تمام آدمیوں کو اپنے حلقۂ اطاعت میں کھینچ لے اور خواہ وہ تالیف قلوب کے ساتھ یا زور و خونریزی کرکے خلیفہ و امام ہو جائے۔ پھر یہ طور دو قسم پر ہے (۱) ایسے خلیفہ میں شرائط خلافت موجود ہوں اور اپنے مخالفوں کو صلح اور تدبیر کے ساتھ اپنی مخالفت سے روک دے اور کسی امر حرام اور ناجائز بات کا مرتکب نہ ہوا ہو۔ یہ قسم جائز ہے۔ اور معاویہ بن ابی سفیان کی امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات اور امام حسن سے صلح کے بعد اسی قسم کی تھی (۲) اُس میں ساری شرائط امامت مجتمع نہ ہوں۔ اور حرام اور ناجائز باتوں کا ارتکاب کرکے مخالفین سے اپنی حکومت تسلیم کرائے۔ ایسا شخص اگرچہ گنہگار ہے مگر ضرورت کی وجہ سے اُسکی اطاعت اُن احکام میں جو شرع کے موافق ہوں جائز ہے

عبدالملک بن مروان اور اول خلفائے بنی عباس کی خلافت وامامت کا انعقاد اسی طرح ہوا ہے۔ جب حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوگیا تو صحابہ نے امر امامت و متابعت امام کو ہر شئے پر مقدم کیا۔ یہانتک کہ حضرت کی تکفین وتجہیز سے پہلے یہی کام کیا۔ پھر حضرت ابوبکر مر گئے تو وہ حضرت عمر کو ولیعہد کر گئے۔ پھر حضرت عمر نے چھ شخصوں کے مشورے پر چھوڑا۔ جب حضرت عثمان شہید ہوئے تو علی مرتضیٰ سے بیعت کی بعد انکے امام حسن سے مگر یہ اس بات کو متلزم نہیں کہ انکے لئے کوئی نص ہو۔ بلکہ ظاہر ہے کہ ان بزرگوں نے کوئی نص یا اشارہ شارع سے پایا ہوگا۔ جب ہی یہ کام کیا۔ اور لوگوں میں انکی نسبت یہ کام مشہور ہوگئے۔ جسطرح کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ یا شافعیؒ نے یہ کام واجب کئے ہیں پھر مسلمان اسی دستور پر چلا کئے کہ سلطان ایک ہی ہو اور امامت مجتمع رہے۔ پھر جبکہ اقطار اسلام وسیع ہوگئے اور لوگوں میں اختلاف پڑا اور ہر قطر پر اقطار سے ایک سلطان مستولی ہوگیا تو سب لوگوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ جب کوئی بادشاہ مرتا تو دوسرے کو اسکی جگہ منصوب کرنے میں جلدی کرتے اور یہ جو بعض معاندین ومخالفین کہتے ہیں کہ حضرت علی کی خلافت مطلقاً منعقد نہ تھی اسلئے کہ انعقاد خلافت کے چار طور ہیں۔ نص اور بیعت۔ اور وصیت اور تسلط۔ اور یہ چاروں باتیں یہاں موجود نہیں۔ جواب اسکا یہ ہے کہ انکی خلافت مہاجرین و انصار میں سے اہل حل وعقد کی بیعت سے منعقد ہوئی تھی اور طلحہ اور زبیر نے بھی بیعت بخوشی خاطر کی تھی اور انھوں نے خود حضرت علی مرتضیٰ کی خلافت کا انکار نہیں کیا تھا بلکہ قصاص حضرت عثمان کی طلب میں جلدی کرتے تھے اور اتنا تامل نہیں کیا کہ حضرت علی کی مرضی معلوم ہو جاتی۔ اس وجہ سے مخالفت انکی طرف سے وقوع میں آئی اور یہ انکی خطائے اجتہادی[۲] سمجھنا چاہئے اور معاویہ نے جو اس جماع میں شرکت کی تو اسکا مضائقہ نہیں۔ کیونکہ ان کو اسوقت اجتہاد کی قدرت نہ تھی کہ وہ آنحضرت کے سامنے سے اجتہاد کا پایہ رکھتے تھے اور انکو فتوے اور تعلیم کی اجازت دے دی تھی۔

---

[۱] دیکھو سبیل چار سو لغد شو کانی ۱۲ [۲] دیکھو شرح عقائد نسفی مولفہ علامہ تفتازانی ۱۲

جیسے حضرت عمر و علی وعبداللہ بن مسعود و معاذ بن جبل و زید بن ثابت وغیرہ۔ معاویہ نے صحابہ سے بہت سی احادیث کو سنتے سنتے آخر بعض مسائل فقہ میں دخل پا لیا تھا یہی مطلب ہے ابن عباس کے اُس قول کا جو معاویہ کی شان میں ہے انہ فقیہٌ اور امامیہ مسئلہ امامت کو اصول عقاید سے جانتے ہیں اسلئے اپنے تئیں امامیہ کہتے ہیں۔ اور انکا اعتقاد یہ ہے کہ زمان تکلیف امام فاطمی سے خالی نہیں ہوتا اور امامت اولاد بی بی فاطمہ میں ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نص جلی یا خفی کی وجہ سے اور یہ قدر مشترک انکی سارے فرقوں میں یہی عقیدہ ہے اور سب سے پہلے جس نے مذہب امامیہ میں کلام کیا علی بن اسمٰعیل میثم[1] تمار ہے جو اصحاب حضرت علی بن ابی طالب میں سے تھا۔ کتاب خرائج الجرائح میں ہے کہ میثم تمار ایک عورت کا اہل کوفہ میں سے غلام تھا۔ جناب امیر نے اُسے آزاد کرکے آزاد کیا۔ اور حلی نے اُسی کتاب خلاصہ میں متقدمین میں ذکر کیا ہے۔ اور کشی میں مذکور ہے کہ اسکا خاندان بیت التمارین کے نام سے مشہور تھا اور اُسکے متبعوں کو میثمیہ کہا کرتے ہیں۔ اور ہشام ابن الحکم احول وہشام ابن سالم جوالیقی و محمد بن علی بن نعمان کرنی و زرارہ بن اعین کوفی بھی انہیں سے ہیں جنہوں نے اول مذہب امامیہ میں گفتگو کی کہ بعد قتل زید شہید کے ان لوگوں نے شیعہ کیسانیہ و مختاریہ کو امام محمد باقر و امام جعفر صادق کی امامت کیطرف دعوت کرنا شروع کی اور انکے گروہ بڑھ گئے اور اپنے واسطے خاص امامیہ کا لقب اختیار کرلیا اور زید شہید کے اتباع کو زیدیہ کہنے لگے۔ اور ان دعاۃ امامیہ نے اپنے نفسوں کو امام زین العابدین اور انکی اولاد کیطرف منسوب کیا اور محمد بن حنفیہ اور انکی اولاد کی امامت سے انکار کرنے لگے جس قدر مختاریہ رہگئے تھے وہ اور جماعت تفضیلیہ انہیں میں ملگئی اور مذہب امامیہ کی صورت پیدا ہوگئی۔ یہی لوگ مذہب امامیہ کے پیشوا اور اسلاف ہیں اور انکے مذہب کے راوی بھی یہی ہیں۔ انہی سے امامیہ نے اپنے دین و مذہب کو لیا ہے اور انکے قول و فعل پر اعتماد رکھتے ہیں۔ اور زرارہ بن اعین و بکر بن اعین و سلیمان جعفری و محمد بن مسلم وغیرہ کو

[1] اس لفظ میں یائے تحتانی ساکن کے بعد ثائے مثلثہ ہے۔ کذا فی منتہی المقال ۱۲

عیون الطائفہ و وجوہ الطائفہ کہتے ہیں حالانکہ یہ نہایت بدتر اور مجسمہ ہیں کہ اپنے واسطے معبود موہوم و ذہنی تراش کرکے ہزاروں قبائح اُس آدمی کے اوپر چپکاتے ہیں اور اُسکے واسطے جسم اور صورت اور جہت ثابت کرتے ہیں۔ چنانچہ علی بن اسماعیل میثم اور ہشام بن حکم اور ہشام بن سالم اور محمد بن علی بن نعمان کوفی متفقاً یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جب اللہ تعالےٰ آسمان دنیا پر نزول کرتا ہے تو ملائکہ آسمانہائے بالا اور حاملان عرش و کرسی اور ساکنان جنت اُسکے اوپر ہو جاتے ہیں پس اُنکے مقابلہ میں اللہ تعالےٰ جہت تحت میں ہوتا ہے اور جن ائمہ کے یہ داعی بننے کے مدعی تھے وہ ان باتوں سے متنفر تھے۔ اور ان لوگوں پر لعن کرتے اور گمراہ جانتے اور امامیہ اکثر صحابہ کی تکفیر کرتے ہیں کہ اُنہوں نے حق حضرت علی کو چھین لیا۔ اور چھپا یا اور ان سب کا طریقہ امامت میں جعفر صادق تک اتفاق ہے پھر بعد انکے اختلاف کرتے ہیں۔ انہیں سے بعضے فرقے نہایت بدتر ہیں اور غلاۃ میں داخل ہیں جو امام جعفر تک امامت کے معاملہ میں مشترک ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ حکمیہ اصحاب ہشام بن حکم کندی شیبانی کوفی۔ انکو ہشامیہ بھی کہتے ہیں۔ انکا قول یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ چاندی کے ٹکڑے کی طرح سفید صاف اور ستھرا ہے اور ہر طرف سے چمکتا اور روشن ہے اور صورت انسان پر طویل عریض عمیق ہے۔ طول اسکا مثل عرض کے اور عرض اسکا مثل عمق کے ہے اور اپنی بالشت سے سات بالشت ہے۔ لون و طعم و رائحہ دار ہے اور یہ تمام صفات اُسکی ذات کے مغایر نہیں ہیں اور وہ کھڑا ہوتا اور بیٹھتا اور ہلتا جلتا اور ٹھہرتا اور چلتا پھرتا بھی ہے اور ماتحت الثریٰ کو بذریعہ شعاع نوری کے جانتا ہے جو اُسکے جسم سے نکلکر اُسطرف پڑتی ہے اور عرش پر رہتا ہے اور ارادہ الٰہی ایک حرکت ہے جو نہ اُسکی عین ہے اور نہ غیر ہے اور اللہ تعالےٰ کو اشیا کا علم اُنکے پیدا ہو جانیکے بعد حاصل ہوتا ہے۔ قبل اُنکے وجود کے وہ اُنھیں جان سکتا۔ اور اُسکا علم نہ قدیم ہے اور نہ حادث ہے اور کلام اُسکی صفت ہے جو نہ مخلوق ہے

اور نہ غیر مخلوق اور اللہ تعالے پر اعراض دلالت نہیں کر سکتے بلکہ اجسام اُسپر دلالت کرتے ہیں کیونکہ اجسام کے ساتھ اُسکو شباہت ہے اور یہ شخص اللہ تعالیٰ پر بداء بھی تجویز کرتا تھا اور اُسکے زعم میں امام پر معصیت جائز نہیں ہے۔ اور انبیاء پر جائز ہے اور کہتا تھا کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے فدیہ لینے سے اسیران بدر سے عصیان خدا کا کیا تھا۔ کہ بدر کی لڑائی میں ستر کافر پکڑے آئے حضرت نے صحابہ سے مشورہ پوچھا کہ انکو کیا کریں اکثر مسلمانوں کی مرضی ہوئی کہ فدیہ لیکر چھوڑ دیں شاید کہ حق تعالے ان کو توفیق اسلام کی عطا کرے اور بعضوں کی مرضی ہوئی کہ سب کو قتل کریں کہ یہ کفار کے سردار ہیں۔ آخر مال لیکر چھوڑ دیا۔ اللہ تعالے اس بات سے ناخوش ہوا۔ اور آیات عتاب کی ماکان لنبی ان یکون له اسری حتی یثخن فی الارض تریدون عرض الدنیا والله یرید الآخرۃ والله عزیز حکیم لولاکتاب من الله سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم نہ تھا لائق واسطے نبی کے یہ کہ اُنکے یہاں قیدی آویں یہانتک کہ خونریزی کرے ملک میں۔ تم چاہتے ہو اسباب دنیا کا اور اللہ چاہتا ہے آخرت اور اللہ زور آور ہے حکمت والا۔ یعنے نبیوں کو مال سمیٹنا نہ چاہئے بلکہ کافروں کی ضد توڑنی چاہئے وہ بات اسمیں ہے کہ قتل کرے تا کہ اُسکے خوف سے کفر کی ضد چھوڑیں اگر نہ ہوتا لکھا ہوا اللہ کی طرف سے کہ پہلے گذرا اور وہ یہ کہ قیدی لوگوں میں بہتوں کی قسمت میں مسلمان ہونا تھا تو تمکو آپڑتا اُس لینے میں بڑا عذاب۔ ہشام کی تالیف کی بہت سی کتابیں ہیں مختلف بیانوں میں جیسے توحید اور حدوث اجسام اور جبر و قدر اور امامت اور ابطال امامت مفضول اور معتزلہ اور زنادقہ اور طلحہ و زبیر اور استطاعت وغیرہ میں مختار کشی کی کتاب میں ہشام کے چچا عمر بن یزید سے منقول ہے کہ وہ اوائل میں جہم بن صفوان کے مذہب پر تھا۔ پھر امام جعفر صادق کی ہدایت سے شیعہ جعفریہ میں داخل ہوگیا اور فرقہ ہشامیہ کا ظہور ۱۹۰ھ میں ہوا تھا۔

۲ - جوالیقیہ۔ اتباع ہشام بن سالم جوالیقی جوزجانی کوفی ہیں جو بشیر بن مروان

بنی حکم کا غلام تہا اسکا قول شنیع یہ تہا کہ اللہ انسان کی صورت پر ہے نصف اعلیٰ اسکا مجوف ہے یعنے خالی اور نصف اسفل مصمت ہے یعنے ٹہوس۔ اللہ کے سر کے بال کالے ہیں وہ گوشت و خون نہیں رکہتا ہے بلکہ ایک چمکتا نور ہے۔ اُسکے حواس خمسہ مثل حواس انسان کے ہیں۔ ہاتھ پانوں مُنہ آنکہہ کان سب کچھ ہے مگر شرمگاہ اور ڈاڑہی نہیں ہے۔ اس فرقہ کا ظہور سنہ۱۱۳ھ میں ہوا۔ خلاصہ میں مذکور ہے کہ وہ جعفر صادق اور موسیٰ کاظم کے اصحاب میں سے تہا اور اس فرقہ کو سالمیہ بھی کہا کرتے ہیں۔

۳۔ زراریہ زرارہ بن اعین شیبانی کوفی کے پیرو ہیں۔ یہ کہتا تہا کہ اللہ تعالیٰ کے صفات حادث ہیں اور قبل حدوث صفات کے اللہ نہ عالم تہا اور نہ سمیع اور نہ بصیر اور نہ قادر اور نہ حی یہانتک کہ اُس نے اپنے لئے یہ سب کچھ اکتساب کیا۔ اس فرقہ کا ظہور سنہ۱۵۰ھ میں ہوا۔ کتاب ابن داؤد میں مرقوم ہے کہ زرارہ باقر و جعفر موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہم کے راویوں میں سے ہے سنہ۱۵۰ھ میں انتقال کیا۔ اُس نے ایک کتاب استطاعت اور جبر کی تحقیق میں لکہی ہے۔

۴۔ یونسیہ یہ یونس بن عبدالرحمن قمی کے متبع ہیں اسکا اعتقاد یہ تہا کہ اللہ عرش پر ہے جس کو ملائکہ اُٹہائے ہوئے ہیں۔ اور اُسکی قوت ملائکہ کی قوت سے زیادہ ہے۔

۵۔ نعمانیہ یہ محمد بن علی بن نعمان کوفی صیرفی کیطرف منسوب ہیں۔ جس کو اہل سنت شیطان الطاق اور شیعہ مومن الطاق کہا کرتے ہیں۔ اور اہلسنت کی کتب میں یہ فرقہ شیطانیہ کے نام سے زیادہ مشہور ہے مگر شہرستانی وغیرہ نے نعمانیہ کے نام سے لکہا ہے۔ کنیت اسکی ابو جعفر اور لقب احول ہے اسی لئے ابو جعفر احول کہلاتا ہے اور اسکو مومن الطاق یا شیطان الطاق اسلئے کہتے ہیں کہ کوفہ میں ایک مقام طاق کے نام سے مشہور ہے وہاں اسکی دوکان تہی جسمیں بیٹہا ہوا درم و دینار پرکہا کرتا تہا حضرت علی کی امامت کے باب میں ایک کتاب اسنے لکہی ہے جسکا نام اجتماع ہے اور خوارج کے ردّ میں بہی ایک کتاب اسکی ہے یہ شخص

معتزلہ وشیعہ دونوں کی بدعات میں ملا جلا کرتا تہا۔ اسکا یہ مذہب تہا کہ اللہ کو اشیا کے پیدا کرنے سے قبل اُسکا علم نہیں ہوتا اور اللہ بندوں کے افعال کا عالم ہوتا تو یہ بات مستحیل ہوتی کہ بندوں کا امتحان اختیار کرنا اور اسکو زعم تہا کہ اللہ تعالے ایک نور ہے غیر جسمانی اور باوجود اسکے قایل تہا کہ اللہ تعالے انسان کی صورت رکھتا ہے اور یہ شخص رجعت کا قایل تہا۔ اور اس فرقہ کا ظہور ۱۱۳؁ھ میں ہوا۔

۶۔ مفوضہ یا تفویضیہ اس فرقہ کا ظہور ۱۲۵؁ھ میں ہوا تہا انکا قول یہ ہے کہ اللہ تعالے نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو پیدا کرکے پیدایش عالم وتدبیر عالم کو اُنکے سپرد کر دیا ہے اور جو کچھ دنیا میں ہے اُنکے لئے مباح کر دیا ہے۔ پس تمام عالم اُنہی کا پیدا کیا ہوا ہے اور ان میں سے بعض نے یہ کہا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب کے سپرد فرمایا ہے اور ایک فرقہ انہیں سے یہ کہتا ہے کہ دونوں کے سپرد کیا ہے۔ اور بعضے کہتے ہیں کہ سب آئمہ کے سپرد کیا ہے۔

۷۔ بدائیہ یہ لوگ اسکے قایل ہیں کہ بدا اللہ پر جایز ہے۔ یعنے جایز ہے یہ بات کہ اللہ تعالے کسی شے کا ارادہ کرے اور پہر اس سے پشیمان ہوجائے اسلئے کہ ظاہر ہووے اُسپر وہ چیز کہ پہلے سے اُسپر ظاہر نہ تہی جس طرح کہ آدمی میں تبدیل رائے ہوتی ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ خلافت خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کی بہی اسی طرح پر ہوئی کہ اللہ تعالے اُنہیں خلیفہ بنا کر پشیمان ہوا۔ اور انکی تعریف میں جس قدر آیات نازل کیں وہ سب آخر کار اُسکے واسطے موجب ندامت کا ہوئیں۔ انکا ظہور ۱۲۵؁ھ میں ہوا۔ حکمیہ اور زراریہ اور سالمیہ جسکا نام جوالیقیہ بہی ہے اور دوسرے امامیہ جیسے مالک جعفی و دارم بن حکم وریان بن صلت بہی اللہ تعالے پر بدا کے قایل ہیں امامیہ بات بنانے کے لئے بدا کی طرح طرح کی تاویلیں کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اہل سنت نے بدا کے جو معنے سمجہے ہیں وہ امامیہ کی مراد نہیں بلکہ اسکے اَور معنے ہیں جو انکار کے لائق نہیں جسکا خلاصہ یہ ہے کہ ظاہر لفظ بدا

یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالے حکم دیدینے کے بعد اُسکے وقت معززہ پر واقع ہونے سے قبل ممانعت کرتا ہے اور۔ اس سے اللہ تعالے کی خطا اور جہل و پشیمانی ثابت نہیں ہوتی اسلئے کہ مطلب اس قول سے یہ ہے کہ جس طرح کبھی آقا کو اپنے نوکر سے اطاعت وتابعداری دوسروں پر ظاہر کرنا ہوتی ہے تو ایک مشکل کام کا حکم فرماتا ہے اور جب نوکر وہ کام شروع کرتا ہے تو منع کر دیتا ہے اسی طرح اللہ تعالے بھی ایسا کرتا ہے کہ ظہور حسن وطاعت کے لئے ایک کام کا حکم دیتا ہے پھر منع بھی کر دیتا ہے۔ اور مصداق اسکا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ہے کہ انکو اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے ذبح کرنیکے لئے حکم دیا اور جب وہ تعمیل کو آمادہ ہوئے اور دونوں کی جانب سے حکم الٰہی پر رضامندی اور صبر وتسلیم ظاہر ہوگیا تو منع فرما دیا اور دونوں کا اجر المضاعف کر دیا۔ ابو الفتوح نے کنز العوائد میں اسکی تحقیق وتفصیل کی ہے۔ اور باقی فرقہ امامیہ کی تفصیل یوں ہے۔

۸۔ حسینیہ جنکا ظہور ۱۰۵ھ میں ہوا ہے۔ انکا اعتقاد یہ ہے کہ جناب امیر کے بعد حسن مجتبےٰ کو امامت پہونچی پھر حسن مثنےٰ کو امام حسن کی وصیت سے امامت پہونچی۔ پھر انکے بیٹے عبداللہ امام ہوئے پھر عبداللہ کے بیٹے محمد جو نفس زکیہ کے لقب سے معروف ہیں۔ بعد نفس زکیہ کے انکے بھائی ابراہیم بن عبداللہ امام ہوئے ان دونوں بھائیوں نے منصور دوانقی خلیفہ بغداد کے عہد میں امامت کا دعوےٰ کیا۔ اور مارے گئے۔ ان میں سے بعضے اس بات کے معترف ہیں کہ نفس زکیہ مارے نہیں گئے۔ بلکہ غائب اور مخفی ہیں اور عرصہ کے بعد ظہور کرینگے اسی واسطے ان لوگوں کا نام نفسیہ مشہور ہے۔

۹۔ باقریہ انکا عقیدہ یہ ہے کہ امام محمد باقر مرے نہیں ہیں زندہ اور مہدی منتظر ہیں۔

۱۰۔ حاصریہ انکا عقیدہ یہ ہے کہ امام باقر کے بعد انکے بیٹے ذکریا امام ہیں اور وہ کوہ حاصر میں چھپے ہوئے ہیں جب اللہ انکو حکم دیگا تو نکلیں گے۔

۱۱- ناوسیہ یہ عبداللہ بن ناوسی بصری کے متبع ہیں اسکا عقیدہ یہ تہا کہ کہ امام جعفر صادق زندہ ہیں اور غائب ہوگئے ہیں اور وہی مہدی موعود ہیں اور بعضے ناوسیہ کہتے ہیں کہ بعضے شیعہ صادق کبہی کبہی خلوت میں انکو دیکھ بہی لیتے ہیں انکا ظہور ۱۰۵۵ھ میں ہوا یہ لوگ بغداد میں تھے۔ خاصکر سنہ ۵ میں پھر فتنہ تاتار کی وجہ سے تباہ ہوگئے۔

۱۲- عماریہ کہ عمار کے متبع ہیں اور عقیدہ انکا یہ ہے کہ جعفر صادق نے وفات پائی تو انکے بیٹے محمد نامی ہوئے۔

۱۳- عمائیہ یہ لوگ عبداللہ بن عمار کے پیرو ہیں اور عبداللہ بن جعفر صادق کو امام جانتے ہیں۔ ان عبداللہ کا لقب افتح تھا الف کی فتح اور فے کی سکون اور طائے مہملہ کی فتحہ اور حائے حطی کے سکون سے اُن کو افطح اسواسطے کہا کرتے تہے کہ ان کے دونوں پاؤں چوڑے تھے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ سر چوڑا تہا۔ اور یہ افطح اسماعیل بن جعفر کے حقیقی بہائی تہے۔ عمائیہ کہتے ہیں کہ افطح چونکہ لاولد مرے ہیں اور امامت کا سلسلہ اُنکی اولاد میں جاری نہیں رہا ہے اسلئے پہر دنیا میں آوینگے۔ اور منتہی المقال سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ افطح کی امامت کے جو لوگ قایل ہیں وہ فطحیہ کہلاتے ہیں اور یہ فطحیہ ائمہ اثنا عشر کی امامت کے قائل ہیں۔ اور ساتھ انکے عبداللہ افطح کو بہی امام مانتے ہیں۔ کہ انکو جعفر صادق اور موسیٰ کاظم کے درمیان میں داخل کرتے ہیں اور شہید نے نقل کیا ہے کہ عبداللہ افطح کی امامت کے امام موسیٰ کاظم اور علی رضا کے درمیان میں معترض ہیں اور توضیح المقال میں لکھا ہے کہ یہ فرقہ فطحیہ اسلئے کہلاتا ہے کہ سرگروہ اسکا عبداللہ بن فطیح کوفی تہا یہ لوگ اسی کی طرف منسوب ہیں۔

۱۴- اسحاقیہ یہ کہتے ہیں کہ اسحاق بن جعفر اپنے باپ کے بعد امام ہیں۔

۱۵- مفضلیہ - یہ اصحاب مفضل بن عمر کے ہیں کہتے ہیں کہ جعفر صادق کے بعد

موسیٰ کاظم امام ہوئے کہ جعفر صادق نے اُنکے لئے نام لے کر نص کردی تھی۔ اس طرح کہ ساتواں تمہارا کہ قائم و امام تمہارا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں یوں کہا تھا کہ صاحب تمہارا کہ قائم تمہارا ہے آگاہ ہو کہ وہ ہمنام صاحب توریت ہے۔ اُنکی وفات کے قایل ہیں۔ اسلئے انکو قطعیہ بھی کہتے ہیں کہ اُنکی موت کو قطعی جانتے ہیں۔

۱۶۔ موسویہ انکو امام موسیٰ کاظم کی موت وحیات میں شک ہے، اسی واسطے امامت کو اُنہیں پر منحصر سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں اُنکے بعد سلسلہ امامت بند ہوگیا۔

۱۷۔ ممطوریہ یہ لوگ موسیٰ کاظم کی حیات کے قایل ہیں کہتے ہیں وہ نہیں مرے اور اُنہیں کو مہدی موعود امام منتظر جانتے ہیں۔

۱۸۔ رجعیہ انکا قول یہ ہے کہ موسیٰ کاظم کا انتقال ہوگیا ہے لیکن پھر وہ دنیا میں لوٹ کر آئینگے اور چونکہ یہ تینوں فرقے امامت کو موسیٰ کاظم پر موقوف رکھتے ہیں اسلئے واقفیہ بھی کہلاتے ہیں۔ توضیح المقال میں اختیار سے سلسلہ وار ابوالقاسم حسین بن محمد بن عمر بن یزید کے چچا تک روایت کی ہے کہ واقفیہ کی ابتدا کی یہ صورت ہے کہ اثنا عشرہ کے پاس تیس ہزار دینار بابت زکوٰۃ مال وغیرہ کے جو کچھ اُنپر واجب تھا جمع ہوگئے اُنہوں نے وہ دینار امام موسیٰ کاظم کے وکلا کے پاس جو کوفہ میں رہتے تھے بھیجدئے اور یہ دو شخص تھے جنمیں سے ایک کا نام حیان سراج ہے اور موسیٰ کاظم اُس زمانہ میں ہارون الرشید کے حکم سے بغداد میں محبوس تھے۔ ان وکیلوں نے ان دیناروں سے مکانات اور غلہ وغیرہ اشیا خرید کرلیں۔ جب موسیٰ کاظم کا ۱۸۳ھ میں انتقال ہوگیا اور ان وکلا کو بھی خبر پہونچی تو یہ اُنکی موت کے منکر ہوگئے۔ اور اس مال کے دبا لینے کی غرض سے یہ بات شیعوں میں مشہور کردی کہ وہ نہیں مرینگے فرماتے تھے کہ میں حیّ لایموت ہوں اور قایم وہی ہیں۔ پس بہت سے شیعہ کا اسی پر عقیدہ جمگیا کہ امام موسیٰ کاظم زندہ ہیں اور وہ مال اُن دونوں وکیلوں کے پاس دم آخر تک رہا۔ پھر انتقال کے وقت اُنہوں نے وصیت کردی کہ امام موسیٰ کاظم کے ورثا کو دیدیا جائے تب شیعہ سمجھے کہ اُنہوں نے مال کی حرص سے یہ فقرہ گانٹھا تھا۔

اور کتاب فوائد میں یہ ہے کہ واقفیہ اُن لوگوں کو کہا کرتے ہیں جنہوں نے موسیٰ کاظم کے غیر کی امامت پر توقف کیا ہے۔ اور اُنکے بعد پھر کسی کو امام نہ مانا ہے اور جب مطلق واقفیہ استعمال کرتے ہیں تو یہی فرقہ مراد ہوتا ہے جو موسیٰ کاظم پر امامت کو موقوف رکھتا ہے اور جب کہیں اَور معنے میں آتا ہے تو وہ کسی قرینہ کے ساتھ ہوتا ہے جنمیں سے ایک قرینہ یہ ہے کہ جس نے موسیٰ کاظم کو نہ پایا اور اُن سے قبل یا اُن کے زمانہ میں مرگیا تو یہ واقفی اسوجہ سے ہے کہ امام موسیٰ کاظم کی امامت کا مقر نہیں ہوا جیسے سماعہ بن مہران اور علی بن حسان اور یحییٰ بن القسم۔

اور تحقیق یہ ہے کہ واقفیہ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو امامت کو موسیٰ کاظم پر موقوف رکھتے ہیں دوسرے گروہ ہیں جو خود موسیٰ کاظم کی امامت میں اُنہی کے وقت میں کسی شبہہ کی وجہ سے متوقف تھے اور اُنہیں امام تسلیم نہیں کرتے تھے۔

۱۹- احمدیہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ موسیٰ کاظم کے بعد اُنکے بیٹے احمد امام ہوئے۔ اپنی نوبت یہ بھی پوری کر گئے۔

۲۰- جعفریہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ جعفر صادق کے بعد موسیٰ کاظم بن جعفر امام ہوئے پھر علی رضا بن موسیٰ پھر محمد تقی بن علی رضا پھر علی نقی بن محمد تقی پھر حسن عسکری بن علی نقی اور حسن عسکری لاولد فوت ہوئے کوئی اولاد نہیں چھوڑی اور نہ اُنکے کوئی بیٹا محمد نامی پیدا ہوا پس یہ مہدی کی ولادت کے منکر ہیں۔

۲۱- اثنا عشریہ جب لفظ امامیہ مطلقاً بلا قید بولتے ہیں تو یہی فرقہ مراد لیتے ہیں ان کا ظہور ۲۶۰ھ میں ہوا ہے یہ لوگ کہتے ہیں کہ جب حسن عسکری بن علی نقی نے ربیع الاول ۲۶۰ھ میں وفات پائی تو پانچ برس کا ایک[۳] لڑکا محمد نامی نرگس کنیز کے شکم سے چھوڑا جو نصف شعبان ۲۵۵ھ میں پیدا[۴] ہوا تھا مہدی موعود اور خاتم الائمہ یہی ہیں

---

[۱] دیکھو مقدمہ اولیٰ کتاب منتہی المقال فی احوال الرجال ۱۲ [۲] دیکھو عمدۃ الطالب در انساب آل ابی طالب

[۳] دیکھو اصول کافی کلینی میں مولد صاحب الزمان اور کشف الغمہ میں جو شیعہ کی معتبر کتاب ہے لکھا ہے کہ ۲۳ رمضان ۲۵۸ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۲

کہ اعداء کے خوف سے مخفی ہوگئے ہیں اسلیئے یہ لوگ کہتے ہیں کہ امام بارہ ہیں اسی لئے انکا لقب اثنا عشری ہوگیا ہے اور انکے ہاں ترتیب ائمہ کی اسطرح ہے کہ امامت حضرت علی بن ابی طالب میں ہے پھر حسن بن علی رضی اللہ عنہ میں پھر حسین بن علی میں پھر علی بن حسین میں جنکا لقب زین العابدین اور کنیت ابوبکر و ابوالحسن و ابو محمد ہے پھر محمد بن علی میں جنکا لقب باقر اور کنیت ابوجعفر ہے پھر جعفر بن محمد میں جنکا لقب صادق اور کنیت ابوعبداللہ ہے پھر موسیٰ بن جعفر میں جنکا لقب کاظم اور کنیت ابوالحسن و ابو ابراہیم ہے پھر علی بن موسیٰ میں جنکا لقب رضا و مرتضیٰ و صابر و رضی و وفی اور کنیت ابوالحسن ہے پھر محمد بن علی میں جنکا لقب تقی (تائے فوقانی سے) و جواد اور کنیت ابوجعفر ہے اور انکو ابوجعفر ثانی بھی کہتے ہیں پھر علی بن محمد میں جنکا لقب ہادی و عسکری اور کنیت ابوالحسن اور عرف نقی (نون سے) ہے پھر حسن بن علی میں جنکا لقب زکی و خالص اور کنیت ابو محمد ہے اور عرف عسکری ہے پھر محمد بن حسن میں جنکی کنیت ابوالقاسم اور القاب مہدی و منتظر خلف الصالح و صاحب الزمان و حجت و قائم ہیں اور یہی امام منتظر ہیں۔
انکو زندہ غیر مردہ بتاتے ہیں کہتے ہیں کہ خوفِ اعدا سے غائب ہوگئے ہیں ظاہر ہوکر زمین کو عدل سے بھر دینگے جس طرح کہ جور سے بھر گئی ہے۔ مگر انکی غیبت کے وقت اور سن و سال میں بہت اختلاف کر کے چند فرقے بنگئے ہیں۔ بلکہ بعضے کہتے ہیں کہ وہ مرگئے ہیں پھر لوٹ کر دنیا میں آئینگے اسوقت میں اثنا عشری کے نزدیک دعاۃ کا سلسلہ بند ہوگیا۔ ہاں بعضے یہ دعوے کرتے ہیں کہ ہم امام غائب اور امامیہ کے درمیان میں سفارت کرتے ہیں اور پھر یہ سفیر اپنی وفات کے وقت جانشین کر دیتے اور یہ سلسلہ ۲۶۶ھ ہجری سے شروع ہوا۔ جب علی بن محمد ۳۱۶ھ میں سفیر ہوا اور ۳۲۹ھ میں فوت ہوا۔ اسکے بعد سے سفارت کا سلسلہ بھی بند ہوگیا اور وہ خاتم السفرا سمجھا جاتا ہے۔ اور اسکے بعد امام کی طرف سے کوئی سفیر نہیں آیا۔ اور امام نے غیبت کبریٰ اختیار کر لی۔
پس غیبت کبریٰ کی ابتدا ۳۲۹ھ سے ہے اور جب تک انکے پاس سے سفیر آتے رہے وہ غیبت صغریٰ کہلاتی رہی جسکی موت ۷۴ سال ہے جیسا کہ صاحب کشف الغمہ[1]

[1] یہ کشف الغمہ شیعہ کی معتبر کتاب ہے اور پورا نام اسکا کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ ہے ۱۲

نے تصریح کی ہے اور متقدمین امامیہ اثنا عشری اپنے ائمہ کے مذہب کے پابند تھے۔ اور یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ اللہ تعالےٰ کا مرتکب کبیرہ کو عفو کر دینا جائز ہے مگر متاخرین معتزلہ کے اقوال و کلام پر جھک پڑے اور رویت حقتعالےٰ کا انکار کرنے لگے اور بندوں کو اُنکے افعال کا خالق بتانے لگے اور اُنکے نزدیک متعہ کی حلیت کا اعتقاد لازم ہے اور عذاب قبر کے منکر ہیں اور جو فعل قبیح ہوتا ہے اُسکی نسبت خدا تعالیٰ کیطرف نہیں کرتے۔ اور امامت کو خدا ئے تعالیٰ کا لطف جانتے ہیں اور تقرر امامت کو واجب جانتے ہیں اور حیات و علم و قدرت و ارادہ وغیرہ صفات باری تعالیٰ کو عین ذات جانتے ہیں اور حشر و نشر کے قایل ہیں اور علم معتقدات کو بلا دلیل کافی نہیں جانتے اور قایل ہیں اسکے کہ اللہ تعالیٰ اور ائمہ غیر شیعہ کی گمراہی سے راضی ہیں۔

عقایدا ثنا عشریہ کی تفصیل

معرفت اللہ تعالیٰ کی واجب ہے ہر مکلف پر کیونکہ وہ منعم ہے تاکہ ہم اُسکا شکر کریں بیان توحید۔ اللہ تعالیٰ موجود ہے اور واجب الوجود لذاتہ ہے۔ یعنے اپنے وجود میں غیر کا محتاج نہیں اور اسپر عدم جایز نہیں بیان صفات ثبوتیہ اللہ تعالےٰ قدیم ازلی ہے یعنے اُسکے وجود پر عدم سابق نہیں باقی ہے۔ ہمیشہ رہے گا۔ یعنے اُسکے وجود کو عدم لاحق نہیں ہوتا۔ اور قادر مختار ہے یعنے اگر چاہے کرے چاہے نہ کرے اور عالم ہے یعنے تمام چیزیں اُسکے نزدیک ظاہر اور حاضر ہیں۔ زندہ ہے یعنے صحیح ہے اُس سے کہ قادر ہووے اور جانے اور ہر مقدور پر قادر ہے اور ہر معلوم کا عالم ہے اور متکلم ہے بغیر زبان کے اور اللہ تعالےٰ کے متکلم ہونے سے یہ مطلب ہے کہ کسی جرم سماوی یا جرم ارضی میں کلام ایجاد کیا تاکہ اپنی غرض کو خلق کیطرف پہونچا دے۔ بس اس قسم کے کلام کو اسکا اپنی ذات کیطرف نسبت دیدینا ہی اللہ تعالےٰ کا کلام کرنا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سمیع اور بصیر ہے۔ بغیر کان اور آنکھ کے مطلب یہ ہے مبصرات اور مسموعات کو جانتا ہے اور اللہ تعالےٰ بغیر اعضا کے مدرک ہے یعنے اُس چیز کو جانتا ہے جسکا ادراک

حواس سے ہوتا ہے۔ اور صاحب ارادہ ہے یعنے ترجیح دیتا ہے فعل کی جس وقت
اُسکی مصلحت کو جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ صادق ہے حق بات کہتا ہے۔ کذب سے
منزہ ہے اور کارہ ہے یعنے ترجیح دیتا ہے ترک فعل کی جس وقت مفسدہ فعل کے
ہونے میں جانتا ہے اور واحد ہے اُسکا کوئی شریک الوہیت میں نہیں۔
بیان صفات سلبیہ۔ اللہ تعالیٰ نہ جسم ہے نہ عرض ہے اور نہ جوہر ہے اور نہ کسی جہت
میں ہے اور نہ کسی مکان میں ہے اور وہ نظر کے ساتھ نہیں دکھ سکتا۔ نہ دنیا میں نہ
آخرت میں کیونکہ وہ مجرد ہے اور رویت کے لئے جسم اور جسمیت شرط ہے اور وہ خود بھی
کہتا ہے لَنْ تَرَانِیْ۔ یعنے ہرگز نہ دیکھے گا تو مجھے۔ اور لَاتُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ یعنے نہیں
پاسکتیں اُسکو آنکھیں اور اللہ کے لئے نہ اولاد ہے نہ زوجہ اور متحد اپنے غیر سے
نہیں ہوسکتا۔ اور مرکب کسی شے سے نہیں ہے اور نہ حلول کے ساتھ متصف ہے
اور نہ کسی ایسی صفت کے ساتھ جو اُسکی ذات مقدس پر زائد ہو متصف ہے کیونکہ
اگر ایسا ہوگا تو ذات الٰہی کا حدوث لازم آئیگا اسلئے کہ محل حوادث ہوگی۔ اور اگر
وہ صفت قدیم ہے تو خدا کا تعدد لازم آئیگا اور یہ باطل ہے پس صفات ثبوتیہ
اُسکے عین ذات ہوئے اور اللہ تعالیٰ عالم بالعلم اور قادر بالقدرت نہیں ہے۔ بلکہ
علم اور قدرت عین ذات اُسکی ہیں اور تعدد ذات سے تعدد معنے کا نہیں ہوتا۔ اگر
عالم بالعلم اور قادر بالقدرت ہو تو محتاجی اُسکی صفات کی جانب لازم آئے اور یہ محال ہے
پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ قادر و عالم بالذات و احد المعنی ہے۔ اُسمیں مجال تعدد نہیں ہے۔
بیان عدل۔ اللہ تعالیٰ عادل اور حکیم ہے نہ برائی کرتا ہے اور نہ واجب میں خلل ڈالتا ہے
کیونکہ قبیح کا فعل قبیح ہے اور واجب میں خلل ڈالنا نقصان ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے
منزہ ہے اور غیر سے غنی ہے۔ رضا بہ قضا و قدر واجب ہے اور ہر چیز کہ ہے اور ہوگی
قضا و قدر سے ہے اور ان دونوں سے جبر و ظلم لازم نہیں آتا اسلئے کہ قضا و قدر علم و
بیان کے معنے میں ہے یعنے اللہ ہر شئے کو جانتا ہے جس حالت پر کہ وہ ہے اور اُسکو
ملائکہ سے بیان کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے مکلفین کو جن چیزوں کی تکلیف دی ہے

اُنکا بدلہ ثواب ابدی کے ساتھ تکلیف کے مقابلہ میں دیتا ہے اور ادل آلام کا بھی عوض دیتا ہے۔ جو مکلفین کی ذاتوں پر نازل ہیں اگر ایسا نہ کرے تو ظلم لازم آئے۔ اور اللہ تعالیٰ عادل ہے پس عوض پہونچانا واجب ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے کیا وہ اصلح ہے ورنہ عبث لازم آئیگا اور اللہ تعالیٰ عبث سے بری ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے لئے لطف ضروری ہے کیونکہ خلق کو پیدا کیا اور اُسمیں خواہش رکھی۔ پھر اگر لطف نہ فرماتا تو قبیح کام پر آمادہ کرنا لازم آتا جو قبیح ہے اور لطف سے مراد یہ ہے ادلہ کا مقرر کرنا اور عقل کامل کا دینا اور رسولوں کا بھیجنا اُنکے زمانہ میں اور انقطاع رسل کے بعد امام کا باقی رکھنا تاکہ غرض فوت نہ ہوجائے۔

بیان نبوات۔ ہمارے نبی محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف ہیں وہ رسول ہیں از روئے حق و صدق کے اُنکا سب سے بڑا معجزہ قرآن ہے کہ حق و باطل میں فارق ہے اور باقی ہے قیامت تک اور حجت ہے خلق پر اور وہ اعجاز بوجہ زیادتی فصاحت و بلاغت کے ہے اسطرح کہ جب آپنے تحدی فرمائی اس امر پر کہ اگر میں پیغمبر نہیں ہوں اور یہ کلام الٰہی نہیں ہے تو اسکی ادنٰی سی سورت کی مثل لاؤ کسی سے اُسکا جواب آجتک ممکن نہ ہوا۔ اور آپ قبل بعثت اپنے نفس پر نبی تھے اور بعد اسکے آپ طرف کافۂ خلق کے رسول ہوئے اور تمام انبیا اپنے افعال اور اقوال میں معصوم ہیں تمام عیوب اور گناہ اور سہو اور نسیان سے اول عمر سے آخر عمر تک پس جہاں کلام مجید میں معصیت اور سہو کا ذکر ہے وہ واجب التاویل ہے اور انبیا کا اپنے اہل زمانہ سے افضل ہونا واجب ہے اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہ ہوگا اور وہ تمام انبیا و مرسلین سے افضل و اشرف ہیں۔ انکی معراج جسم عنصری کے ساتھ علانیہ بیداری میں حق ہے۔ اخبار صریح متواتر سے ثابت ہے۔ منکر اسکا دایرہ اسلام سے خارج ہے۔ آپ دروازہ ہائے آسمان سے تشریف لیگئے اس میں حاجت خرق والتیام افلاک کی باقی نہ رہی۔ اُنکا دین ادیان سابقہ کا ناسخ ہے۔

بیان امامت۔ امام کا ہونا لطف الٰہی ہے جس طرح نبی کا ہونا لطف ہے پس نبی کے بعد

امام کا وجود اللہ کی جانب سے اُسکے حکم سے واجب ہے ورنہ قبح لازم آئیگا جو محال ہے اور امام بعد جناب رسالتمآب کے بلا فصل علی بن ابی طالب ہیں اور اُنکے بعد گیارہ امام اُنکی اولاد میں سے ہیں یعنے حسن پھر حسین پھر علی بن حسین پھر محمد بن علی پھر جعفر صادق پھر موسیٰ بن جعفر پھر علی بن موسیٰ پھر محمد بن علی پھر علی بن محمد پھر حسن بن علی پھر محمد بن حسن صاحب الزمان از روئے حق کے ائمہ آدمیوں کے ہیں۔ ہر امام ہمیں سے ایک بعد ایک کے از روئے نصوص متواترہ خلافت کے منصوص ہے اور انکا اپنے افعال واقوال میں معصوم ومطہر ہونا واجب ہے تمام گناہ اور سہو سے خواہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ عمداً اور سہواً اور ائمہ کا اعلم اور افضل ہونا بھی واجب ہے اور مہدی منتظر امام محمد بن حسن عسکری ہیں کہ اپنے والد کے زمانہ میں پیدا ہوئے اور غائب ہیں اور زندہ ہیں اور باقی ہیں جب تک دنیا باقی ہے اور غیبت انکی اپنی خواہش طبعی سے نہیں کیونکہ وہ معصوم ہیں پھر کیسے واجب میں کمی اور خلل کرتے اور نہ پروردگار کی جانب سے ہے کیونکہ وہ عادل اور حکیم ہے پھر قبیح کام کیسے کرتا اور نظروں اور افادات سے اخفا قبیح ہے بلکہ انکی غیبت کافروں کی کثرت اور دوستونکی قلت کی وجہ سے ہے۔ اور انکا ظاہر ہونا مقرر ہے اور امام کی غیبت میں خلق کو اسطرح فائدہ پہونچتا ہے جس طرح کہ آفتاب سے فائدہ پہونچتا ہے جبکہ وہ بادل کی آڑ میں ہوتا ہے۔

بیان معاد۔ اللہ تعالیٰ اجسام فانی کا اعادہ کریگا جیسے کہ دنیا میں تھے تاکہ مستحق کو حق پہونچے انبیا نے اسکی خبر دی ہے پس اعتقاد ساتھہ معاد جسمانی کے واجب ہے اور ائمہ معصومین زمان مہدی میں جماعت امم سالقہ اور لاحقہ کے ساتھ رجوع کرینگے تاکہ اپنی دولت اور حق کا اظہار کریں اور اللہ تعالیٰ نے جو قرآن میں فرمایا ہے یوم نحشر من کل امة فوجا یعنے وہ روز کہ ہم اُسمیں اُٹھا وینگے ہر امت سے ایک گروہ اسی امر کی طرف اشارہ ہے۔ امامت حضرت علی اور انکی اولاد میں سے نہیں نکلتی ہے اگر نکلی بھی تو غیروں کے ظلم سے اور یا حضرت علی اور انکی اولاد کے تقیہ کرنے سے۔ اور جن جن باتوں کی حضرت نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے اور

ہوا تر ہم تک پہونچی ہیں جیسے انبیاء سابقہ کی نبوت اور ارسال رسل اور کتب منزلہ اور وجود ملایکہ اور احوال قبر اور ثواب قبر اور عذاب قبر اور سوال منکر و نکیر اور زندہ ہونا قبر میں اور احوال قیامت اور حساب اور سوال و میزان اور صراط اور بولنا اعضا کا اور اُڑنا نامۂ اعمال کا اور جنت کا ساتھ نعیم اور حور و قصور اور غلمان کے اور دوزخ کا ساتھ عذاب سخت کے فی الحال موجود ہونا اور مظلوم کا ظالم سے انصاف کرنا اور مقرر ہونا ہے جہنم اور حوض کوثر جسکے ساقی حضرت علی ہیں کہ اُس سے پیاسوں کو قیامت میں سیراب کرینگے۔ اور نبی اور ائمہ معصومین کی شفاعت اُن لوگوں کے حق میں جو گناہان کبیرہ کے مرتکب ہوئے ہیں اور فرقہ شیعہ میں سے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا اہل قبور کو اُٹھانا اور قیامت کے مواقف اور اہوال قیامت ان سب کا اعتقاد واجب ہے انمیں سے کسی بات میں شک نہیں کیونکہ خبر دی ہے انکی معصومین نے۔ اور کتاب اللہ میں بھی انکا ذکر آیا ہے منکر انکا ملحد یا منافق ہے۔

خوارج

ان کو نواصب بھی کہتے ہیں سب سے پہلے جو علی کرم اللہ وجہہ پر خروج کر کے اُن سے جدا ہو گئے اور تبرا کیا یہی فرقہ ہے۔ اور اشعث بن قیس بمسعود بن فدک تمیمی۔ زید بن حصین طائی وغیرہ انکے سردار تھے یہ گناہ پر تکفیر کرتے تھے۔ امام پر خروج و قتال روا رکھتے تھے۔ عبداللہ بن عباس نے اُن سے مناظرہ کیا مگر وہ راجع طرف حق کی نہ ہوئے۔ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نے اُن سے مقاتلہ کیا اور ایک جماعت کو قتل کر ڈالا۔ یہ سب کے سب حب حضرت ابوبکر و عمر اور بغض حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم میں غالی ہیں یہانتک کہ بعضے خوارج نے ابن ملجم قاتل جناب امیر کی مدح میں قصاید اور ابیات لکھے ہیں اور اہل سنت و جماعت نے اُنکا دندان شکن جواب دیا ہے۔ یہ سب کلام استیعاب میں موجود ہے۔ اور ان کو **شراۃ** بھی کہتے ہیں۔ خوارج کہتے ہیں کہ ہم نے اپنی جانوں کو واسطے دین خدا کے خرید کر لیا ہے اسلئے کہ ہم نے ایسے ظالم کی رفاقت سے کنارہ کشی کی اسوجہ سے ہم شراۃ ہیں

ہیں کسی نے کہا یہ نام اُنکا اسلیے ہوا کہ وہ شدید الغضب تھے مسلمانوں پر اور ان کو حروریہ بھی کہتے ہیں۔ حرورا نام ہے ایک گانوں کا جو کوفہ کے پاس واقع ہے۔ جب جنگ صفین کے بعد سیدنا علی اور معاویہ میں یہ عہدنامہ منعقد ہوا کہ ابوموسیٰ اشعری اور عمرو بن عاص یہ دو پنچ جو کچھ فیصلہ کریں وہ ہمیں منظور ہے تو حضرت علی کی فوج میں سے چھ ہزار آدمی حکم مقرر کرنے سے ناخوش ہوئے اور لشکر میں سے نکلکر موضع حرورا میں جاکر ٹھہر گئے اور حضرت علی کی تکفیر کرنے لگے اور یہ کہتے تھے کہ لاحکم الا اللہ یعنے ہم کوئی چیز قبول نہیں کرتے مگر جو قران میں ہے اور اس سے مراد انکی یہ تھی کہ ہم حدیث کا اتباع نہیں کرتے حالانکہ ایمان کامل نہیں ہوتا جب تک سنت رسول کی متابعت نہ کیجائے جس طرح قران کی اتباع کیجاتی ہے کیونکہ جس ذات پاک نے ہم کو قران پہونچایا ہے اُسی کا کلام حدیث ہے۔ قران کو تو ہم نے بیان رسول ہی سے جانا ہے۔ پس جب ایک بیان رسول کا نہ مانا تو قران سے ہی کہ رسول کا دوسرا بیان ہے انکار ٹھہرا[1] حضرت علی انکے پاس گئے اور کمان کو ٹیک کر نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ ایک خطبہ کہا اور اُن کو سمجھایا اور فرمایا کہ ہمارے لشکر میں لوٹ چلو انھوں نے تعمیل کی مگر جبکہ اُن کو یہ خبر پہونچی کہ ابوموسیٰ اشعری عمرو بن عاص سے بازی کھاگئے تو وہ لوگ پھر لشکر علی سے نکل گئے۔ اور کوفہ سے چلے گئے ابن عباس اُنکے پاس گئے اور بہت کچھ سمجھایا تو دو ہزار مان گئے اور حضرت علی کے لشکر میں لوٹ آئے مگر چار ہزار نہ لوٹے اور عبداللہ بن وہب راسبی اور ہرقوس بن زہیر علی معروف بہ ذوالثدیہ کے ہاتھ پر ان سبنے بیعت کرلی اور نہروان کو چلے گئے حضرت علی نے انکا تعاقب کیا اور ۳۸ھ میں اور دو ہزار چھ سو کو تہ تیغ کرڈالا اور باقی بچکر نکل گئے اور حضرت علی کی طرف سے کل ستر آدمی کام آئے۔ اور بعض کی رائے یہ ہے کہ حروریہ میں اور عامہ خوارج میں قدرے فرق ہے۔ حروریہ کے نزدیک مرتکب کبیرہ کا

[1] دیکھو جلد دوم دین خالص صفحہ ۳۶-۷

مشترک[۱] ہوتا ہے۔ ورنہ عامہ خوارج کا یہ مذہب ہے کہ وہ کافر ہے نہ مشرک اور بعض کی رائے
یہ ہے کہ وہ منافق ہے اور دوزخ کے تلے کے طبقہ میں جسکا نام ہاویہ ہے ہوگا اور ایمان جملہ
طاعات کا نام ہے فرض ہوں یا نفل۔ حروریہ کے نزدیک یہ بات ہے کہ ایک کبیرہ کرنے سے
نام مرتکب کا بدل جاتا ہے نہ مومن کہلاے نہ مشرک نہ کافر اور حکم اوسکا یہ ہے کہ وہ مخلد
فی النار رہوگا۔ انکو اثبات وعید و خوف میں سلیمن مرتکب کبیرہ پر اور تخلید فی النار میں باوجود
ایمان کے بڑا غلو ہے اسی لئے انکو وعیدیہ بھی کہتے ہیں الکا اتفاق ہے اسبات پر کہ
ایمان اجتناب کرتا ہے ہر معصیت سے تو یہ قوم ضد ہے مرجیہ کی نفی وعد و اثبات وعید میں
اس سے معلوم ہوا کہ حروریہ ایک قوم ہے خوارج کی جس طرح خارجہ کے کئی فرقے اور میں
فتاویٰ عزیزی میں مذکور ہے کہ نواصب فرقہ جدا ہے اور خوارج جدا۔ نواصب بغداد
وشام میں بہت تھے۔ متوکل عباسی خلیفہ بغداد اور اوسکا وزیر علی بن جہم دونوں
نواصب تھے یہانتک کہ ۲۳۶ھ میں متوکل نے امام حسین کی زیارت کے گرداگرد کی تمام
عمارات گروا دیں اور حکم دیدیا کہ کوئی زیارت کو نہ جائے اور ابو یوسف یعقوب بن اسحق
معروف با بن سکیت کو جسکی تالیفات سے اصلاح المنطق لغت میں مشہور کتاب
ہے۔ امام حسن و حسین کی اسکے بیٹوں کے مقابلہ میں تعریف کرنے پر مروا ڈالا اور خود
بھی کچھ اوپر دس برس حکومت کرکے ۲۴۷ھ میں مارا گیا۔ فرق ان دونوں فرقوں میں
یہ ہے کہ خوارج اُن صحابہ کے جنھوں نے باہم لڑائیاں کیں جیسے طلحہ اور زبیر اور حضرت
علی اور معاویہ اور عمرو بن عاص کی تکفیر کرتے ہیں اور نواصب صرف حضرت علی اور
انکی اولاد سے بغض و عداوت رکھتے ہیں۔ متاخرین میں سے حافظ مغربی بھی ناصبی ہے
ابو سعید خدری سے بخاری و مسلم وغیرہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

---

[۱] شرع میں شرک اسکو کہتے ہیں کہ غیر خدا کو شریک خدا کا کرے۔ الوہیت میں یعنے واجب الوجود جانے
یا غیر خدا کو لائق عبادت کے جانے اور شرع میں شرک کفر کے معنے میں بھی آتا ہے اور اقسام کفر
شرک سے کم نہیں بلکہ شرک کے برابر ہیں۔ قرآن شریف تو فصاحت و بلاغت میں اعجاز ہے۔ اور
عربی مبین ہے پس جہاں کفر فرمایا وہاں کفر اور جہاں شرک فرمایا وہاں شرک مراد ہے ۔

مال غنیمت کو جو حنین سے آیا تھا ہر آدمی کو بقدر حاجت بانٹ رہے تھے کہ آپکے پاس قبیلۂ بنی تمیم سے ایک آدمی آیا جسے ذو الخویصرہ کہتے تھے اور آپسے کہنے لگا کہ تقسیم میں عدل کرو اور سب کو برابر دو آپنے فرمایا کہ افسوس تیرے حال پر کہ جب میں نے ناانصافی کی تو اور کون انصاف کرے گا۔ حضرت عمر فاروق نے آپسے عرض کی کہ حضور حکم دیں تو میں اسکی گردن ماردوں حضرت نے فرمایا کہ ایسا مت کرو اسلئے کہ اُسکے واسطے اصحاب ہوں گے ایسے کہ حقیر جانے گا ایک تمہارا اپنی نماز کو انکی نماز کے مقابلہ میں کہ ریاکاری سے بہت اچھی طرح پڑھیں گے اور حقیر جانے گا اپنی روزی کو انکی روزی کے مقابلہ میں اور پڑھیں گے قرآن مگر تاثیر نہ کرے گا قرآن اُن میں نکلیں گے دین سے جیسے کہ نکل جاتا ہے تیر شکار میں سے مکان سے پر تک ورنہیں پایا جاتا ہے تیر میں کچھ اثر حالانکہ گذرا ہے تیر نجاست اور خون سے۔ اُسکے بعض اصحاب کی یہ علامت ہے کہ ایک مرد ہوگا سیاہ رنگ کہ اُسکے ایک بازو میں افزونی ہوگی پستان عورت یا گوشت کے ٹکڑے کی طرح کہ وہ ہلتی ہوگی بغاوت کرینگے یہ لوگ اُن سے جو سب آدمیوں سے بہتر ہوں گے۔ ابوسعید کہتے ہیں کہ جب حضرت علی نے خوارج سے جنگ کی تو میں اُنکے ہمراہ تھا جب فتحیاب ہوئے تو حکم دیا کہ اُس شخص کو مقتولین میں سے تلاش کرو جسکی نسبت حضرت نے وہ خبر دی تھی تلاش کی تو اُسکی لاش ملی اور دیکھا تو وہی علامت موجود تھی جو حضرت نے بیان کی تھی۔ اس شخص کو ذو الثدیہ بھی کہتے تھے۔ ثائے مثلثہ کے ضمہ اور دال مہملہ کی فتحہ اور تشدید تحتانی سے یہی شخص اُن خارجیوں کا سردار تھا اور جنہوں نے کہا ہے کہ ذو الخویصرہ سردار خوارج تھا یہ سہو ہے کیونکہ ظہور خوارج حضرت علی کے زمانہ میں ہوا ہے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ ذو الخویصرہ کی نسل سے خوارج نکلیں گے اور حضرت علی اور اُنکے اصحاب سے جو اپنے زمانہ کے لوگوں سے بہتر ہیں جنگ کرینگے اور شریک بن شہاب سے نسائی نے روایت کی ہے کہ ابو برزہ کہتے تھے کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ذو الخویصرہ کے اُن گستاخانہ الفاظ کے بعد فرمایا یخرج فی آخر الزمان قوم کان ھذا منھم یقرؤن القران لا یجاوز تراقیھم یمرقون من الاسلام کما یمرق السھم من الرمیۃ

سیماھم التحلیق لایزالون یخرجون حتی یخرج آخرھم مع المسیح الدجال۔ نکلے گی آخر زمانہ میں ایک قوم گویا کہ یہ شخص اُنہی میں سے ہے پڑھیں گے قرآن کہ نہیں بڑھیگا اُنکے گلے کی ہنسلیوں سے نکل جاوینگے اسلام سے جیسے نکل جاتا ہے تیر شکار سے علامت اُنکی سر منڈانا ہوگا ہمیشہ رہیں گے خروج کرتے یہانتک کہ نکلیگا آخر انکا مسیح دجال کے ساتھ۔ اور حدیث متفق علیہ میں حضرت علی سے مروی ہے کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خوارج کے حق میں بطور پیشین گوئی کے فرمایا تھا یقولون من خیر قول البریۃ لایجاوز ایمانھم حناجرھم یمرقون من الدین کما یمرق السھم من الرمیۃ فاینما لقیتموھم فاقتلوھم فان فی قتلھم اجرالمن قتلھم یوم القیامۃ کہیں گے بہترین قول خلق کے سے (مراد اس سے قرآن ہے) نہ تجاوز کریگا ایمان اُنکا اُنکے گلوں سے نکل جاوینگے دین سے بسبب فرمانبرداری امام کے جیسا کہ نکل جاتا ہے تیر نشانہ سے پس جہاں پاؤ تم اُن کو قتل کرو انکو کہ تحقیق اُنکے قتل میں ثواب ہے قیامت کے دن اُس شخص کے لئے جو قتل کرے اُنکو اور اُنہی کے حق میں ابوسعید خدری سے مسلم نے روایت کی ہے یکون امتی فرقتین فیخرج من بینھما مارقۃ یلی قتلھم اولیھم بالحق ہوجائے گی امت میری دو فرقے پس نکلے گی درمیان اُن کے سے ایک جماعت نکلنے والی کہ قتل کریگا اُن کو وہ شخص جو بہت نزدیک ہوگا ساتھ حق کے۔ مراد دو فرقوں سے ایک فرقہ حضرت علی کا ہے اور دوسرا فرقہ معاویہ کا۔ اور ایک فرقہ کہ اُن دونوں کے درمیان سے نکلا اُنکو خارجی کہتے ہیں اُنکے مارنے اور دفع کرنیکی طرف متوجہ ہوے حضرت علی کہ بہت نزدیک تھے حق سے اور ابوسعید خدری اور انس بن مالک سے ابوداود نے روایت کی ہے کہ آپ نے خوارج کے حق میں فرمایا وہ بدترین آدمیوں اور جانوروں کے ہیں خوشحالی ہو واسطے اُس شخص کے جو انہیں قتل کرے یا اُنکے ہاتھ سے شہید ہو۔

مگر یہ یاد رہے کہ یمرقون من الدین یا یمرقون من الاسلام سے یہ مراد نہیں کہ وہ دین اسلام سے نکل کر کفار کے حکم میں ہوجائیں گے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اسلام کامل سے

نکل جائیں گے بسبب نکل جانیکے طاعت امام سے۔ فتح القدیر میں لکھا ہے کہ جمہور فقہا اور محدثین کے نزدیک خوارج بغاۃ کے حکم میں ہیں اور بعضے محدثین اُنکے کفر کے قائل ہیں۔ ابن منذر نے کہا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ اہل حدیث کے ساتھ کوئی موافق ہوا ہو تکفیر خوارج میں اور یہ مقتضی ہے اجماع فقہا کی نقل کا اور محیط میں مذکور ہے کہ بعضے فقہا اہل بدعت کی تکفیر نہیں کرتے اور بعضے تکفیر کرتے ہیں اس بدعت والے کی جسکی بدعت دلیل کے مخالف ہے اور صاحب محیط نے اسکو اکثر اہل سنت کیطرف منسوب کیا ہے۔ اور نقل اول یعنے عدم تکفیر اثبت ہے ہاں یہ البتہ ہے کہ اہل مذاہب کے کلام میں اکثر اہل بدعت کی تکفیر واقع ہے لیکن تکفیر اُن فقہا کے کلام میں واقع نہیں جو مجتہد ہیں اور غیر فقہائے مجتہدین کا کلام معتبر نہیں اور مجتہدین سے منقول عدم تکفیر ہے (انتہی کلام صاحب فتح القدیر) عنایہ میں ہے کہ ابو یوسف سے مروی ہے کہ میں قبول نہیں کرتا گواہی اسکی جو صحابہ کرام کی بدگوئی کرے۔ اور اُسکی گواہی قبول کرتا ہوں جو صحابہ سے بیزار اور ناراض ہے اسلئے کہ وہ ایک دین کا معتقد ہے جیسے خوارج و شیعہ اگرچہ وہ باطل پر ہے مگر اس نے اپنا فسق ظاہر نہ کیا دل میں رکھا بخلاف بدگو کے کہ اُس نے اپنا فسق ظاہر کر دیا۔ صاحب مواقف اور شیخ ابوالحسن اشعری اور امام غزالی اور امام ابو حنیفہ بھی اہل قبلہ کو کافر کہنا مناسب نہیں جانتے تھے اور صاحب جامع الاصول نے شیعہ کو اسلامی فرقوں میں گنا ہے اور شرح فقہ اکبر میں ولا تذکر الصحابۃ الا بخیر کے تلے لکھا ہے کہ سب الشیخین کفر نہیں اور یہ اسوجہ سے ہے کہ نہ اسکا کہنا ثابت ہے نہ معنے متحقق ہیں اسلئے کہ مسلمان کو برا کہنا فسق ہے اور شیخین اور دوسرے مسلمان اس حکم میں برابر ہیں۔ سید حموی نے حاشیہ اشباہ میں باب المردۃ میں کہا ہے کہ حکم کرنا ساتھ کفر کے بہت مشکل ہے اور شامی وغیرہ کہتے ہیں کہ صاحب بحر نے جوہرہ سے جو مسئلہ عدم قبول توبہ شیعہ کا نقل کیا ہے وہ غلط ہے قابل التفات کے نہیں عندﷲ تعالی غفور الرحیم ہے سب کی توبہ قبول کرتا ہے اگرچہ پیغمبروں کی جناب میں بے ادبی کی ہو توبہ قبول ہے اور بحر العلوم نے شرح مسلم الثبوت میں لکھا ہے کہ جو علما انکار حکم اجماع کو کفر نہیں جانتے

اُنکے نزدیک شیعہ خلافت حضرت صدیق کے انکار سے کافر نہیں ہو سکتے اور جو اس انکار کو
کفر جانتے ہیں اُنکے نزدیک البتہ کافر ہیں حالانکہ یہ بات تحقیق کے خلاف ہے اسلیئے کہ امام ابو حنیفہ
کے نزدیک شیعہ کفار نہیں اور شیخ ابن ہمام کا میل فتح القدیر میں بحث مسئلہ امامت مبتدع میں
اگرچہ تکفیر شیعہ کیطرف ہے لیکن کتاب خراج میں لکھا ہے کہ کافر نہیں ہیں اور مولوی
ولی اللہ لکھنوی نے مسلم الثبوت کی شرح میں کہا ہے کہ محققین حنفیہ اور متکلمین کی رائے
یہ ہے کہ شیعہ خلافت ابوبکر وعمر کے انکار سے جو اجماع قطعی کے ساتھ اہل سنت کے نزدیک
ثابت ہو چکی ہے کافر نہیں ہوتے اور خلاصہ وغیرہ کتب فتاویٰ میں جو شیعہ کی تکفیر بیان کی
ہے یہ امام ابو حنیفہ سے منقول نہیں یہ مشایخ کی تفریعات میں سے ہے جیسے کہ اور اکثر مسائل
میں اُنہوں نے حکم کفر دیدیا ہے بلکہ ملا علی قاری کہتے ہیں کہ کتب فتاویٰ میں جسقدر
مسائل میں کفر کا فتویٰ دیا ہے وہ باوجود اس خرابی کے کہ نہ تو اُنکے قائل کے حالات
پر اطلاع ہے اور نہ اُنپر دلایل مذکور ہیں اپنے ناقل کے لئے دلیل و حجت نہیں ہو سکتی کیونکہ
مسائل دینیہ میں اعتقاد کا مدار براہین قاطعہ پر ہے علاوہ اسکے مسلمان کو کافر کہنے
میں بہت سی برائیاں ہیں جسکی اصلاح اسقدر کہنے سے نہیں ہو سکتی کہ ان جزئیات
کے منکر پر کافر کا اطلاق تہدید اور دہمکی کے لئے کیا گیا ہے۔ اور بعضے کہتے ہیں کہ اہل قبلہ
کی عدم تکفیر کے متکلمین قائل اور تکفیر فقہا کا مذہب ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ یہاں کفر کے اصلی
معنے نہیں لئے گئے بلکہ مجازاً کفر کا اطلاق اُن چیزوں پر کیا گیا ہے جو کفر پر دلالت کرتی
ہیں کیونکہ کفر کی حقیقت انکار دلی ہے جو تصدیق کا مقابل ہے اور بعض یہ کہتے ہیں
کہ مراد اہل قبلہ سے وہ مسلمان ہیں جسے ایمان کی ضروریات کا اعتقاد ہو اور اس سے ضروریات
دین کا انکار صادر نہ ہوا ہو اور تکذیب دین کی کوئی علامت پائی نہ جائے اور صرف قبلہ کی
طرف منہ کر کے نماز پڑھنے والا مراد نہیں اور ضروریات منحصر ہیں تین چیزوں میں۔ ایک
قرآن کا مفہوم بشرطیکہ نص صریح ہو کہ اسکی تاویل ممکن نہ ہو جیسے ماں بہن اور شراب اور
چوری کی حرمت اور صفات آلہی کا ثبوت اور صحابہ سابقین مہاجرین و انصار کا خدا تعالیٰ
کے نزدیک مقبول ہونا اور اُنکی اہانت و خفت جائز نہ ہونا سورۂ توبہ میں ہے والسابقون

الاولون من المہاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنہم
ورضوعنہ یعنے جو لوگ قدیم ہیں پہلے وطن چھوڑنے والے اور مدد کرنے والے اور جو اُنکے
پیچھے آئے نیکی سے اللہ راضی ہوا اُن سے اور وہ راضی ہوئے اللہ سے۔ دوسری اُس
حدیث کا مفہوم جسکے لفظ خواہ معنے متواتر ہوں اور وہ عام ہے اس سے کہ اعتقادیات
کی قسم سے ہو یا عملیات کی اور عام ہے اس سے کہ فرض ہو خواہ نفل جیسے حضرت رسالت
پناہ کی اہلبیت کے ساتھ محبت واجب ہونا اور جمعہ وجماعت اور اذان اور عیدین کا واجب
ہونا۔ تیسرے وہ چیز جس پر اجماع قطعی ہوگیا ہو جیسے خلفا کی خلافت جب ان تینوں
باتوں کی ضروریات دین میں سے ہونے پر اجماع مقرر ہوچکا تو جو انکا منکر ہے وہ کافر
ہے کیونکہ اجماع قطعی کی غلطی نکالنے میں ساری امت کو گمراہ قرار دینا لازم آتا ہے
جس سے اللہ تعالیٰ کے اس قول کا انکار ٹھہرتا ہے کنتم خیر امۃ اخرجت للناس
تم بہتر ہو سب امتوں سے جو پیدا ہوئی ہیں لوگوں میں اور اس حدیث کا بھی جو متواتر
المعنے ہے انکار لازم آتا ہے۔ لاتجتمع امتی علے الضلالۃ یعنے میری امت گمراہی پر
اتفاق نہ کرے گی۔ مگر تحقیق یہ ہے کہ شیعہ وخوارج کافر نہیں ہوسکتے کیونکہ امام
ابو حنیفہ اور شافعی اہل قبلہ کے کافر ہونیکے باب میں صاف طور پر حکم دیچکے ہیں۔
کیونکہ وہ بھی تاویل رکھتے ہیں۔ امام محمد کہتے ہیں کہ جناب امیر خوارج کو مسجد میں نماز
پڑھنے سے نہیں روکتے تھے امام مالک سے احوال تکفیر اہل بدعت کا پوچھا کہ کیا
یہ کافر ہیں تو کہا کفر سے بھاگے ہیں اور یہ جواب ماخوذ ہے جناب امیر کے جواب سے جو اُنھوں نے
خوارج کے بارے میں دیا ہے۔ چنانچہ دار قطنی وغیرہ میں مروی ہے کہ جب لوگوں نے
اُن سے پوچھا اسر لوھم قال من الشرک فردا یعنے کیا وہ کافر ہیں اُنہوں نے
فرمایا کہ وہ کفر سے بھاگے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جب وہ کفر سے بھاگے ہیں تو ہم کیونکر انکو
کافر کہیں امنافقوھم قال المنافقون لایذکرون اللہ الا قلیلا یعنے کیا منافق
ہیں اُنھوں نے فرمایا کہ منافق نہیں یاد کرتے ہیں اللہ کو مگر تھوڑا سا اور خوارج یاد کرتے ہیں
اللہ کو صبح وشام پھر پوچھا گیا کہ وہ کون ہیں فرمایا اخواننا بغوا علینا یعنے مسلمان ہیں

کہ مرتکب کبیرہ و بدعت ہوئے ہیں۔ اسی لئے خطابی نے کہا ہے کہ اجماع ہے علمائے مسلمین کا کہ خوارج باوجود گمراہی کے مسلمانوں کے فرقوں میں سے ہیں اور جایز ہے نکاح کرنا اُن سے اور کہانا اُنکے ذبیحہ کا اور اُنکی گواہی قبول کرنا اور حضرت علی کے جواب سے اسبات کا بھید بھی معلوم ہوگیا کہ بعض علما نے شیخین کے برا کہنے والے کو کافر کہا اور ختنین یعنے حضرت علی مرتضی و عثمان ذوالنورین کے برا کہنے والے کو کافر کیوں نہیں کہا۔ عمال معاویہ حضرت علی کی مذمت اور ہجو کیا کرتے اور اُنہیں برا کہتے اور انکا نام نہ لیتے بلکہ انکو ابوتراب کہتے تھے اور حضرت علی نماز میں معاویہ اور عمرو بن عاص اور ضحاک و ولید ابن عقبہ اور اعور سلمی کے حق میں بددعا کرتے اور معاویہ نماز میں حضرت علی و حسن و حسین اور عبداللہ بن جعفر کے واسطے بددعا کرتے مگر یہ نہیں کہا گیا کہ سب ختنین کفر ہے اور وہ بھید یہ ہے کہ ختنین نے خود اپنے برا کہنے والوں کو کافر نہیں کہا تھا چنانچہ جناب امیر کی رائے تو معلوم ہو گئی اور حضرت عثمان کا قول مشکوٰۃ میں موجود ہے کہ جب اہل فتنہ نے انکو محصور کیا تو ایک امام مسجد نبوی میں اپنی طرف سے مقرر کر دیا وہ حضرت عثمان کو برا کہتا تھا لوگوں نے اُن سے پوچھا انک امام عامۃ وقد نزل بک ما نری و یصلی بنا امام فتنۃ فما تقول فی ظنک یعنے تم خلیفہ مطلق ہو۔ اور جو کچھ حادثہ تم پر واقع ہوا ہے وہ ہم دیکھتے ہیں اور ہمکو باغیوں کا امام نماز پڑہاتا ہے پس آپ کی کیا رائے ہے حضرت عثمان نے جواب دیا الصلوۃ احسن ما یعمله الناس فاذا احسنوا الناس احسن معھم فاذا اساؤا فاجتنب اساء تھم یعنے آدمیوں کے سارے کاموں میں عمدہ نماز ہے پس جس وقت آدمی خوبی سے ادا کریں تو تو بھی اُنکے ساتھ شریک ہو اور جو برے طور پر ادا کریں تو تو ان سے بچا رہ خلاصہ یہ ہے کہ اگر امام اہل فتنہ عمدہ طور پر نماز پڑہاوے تو اسکی اقتدا کرنا چاہئے اور اگر وہ برے طور پر پڑہاوے ارکان اچھی طرح ادا نہ کرے تو اسکے پیچھے نہ پڑہنا چاہئے پس اُس مبتدع کے ساتھ نماز ادا کرنیکی اجازت دی اگر کہتے کہ وہ کافر ہے تو اسکے پیچھے نماز کیسے ہو سکتی تھی اسلئے قدمائے اہلسنت نے ختنین کی مرضی کے موافق اُنکے برا کہنے والوں کو اہل بدعت و فسق قرار دیا بخلاف سب شیخین کے کہ اُس معاملہ میں چونکہ اس قسم کے آثار مروی نہ تھے اسلئے علمائے شیخین کے برا کہنے والے کی تکفیر کی گو قیاس اسی کو چاہتا ہے کہ برا کہنا سب کا کفر ہو اسلئے کہ بزرگی سب کی متواتر المعنے و ضروریات دین ہو

مگر بہت سے مسایل ایسے ہیں کہ اُنکی نظیر موجود ہیں کہ اُسپر خلاف قیاس عمل کر لیا ہے اور ختنین نے اُنکو کافر قرار نہ دیا تو احتیاط سے کام لے کر اُنکے شبہات کا اعتبار کر لیا کہ سیرت شیخین کا تغیر حضرت عثمان سے واقع ہونا اور تہمت قتل حضرت عثمان کا حضرت علی پر اُنکی نظروں میں بے تتارنیخ ہو گیا تھا کسی طرح اُن مناقب پر جو ختنین کی فضیلت میں وارد ہیں خیال نہیں کیا یا ان معاملات میں تعمق اور غور نہیں کیا اور بعض آیات کے ساتھ استدلال بھی کرتے تھے ختنین نے سمجھ لیا تھا کہ ان لوگوں نے گویا دینداری کے تعصب کی وجہ سے ہم سے مخالفت اختیار کر رہی ہے اور انکار احکام قرآن اور ضروریات دین دانستہ نہیں کرتے ہیں اگرچہ لعنت کرنے اور برا کہنے سے ضروریات دین کا انکار اُنپر لازم آتا ہو مگر وہ کافر نہیں اسلئے کہ کفر کا لزوم کفر نہیں ہے بلکہ کفر کا التزام کفر ہے اسی وجہ سے حدیث شریف میں آیا ہے والحدود والقصاص بالشبہات یعنے ترک کرو حدوں اور قصاصوں کو شبہات کی وجہ سے اسی لئے ختنین نے اپنے مخالفوں کی تکفیر اُنکے شبہہ میں پڑجانیکی وجہ سے نہ کی بلکہ جب متاخرین اہل سنت نے دیکھا کہ اب وہ شبہات بالکل مرتفع ہوگئے اور حق باطل سے ممیز ہو چکا اور اُن مخالفوں کی تہمتیں بے اصل ٹھیریں تو اُنکے برا کہنے والوں کی نسبت بھی تکفیر کا فتوے دیا مگر محققین اہل علم نے یہی لکھا ہے کہ صحابہ کا برا کہنا کفر نہیں چنانچہ جلد سوم رد المختار یعنے شامی کے صفحہ ۲۰۵ میں ہے کہ اختیار میں لکھا ہے کہ ائمہ فقہ کا اتفاق ہے اہل بدعت کی تضلیل و تخطیہ پر اور کسی صحابی کو برا کہنا اور اُس سے بغض رکھنا کفر نہیں لیکن گمراہی ہے۔ غرضکہ بہت سی تفصیل سے رد المختار میں جو حاشیہ در مختار کا ہے مسلمانی ثابت کی ہے اور مولف رد المختار و مصنف در مختار نے کہیں اہل ہوا کو کافر نہیں لکھا۔ بلکہ باب الحیض میں لکھا ہے لایفتی بتکفیر مسلم کان فی کفرہ خلاف ولو بروایۃ ضعیفۃ فتوی نہیں دیا جاتا اُس مسلمان کی تکفیر کا جسکے کفر میں عالموں کا خلاف واقع ہے اگرچہ یہ خلاف ضعیف ہی روایت سے ہو اور صاحب بحر نے کہا ہے وقد التزمت نفسوان لا افتی بشیٔ منہما یعنے میں نے اپنی ذات پر لازم کر لیا ہے کہ میں فتویٰ نہ دونگا کسی چیز پر اُن میں سے یعنے جسمیں اختلاف ہے اسلئے کہ مومن کو کافر کہنا بلا دلیل قطعی خطرناک ہے۔ اور مفتی ابو مسعود نے حاشیہ اشباہ میں تصریح کی ہے کہ عدم تکفیر میں روایت ضعیف بھی کافی ہے اگرچہ وہ روایت ہمارے غیر مذہب کی ہو۔ خوارج کے فرقوں کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ محکمہ جب درمیان جناب امیر اور معاویہ کے مقام صفین میں جنگ ہوئی تو اُنھوں نے جناب امیر سے کہا کہ پنچ اسکو مقرر کرو جو حکم موافق کتاب اللہ کے کرے انھوں نے انکے اصرار سے ابو موسیٰ اشعری اور عمرو بن عاص کو تصفیہ کے لئے پنچ مقرر کیا پھر بوجہ فریب عمرو بن عاص کے ساتھ ابو موسیٰ اشعری کے جناب مرتضیٰ نے پنچایت کو نا منظور کیا تو اسپر وہ لوگ خفا ہوگئے اور جناب امیر کو چھوڑ دیا۔ ان کا سرغنہ اس معاملہ میں عبداللہ بن وہب تھا اور یہ چار ہزار آدمی تھے حضرت علی نے انکو نصیحت کی اور بہت کچھ سمجھایا۔ جب نہ مانے تو ان سے قتال کیا اور ایک جماعت اُن میں اَور ملکی کہ سارے بارہ ہزار ہو گئے انکے اعتقاد میں امام کا قرشی ہونا لازم نہیں عادل ہونا کافی ہے کہتے ہیں کہ اگر امام ظلم وجور کرے تو اسکا معزول کرنا واجب ہے یا مار ڈالنا چاہیئے۔ اور انکے زعم میں امام کا مقرر کرنا واجب نہیں جائز ہے اور مرتکب کبیرہ کو عموماً اور حضرت عثمان وغیرہ اکثر صحابہ کو خصوصاً کافر بتاتے ہیں۔

۲۔ بیہسیہ بیہس[۱] بن الہیصم بن جابر کے متبع ہیں جو قبیلہ بنی سعد بن ضبیعہ سے اور حجاج کے عہد میں ولید نے مدینہ میں قتل کیا گیا اور مصلوب ہوا۔ اسکا یہ اعتقاد ہے کہ ایمان عبارت ہے اقرار او معرفت خدا اور اُس چیز کے علم سے جبکی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ کی ہے اور جو کوئی ایسی چیز کا ارتکاب کرے جبکی حلت وحرمت سے واقف نہ ہو وہ کافر ہے اور بعضے بیہسیہ کی یہ رائے ہے کہ وہ شخص کافر نہیں ہوتا جب تک کہ امام مطلع ہو کر اُس پر حد جاری نہ کرے اور جس چیز میں حد جاری نہیں وہ معاف ہے۔ اور جس وقت امام سے کفر صادر ہوگا تو ساری رعیت بھی کافر ہو جائے گی اور اطفال کا حال کفر وایمان میں اُن کے ماں باپ کا سا ہے۔ اگر وہ کافر ہیں تو یہ بھی کافر ہوں گے اور جو ماں باپ ایماندار ہیں تو یہ بھی ایماندار ہوں گے۔ اور بعضے یہ کہتے ہیں کہ شراب کا نشہ حلال ہے اور نشہ کی حالت میں آدمی کے قول وفعل پر مواخذہ نہیں۔ اور بعضوں کی یہ رائے ہے

[۱] شرح مواقف میں اسیطرح اور ملل ونحل شہرستانی میں ابو بیہس لکھا ہے اور نوع یہی ہے اسلئے کہ تعریفات میں لکھا ہے البیہسیۃ اصحاب ابی بیہس بن الہیصم بن جابر ۱۲

کہ حیض کی حالت میں ارتکاب گناہ کبیرہ کا ہو تو وہ نشہ حرام ہو جاتا ہے اور بندوں کے کاموں کو بندوں کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اس فرقہ کو ھیصیہ بھی کہا کرتے ہیں

۳۔ ازارقہ یہ اصحاب ابی راشد نافع بن الازراق بن قیس کے ہیں۔ یہ حضرت علی کو بوجہ پنچایت کافر کہتے ہیں۔ اور یہ لوگ حضرت عثمان اور طلحہ اور زبیر اور بی بی عائشہ اور عبداللہ بن عباس اور ان مسلمانوں کو جو انکے ہمراہ تھے برا کہتے ہیں کہ یہ سارے مخلد فی النار ہونگے۔ اور کہتے ہیں کہ ہمارے مخالفین کے شہر دار الکفر ہیں اور جو کوئی ان میں سکونت اختیار کرے وہ بھی کافر ہے اور اطفال ہمارے مخالفین کے دوزخ میں جائیں گے۔ اور مخالفین کی اولاد اور عورات کا قتل کرنا حلال جانتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اطفال مشرکین اپنے ماں باپ کے ساتھ دوزخ میں جائیں گے اور وہاں ہمیشہ رہیں گے اور تقیہ کو قول و فعل دونوں میں حرام بتاتے ہیں۔ اور رجم[1] زانی محصن کے منکر ہیں اسلئے کہ وہ قران میں مذکور نہیں کہتے ہیں کہ جو کوئی عورت پر زنا کی تہمت کرے اس کو حد مارنا چاہیے اور جو کوئی محصن مرد پر تہمت کرے وہ محدود نہیں ہوگا۔ اور چور کا ہاتھ قلیل و کثیر میں کاٹنا چاہیے اور انکے زعم میں مرتکب کبیرہ کافر ہے اور کہتے ہیں نبی سے صدور گناہ جائز ہے اور ہر گناہ ان کے نزدیک کفر ہے اور ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی نبی مبعوث کرے اور اسکے علم میں یہ بات ہو کہ یہ نبوت کے بعد کافر ہو جائے گا اور ابن ملجم قتل حضرت علی سے خطاوار نہیں ہوا بلکہ حق پر تھا۔

۴۔ نجدات یہ لوگ نجدہ بن عامر حنفی[2] کے متبع ہیں جس نے یمامہ میں خروج کیا تھا اور اسکو لوگ امیر المومنین کہتے تھے انکو نجدیہ اسلئے نہیں

---

[1] رجم کے معنے سنگسار کرنا اور محصن وہ ہے کہ عاقل و بالغ مسلمان ہو کہ عورت سے نکاح صحیح کے ساتھ صحبت کی ہو

فائدہ۔ آیت رجم اول قران میں تھی بعد ازاں تلاوت اسکی منسوخ ہوئی اور حکم باقی محکمہ آیت یہ الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما البتۃ نکالا من اللہ واللہ عزیز حکیم تفصیل اسکی افلوۃ الشیوع بمقدار الناسخ والمنسوخ میں باب اول کے آخر میں دیکھنا چاہیے ۲؎ حنفی شرح مواقف میں ہے اور یہی اسکے حنفی ملل و نحل میں ہے اور کشاف مصطلحات الفنون میں

کہتے تھے۔ کہ درمیان انکے اور نجد کے رہنے والوں کے فرق ہے اپنے بیٹے کو نجدہ نے ایک بار قطیف کی مہم پر بھیجا اُس نے وہاں کے مردوں کو قتل کیا انکی عورتوں کو قید کر لیا اور قبل تقسیم کے اُن عورتوں کے ساتھ ان فاتحوں نے نکاح کر لیا اور تقسیم سے قبل مال غنیمت میں سے خرچ کر ڈالا۔ جب نجدہ کے پاس آئے اور اُسے ان معاملات کی خبر ہوئی۔ تو اس نے کہا کہ تم کو ایسا کرنا مناسب نہ تھا انہوں نے جواب دیا کہ ہم کو یہ معلوم نہ تھا کہ ایسا کرنا مناسب نہیں۔ نجدہ نے ناواقفیت کی وجہ سے اُنکے عذر کو مان لیا بعد اس فیصلہ کے اصحاب نجدہ میں اختلاف پڑ گیا جن لوگوں نے اُسکے اس حکم کو تسلیم کر لیا اُنکا یہ مذہب ٹھہر گیا کہ دین دو باتوں کا نام ہے ایک اللہ اور رسول کی معرفت اور حرام جاننا اُن مسلمانوں کے قتل کو جو دین میں ہمارے ساتھ موافق ہیں۔ دوسرے اقرار کرنا ساتھ اُس چیز کے جو اللہ کے پاس سے آئی ہے بالاجمال اسکے سوا جو تحریم و تحلیل اور تمام شرائع و فروع ہیں اُن میں لوگ بسبب جہل کے معذور رکھے جاتے ہیں اسی لئے انکو عاذریہ بھی کہتے ہیں باقی تمام باتوں میں سارے نجدات متفق ہیں کہتے ہیں مجتہد خطا کرنے سے گناہگار نہیں ہوتا ہے اور جو کوئی برخلاف اسکے مجتہد کو معذب جانتا ہے وہ کافر ہے۔ اور رجائے تقیہ میں خون اہل ذمہ کے حلال ہیں اور جس نے نظر حرام کی یا جھوٹ بولا یا کسی صغیرہ پر اصرار کیا اور اس سے توبہ نہ کی تو وہ کافر ہے اور جس نے زنا کیا۔ چوری کی۔ شراب پی بغیر اصرار کے ان افعال پر وہ مومن ہے کافر نہیں ہے اور انکا زعم یہ ہے کہ آدمیوں کو امام کی حاجت نہیں مگر جبکہ وہ دیکھیں کہ انصاف اور عدل آپسمیں نہو سکے گا تو اس وقت امام کا مقرر کرنا جائز ہے اور نجدات سارے احکام میں ازارقہ سے مخالفت رکھتے ہیں صرف ایک تکفیر صحابہ میں اُنکے موافق ہیں یعنے یہ بھی حضرت علی و عثمان اور طلحہ اور زبیر اور عبداللہ ابن عباس اور بی بی کو کافر کہتے ہیں (نعوذ باللہ)

۵- اصفریہ

زیاد بن اصفر کی طرف منسوب ہیں۔ بعضوں نے لکھا ہے صفریہ بفتح صاد کہ نعمان بن صفر کے اصحاب ہیں کسی نے کہا کہ یہ منسوب ہیں طرف

عبد اللہ بن صفار کی۔ وہ ایک شخص تھا بنی مقاعس میں سے کسی نے کہا کہ یہ نام انکا بسبب صفرت عادت کے ہوا ہے۔ بعض نے کہا صفریہ بکسر صاد ہے بہرحال سیار کی بدعات میں ازارقہ کے موافق ہیں مگر زانی سے رجم ساقط نہیں بتاتے اور نہ اطفال مشرکین کو کافر و دوزخی جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو شخص عقیدہ میں ہمارا موافق ہو اور وہ قتال میں شریک نہ ہو تو کافر ہے اور اُنکے نزدیک تقیہ قول میں جایز ہے نہ عمل میں اور انکا اعتقاد یہ ہے کہ جس گناہ پر حد جاری ہو سکتی ہے مثلاً چوری اور زناکاری اُسکے مرتکب کو کافر نہ کہنا چاہئے اور جس گناہ میں بوجہ اسکی عظمت کے حد نہیں ہے جیسے ترک نماز و روزہ اُسکا مرتکب کافر ہے۔ اور کہتے ہیں کہ جو عورت دین میں ہمارے موافق ہے اُسکا نکاح اُس سے کر دینا جو دین میں ہم سے مخالف ہے ایسے مقام میں جایز ہے جہاں تقیہ کے سوا چارہ نہ ہو اور جہاں تقیہ کی ضرورت نہ ہو بلکہ علانیہ ہمارے دین کے احکام جاری ہوں وہاں ناجائز ہے۔ صفریہ کو زیادیہ بھی کہتے ہیں ایک نام انکا نکاریہ بھی ہے اسلئے کہ نصف حضرت علی و ثلث حضرت عثمان و سدس بی بی عائیشہ کو ناقص کرتے ہیں۔ ابویزید لیسر کنداد ساکن شہر توزر علاقہ قسطیلیہ نے کہ نہایت بدصورت تھا مذہب نکاریہ اختیار کر کے لوگوں کو اس مذہب کی طرف دعوت کرنا شروع کی جب اسکی جمعیت بھاری ہو گئی تو ۳۳۳ھ میں قسطیلیہ سخر کیا پھر تبسہ اور سبتیہ اور سلب اور اربس کو فتح کر لیا۔ قائم علوی اسماعیلی والی افریقیہ نے فوج آراستہ کر کے قیروان اور رقادہ کی حفاظت کو بڑھا۔ ابویزید نے اُسے شکست دی اور ٹونس اور قیروان اور رقادہ بھی فتح کر لیا تھا یہانتک کہ قائم بھی گھبرا کر مہدیہ میں محصور ہو گیا۔ قائم کے انتقال کے بعد اُسکے بیٹے اسماعیل منصور نے ابویزید پر چڑھائی کی اور ۳۳۵ھ میں اسکو پوری شکست دے کر بربر تک اُسکا تعاقب کیا اور کئی برس تک یوں ہی ابویزید سوڈان کے شہروں کی طرف بھاگا بھاگا پھرا منصور نے بھی پیچھا نہ چھوڑا یہانتک کہ اسکا بالکل قلع و قمع کر دیا اور ۳۳۶ھ میں وہ گرفتار ہوا اور اُسکی کھال نکلوا کر بھس بھروا دیا۔

۶-اباضیہ یہ لوگ عبداللہ بن اباض کے پیرو ہیں جو بنی تقاعس سے تہا اسکا نام حرث بن عمر ہے بعض نے کہاہے کہ یہ فرقہ منسوب ہے طرف اباض کے اُباض بضم الف ایک گاؤں ہے ملک یمامہ میں وہاں نجدہ بن عامر جاکر ٹھہرا تھا مروان بن محمد کے عہد میں اس نے خروج کیا تہا۔ مروان کے حکم سے عبداللہ بن محمد بن عطیہ نے اُس سے جنگ کرکے قتل کیا اور بعضے کہتے ہیں کہ عبداللہ بن یحییٰ اباضی تمام معاملات میں اسکا رفیق تھا۔ اس عبداللہ کا قول یہ ہے کہ جو شخص اہل قبلہ میں سے دین میں ہمارا مخالف ہے وہ کافر ہے مشرک نہیں اُسکے ساتھ مناکحت اور اسکی وراثت جائز ہے اور ہتھیار اور گھوڑا مخالفوں کا جنگ میں لے لینا جائز ہے اور اُسکے علاوہ ناجائز ہے اور ہمارے مخالفین کے شہر دارالاسلام ہیں مگر جو پایہ تخت اُنکے سلطان کا ہے وہ دارالکفر ہے اور مخالفوں کی گواہی ہم پر مقبول ہے اور اُنکے زعم میں مرتکب کبیرہ موحد ہے مومن نہیں اسلئے کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں اور یہ مرتکب کبیرہ کو کافر نعمت جانتا ہے نہ کافر ملت۔ اور اسکے اعتقاد میں استطاعت قبل فعل کے ہے اور بندوں کے افعال کا خدا خالق ہے اور کہتا تہا کہ تمام عالم اصل تکلیف کے فنا ہوجانیکے ساتھ فنا ہوگا اور اولاد کفار کی تکفیر و تعذیب میں متوقف ہے۔ اور متوقف ہے کہ اسمیں بھی نفاق شرک ہے یا نہیں اور متردد ہے اسمیں بھی کہ کوئی ایسا رسول ہونا جائز ہے یا نہیں کہ جسکے ساتھ صدق دعویٰ نبوت پر کوئی معجزہ نہ ہو اور جن احکام کی اُسپر وحی آئی ہو اُنکی تعمیل کا اُسکے اُمتیوں کو حکم نہ ہوا اور امیرالمومنین حضرت علی اور اکثر صحابہ کو کافر کہتا ہے۔ اور یہ اباضی چار فرقے ہوگئے ہیں۔

(الف) **حفصیہ**۔ اتباع ابوحفص[۱] بن ابی مقدام یہ عبداللہ بن اباض کا ایک متبع تہا اور منفرد تہا ساتھ اس قول کے کہ معرفت الٰہی ایمان و شرک میں متوسط ہے۔ پس جس نے اللہ کو پہچانا اور رسول اور بہشت اور دوزخ وغیرہ کا انکار کیا۔ یا گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا وہ کافر ہے مشرک نہیں ہے باقی اباضیہ نے اسکا انکار کیا اور کہا کہ وہ مشرک ہے۔

[۱] دیکھو شرح مواقف اور تعریفات کو اور ملل ونحل میں صرف حفص واقع ہے۔

(ب) یزیدیہ۔ اتباع یزید بن انیسہ۔ یہ اباضی کہتا تہا کہ قریب ہے اللہ ایک رسول عجم سے مبعوث کرے گا اور اُس پر ایک دفعہ ہی پوری کتاب اُترے گی۔ جس سے شریعت محمدی منسوخ ہو جائے گی۔ اور وہ پیغمبر دین صابیا پر ہوگا جسکا قرآن میں ذکر ہے اور اسکے زعم میں ہر گناہ صغیرہ اور کبیرہ شرک ہے اور جن لوگوں نے اپنے اوپر حد جاری ہونے کے کام کئے وہ مشرک ہیں۔

(ج) حارثیہ۔ یہ رائے مہلہ اصحاب ابی الحارث[1] اباضی یہ کہتا تہا کہ بندوں کے افعال مخلوق الٰہی نہیں ہیں بندے خود اُنکے خالق ہیں اور استطاعت قبل فعل کے ہوتی ہے جیسا کہ مذہب معتزلہ کا ہے۔

(د) عبادیہ۔ یہ فرقہ ایک بدعت قبیحہ کے ساتھ منفرد ہوا۔ انکا مذہب یہ ہے کہ جو عبادت ریا کے ساتھ کیجائے اور خدا تعالیٰ کی رضامندی اُس سے مقصود نہ ہو وہ بھی طاعت ہے۔

(۵) عجاردہ۔ یہ عبدالرحمن[2] بن عجرد کے پیرو ہیں۔ یہ گروہ نجدات کے موافق ہے مگر دو شئے میں منفرد ہیں۔ ایک یہ کہ اطفال مشرکین دوزخ میں جائینگے دوسرے اطفال سے بری رہنا تا بلوغ و صفائی اسلام واجب ہے اور جب وہ بالغ ہوجائیں تو انکو اسلام کی دعوت کی جائے۔ اور یہ دس گروہ ہیں۔

(الف) میمونیہ۔ یہ میمون بن عمران[3] کے پیرو ہیں انکا قول یہ ہے کہ خدا تعالیٰ خیر کا ارادہ کرتا ہے شر کا ارادہ نہیں کرتا۔ اور مشرکوں کے اطفال جنت میں داخل ہونگے اور کہتے ہیں کہ استطاعت قبل فعل کے ہوتی ہے اور افعال عباد کا اللہ خالق نہیں ہے اور یہ اپنے مخالفین کے اموال کو حلال نہیں کہتے جب تک کہ مالک مقتول نہ ہو۔ جب مارا جائیگا تو اسکا مال غنیمت ہو جائے گا۔ اور یہ کہتے ہیں کہ مرد کو اپنی نواسی اور پوتی اور

[1] دیکھو شرح مواقف و تعریفات و کشاف اصطلاحات الفنون اور ملل و نحل میں حارث اباضی ہے
[2] دیکھو شرح مواقف و کشاف و اصطلاحات الفنون و ارشاد المسلمین اور ملل و نحل عبدالرحمن کی جگہ عبدالکریم ہے اور تعریفات میں عبداللہ بن عجرد مرقوم ہے
[3] دیکھو شرح مواقف و تعریفات و کشاف و اصطلاحات الفنون و ارشاد المسلمین کو اور ملل و نحل میں میمون بن خالد ہے ۱۲

بھتیجی اور بھانجی سے نکاح کرنا جائز ہے اور انکے اعتقاد میں سورہ یوسف قرآن میں سے نہیں ہے کیونکہ یہ ایک فحش اور عشقیہ قصہ ہے۔

(ب) **حمزیہ**۔ حمزہ بن ادرک شامی کے متبع ہیں یہ لوگ تمام مقالات میں میمونیہ کے ساتھ موافق ہیں مگر اطفال مشرکین کو دوزخ میں بتاتے ہیں اور مسئلہ قدر میں قدریہ کے موافق ہیں اسلئے ازارقہ انکو کافر کہتے تھے۔ اپنے مخالفین کے غنائم کو حلال نہ جانتے تھے بلکہ کل مال غنیمت کا جلا دیتے تھے۔

(ج) **شعیبیہ**۔ شعیب بن محمد کے پیرو ہیں یہ گروہ موافق ہے ساتھ میمونیہ کے۔ انکی ساری بدعات میں مگر یہ کہتے ہیں کہ بندوں کے افعال کا خالق اللہ ہے کیونکہ میمونیہ اس بارے میں مائل طرف قدریہ کے ہیں۔

(د) **حازمیہ**۔ اصحاب حازم بن عاصم[۵] یہ شعیبیہ کے ساتھ موافق ہیں مگر علی کرم اللہ وجہہ کے حق میں متوقف ہیں اور تصریح انکی تبریت کی نہیں کرتے جسطرح کہ دوسروں کی بریت کی تصریح کرتے ہیں اور انکا قول مسئلہ قدر و مشیت میں مثل قول اہلسنت کے ہے ولایت وعداوت میں مخالف خوارج کے ہیں کہ ہمیشہ محب اپنے اولیا کا اور دشمن اپنے اعدا کا ہے۔

(ہ) **خلفیہ**۔ خلف خارجی کیطرف منسوب ہیں یہ لوگ کرمان و مکران کی طرف رہتے ہیں انکا اعتقاد یہ ہے کہ خیر و شر دونوں اللہ کیطرف سے ہیں اور کہتے ہیں کہ اطفال مشرکین دوزخ میں رہیں گے بلا اسکے کہ انہوں نے کوئی عمل و شرک کیا ہے۔

(و) **اطرافیہ**۔ غالب سجستانی کے متبع ہیں یہ گروہ حمزیہ کے موافق ہے مگر منفرد ہے اسبات میں کہ اطراف ملک کے رہنے والے جن احکام شرعی سے واقف نہو نگے وہ اُس میں معذور ہیں ایسے احکام کی عدم تعمیل سے اُنپر مواخذہ نہیں ہوتا اور ان لوگوں کے بہت سے عقاید اہلسنت وجماعت کے بھی موافق ہیں۔ اور مسئلہ قدر میں قدریہ کے مخالف ہیں اور اہلسنت وجماعت کے موافق۔

۵۔ کذا فی شرح للمواقف۔ اور ملل ونحل میں حازم بن علی ہے۔ اور کشاف اصطلاحات الفنون اور ارشاد المسلمین میں شرح مواقف کے موافق ہے۔

(ز) **معلومیہ**۔ یہ اپنے مقالات میں حازمیہ کے موافق ہیں۔ مگر دو مسئلوں میں باہم متباین ہیں۔ ایک یہ کہ جس نے اللہ کو مع جمیع اسماء و صفات کے نہ پہچانا وہ کافر ہے مومن نہیں۔ دوسرے قدر و مشیت میں موافق اہلسنت کے ہیں۔

(ح) **مجہولیہ**۔ یہ بھی تمام عقائد میں حازمیہ کے موافق ہیں مگر یہ کہتے ہیں کہ اللہ کو بعض اسماء و صفات کے ساتھ جاننا ہی مومن ہونے کے لئے کافی ہے اور یہ مسئلہ قدر و مشیت میں موافق قدریہ کے ہیں۔

(ط) **صلتیہ**۔ یہ عثمانؓ بن ابی الصلت کے اتباع ہیں یا عثمانؓ بن صلت بن صامت کے اور بقولے صلت بن صامت کے یا صلتؓ بن ابی صامت کے اصحاب ہیں۔ یہ گروہ عقائد میں عجاردہ کے موافق ہے اور اس قول میں منفرد ہیں کہ جو اسلام لائیگا ہم اسکے دوستدار ہیں لیکن اسکے اطفال سے ہم بری ہیں اسلئے کہ اطفال کے لئے اسلام نہیں ہے جب تک کہ بالغ نہ ہوں بلوغ کے بعد انکو اسلام کیطرف دعوت کرنا چاہئے۔ اور بعضے صلتیہ سے یہ منقول ہے کہ اطفال خواہ مسلمانوں کے ہوں یا مشرکوں کے انکے ساتھ عموماً نہ دوستی ہے نہ دشمنی جب تک کہ بالغ نہ ہوں بلوغ کے بعد انکو دعوت اسلام کرنا چاہئے۔

(ی) **ثعالبہ**۔ یہ ثعلبہ بن عامر کی طرف منسوب ہیں۔ یہ عبدالرحمن عجرد کے موافق تھے مگر اس باب میں مختلف ہو گئے کہ اطفال کے متولی و دوستدار رہنا چاہئے جب تک کہ وہ بلوغ کو پہونچیں۔ پس اگر بعد بلوغ کے وہ انکار حق کریں تو ان سے عداوت رکھنا چاہئے۔ اور ان سے یہ بھی منقول ہے کہ اطفال سے نہ دوستی

سلہ دیکھو تعریفات وارشاد المسلمین اور شرح مواقف کی یہ عبارت ہے الصلتیۃ هو عثمان ابن ابی الصلت وقیل الصلت ابن الصامت۔" سلہ کشاف اصطلاح الفنون میں ہے صلتیہ عثمان بن صلت بن صامت کے۔ اور بقولے صلت بن صامت کے اصحاب ہیں" سلہ ملل ونحل میں مرقوم ہے کہ صلتیہ متبع ہیں عثمان بن صلت یا صلت بن ابی صامت کے"

رکھنے کا حکم ہے نہ دشمنی جب تک کہ بالغ نہ ہوں۔ اور انکا ایک قول یہ ہے کہ غلام سے مال کی زکوٰۃ لینا چاہئے اور جب اُسکے پاس مال نہ ہو تو اسکو زکوٰۃ دینا ہی چاہئے۔

اور بوجہ اختلاف باہمی کے ثعالبہ کے چار فرقے ہوگئے ہیں اور ان میں ہر فرقے نے دوسرے کی تکفیر کی ہے۔

اخنسیہ۔ یہ اخنس بن قیس کے متبع ہیں اور عقائد میں ثعالبہ کے موافق ہیں مگر کئی ایک باتوں میں اُن سے خلاف کیا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ کوئی اگر ایسے شہر میں رہے جہاں بوجہ خوف کفار کے اپنے دین اسلام کو ظاہر نہ کرسکے تو وہ مومن نہیں بلکہ کفر و ایمان میں متوقف سمجھا جائے گا اور انکا قول یہ ہے کہ ہم متوقف ہیں اُن سب لوگوں سے جو دار تقیہ میں رہتے ہیں مگر جس کو ہم مومن پہچانیں گے اُسکو دوست رکھیں گے۔ اور جس سے کفر دیکھیں گے اُس سے بیزار ہوں گے۔ ہمکو جائز نہیں ہے کہ ہم کسی اپنے مخالف سے ابتداً قتال کریں۔ اور اُسکا مال چرائیں۔ اور مومن عورت کا نکاح اُنکی ہمقوم مشرک کے ساتھ انکے زعم میں جائز ہے۔

معبدیہ۔ یہ معبد بن عبدالرحمن کے اصحاب ہیں۔ ان کے نزدیک مومن عورت کا نکاح ہمقوم مشرک مرد کے ساتھ ناجائز ہے اور کہتے ہیں نہ غلام سے زکوٰۃ لینا چاہئے اور نہ اُسکو دینا چاہئے۔

رشیدیہ۔ رشید طوسی کے یار ہیں اُنکو عشریہ بھی کہتے ہیں اسلئے کہ ثعالبہ نے کہا کہ جس زراعت کو نہر اور کول وغیرہ سے پانی لگے تو اسکا حاصل نصف عشر یعنے بیسواں حصہ لینا چاہئے۔ مگر زیاد بن عبدالرحمن نے اُن سے کہا نہیں بلکہ اُس میں عشر یعنے دسواں حصہ واجب ہے۔ مگر جو شخص یہ کہے کہ بیسواں حصہ لو تو اس سے بھی بیزاری ضروری نہیں۔ اُس پر رشید نے یہ کہا کہ جب یہ ٹھہرا کہ ایسے شخص سے بیزاری ضروری نہیں تو ہم اُس کے مطابق عمل کرینگے جیسا کہ اُنھوں نے کیا۔ پس اس کام میں دو فرقے بن گئے۔

شیبانیہ۔ یہ لوگ شیبان بن سلمہ کے متبع ہیں اس لئے ابا م ابو مسلم

خراسان میں خروج کیا تھا۔ ابو مسلم لوگوں کو حلقہ اطاعت خلفائے عباسیہ میں لاتا تھا یہ اُسکی اور علی بن کرمانی کی مدد اور معاونت بمقابلہ نصر بن سیار کے کرتا اسلئے ثعالبہ اس سے بیزار ہو گئے تھے جب شیبان مارا گیا تو بعضے لوگ کہنے لگے کہ اُس نے توبہ کر لی تھی ثعالبہ نے جواب دیا کیا اسکی توبہ نامقبول ہے اسلئے کہ اُس نے ہمارے موافقین فی المذہب کو قتل کیا اور اُنکا مال و اسباب چھین لیا اور توبہ قتل مسلمان کے بعد مقبول نہیں جب تک قصاص جاری نہ ہو۔ اور مال نہ پھیر آجائے یا اس کو بخش دیا جائے سب سے پہلے اسی نے قول بہ تشبیہ ظاہر کیا۔ اور اس کا اعتقاد یہ ہے کہ بندے کو کچھ اختیار نہیں اُسکے سارے افعال اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔

مکرمیہ۔ یہ مکرم بن عبداللہ عجلی کی طرف منسوب ہیں اُسکا قول یہ تھا کہ تارک نماز کافر ہے اُسکا کفر کچھ ترک نماز کے سبب سے نہیں ہے بلکہ اسلئے کہ وہ اللہ سے جاہل ہے۔ اگر وہ جانتا کہ اللہ میرے پوشیدہ اور علانیہ حالات سے مطلع ہے۔ اور اطاعت اسکی بہتر ہے اور نافرمانی بُری ہے تو وہ کبھی نماز کو ترک نہ کرتا یہی قول اسکا تمام کبائر میں تھا یعنے مرتکب اُنکا اللہ سے جاہل ہونیکی وجہ سے کافر ہے اور اللہ تعالیٰ کی دشمنی و دوستی اُسکے بندوں کے ساتھ وقت موت کے معتبر ہے پس جو شخص مرتے وقت مومن مرا وہ اللہ کا دوست ہے اور جو کافر مرا وہ دشمن ہے اور اُن اعمال کا اعتبار نہیں جو موت سے قبل کیے جائیں اسلئے کہ دوامی طور پر اُنکا وثوق نہیں کیونکہ کبھی آدمی سے ادا ہوتے ہیں اور کبھی فوت بھی ہو جاتے ہیں۔ کہتا تھا یہی حال ہماری دوستی و دشمنی کا ہے۔ پس جو شخص مرتے وقت مومن دنیا سے رخصت ہوا وہ دوست ہے اور جو کہ کافر اُٹھا وہ دشمن ہے۔

شبیبیہ یہ فرقہ منسوب ہے طرف شبیب خارجی بن یزید بن ابی نعیم کی اسکا خروج ملک عراق میں خلافت عبدالملک بن مروان میں ہوا تھا اسکے پیروؤں کی جماعت بڑھ گئی عراق میں اُسوقت حجاج بن یوسف ثقفی حکمران تھا شبیب نے حجاج سے

بڑی بڑی لڑائیاں لڑی تھیں آخر کار شبیب کے ہمراہی پریشان ہوگئے اور وہ اپنی سواری کے گھوڑے کی پشت سے ایک پل پر پانی میں گر پڑا اور ڈوب گیا۔ یہ فرقہ فرقہ حکمیہ کے ساتھ عقائد میں موافق ہے لیکن اُن سے اس بات میں منفرد ہے کہ عورت کی امامت و خلافت کو جائز بتاتا تھا۔ اس شبیب نے اپنی ماں غزالہ نام کو اپنا خلیفہ کیا تھا۔ اُس نے کوفہ میں داخل ہوکر خطبہ پڑھا اور نماز صبح مسجد جامع میں جاکر ادا کی پہلی رکعت میں سورۂ بقرہ اور دوسری رکعت میں سورۂ آل عمران پڑھی۔

فرقہ مرجیہ

مُرجیہ لفظ ارجا سے بنا ہے جو مشتق ہے رجا بمعنے امید سے اسلئے کہ مرجیہ کو یہ امید ہے کہ اللہ گنہگاروں کو ثواب دے گا اور مرجیہ یوں کہتے ہیں کہ ایمان کے ہوتے ہوئے کوئی معصیت ضرر نہیں کرتی ہے جس طرح کہ کفر کے ہوتے کوئی طاعت نفع نہیں دیتی ہے۔ یا یہ لفظ مشتق ہے ارجا بمعنی تاخیر سے اسلئے کہ انہوں نے حکم اصحاب کبائر کو آخرت تک موخر کیا ہے پس دنیا میں صاحب کبیرہ پر کوئی حکم نہیں ہو سکتا کہ دوزخی ہے یا جنتی ہے اس صورت میں مرجیہ وعیدیہ کی ضد ٹھہرتے ہیں اور بعضے کہتے ہیں کہ ارجا بمعنے تاخیر سے مرجیہ اسلئے بنا ہے کہ وہ حضرت علی کی تاخیر درجہ اول سے درجہ چہارم پر کرتے ہیں اس صورت میں مرجیہ شیعہ کے مقابل ٹھہرینگے پہلی صورت میں مرجیہ یائے تحتانی کے ساتھ ہوگا اور دوسری صورت میں ہمزہ کے ساتھ یعنے مرجئۃ اور مرجیہ کی طرف نسبت کرکے کبھی مُرجی بغیر ہمزہ کے اور کبھی مُرجئی ہمزہ کے ساتھ بروزن مرجعی کہتے ہیں۔ حقیقت مرجیہ کی یہ ہے کہ انکو اثبات وعد اور نفی وعید و خوف میں مومنین سے غلو ہے اور سارے مرجیہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ اگر کسی گنہگار کا کوئی گناہ معاف کردے تو پھر اسپر یہ لازم ہوگا کہ اُس قسم کے گناہ سارے گنہگاروں کے معاف کرے اور جس قسم کے گنہگار کو دوزخ سے نکالے تو اسپر لازم ہوگا کہ اس قسم کے سارے گنہگاروں کو دوزخ سے نکالے اور مقاتل بن سلیمان مرجی کا یہ قول ہے کہ قیامت کے دن اللہ دوزخ کے اوپر ایک راستہ بچھائیگا اور مومن گنہگار

کو اُس پر سے گذرنے کا حکم ہوگا پس اُنکو دوزخ کی آنچ اور حرارت بمقدار گناہ کے پہونچیگی اور اس الم میں اُنکا عذاب پورا کر لیا جائیگا پھر بہشت میں داخل کیے جائینگے اور یہ جو اختیار میں مذکور ہے کہ مرجیہ کا قول ہے کہ کوئی شخص اگر نہ روزہ رکھے نہ نماز پڑہے نہ غسل جنابت کرے اور کعبہ کو توڑ ڈالے اور اپنی ماں کے ساتھ نکاح کرلے پھر بھی وہ جبریل و میکائیل کے ایمان پر ہے اور کبھی مرجیہ کی تفسیر اشعریہ کے ساتھ کیجاتی ہے۔ انتہیٰ۔ یہ سراسر تعصب ہے۔ سب سے پہلے جس نے یہ مذہب نکالا ابو محمد حسن بن محمد معروف بہ ابن حنفیہ بن حضرت علی بن ابی طالب ہیں اُنہوں نے اس مسئلہ میں گفتگو کی۔ لیکن یہ عمل کو ایمان سے خارج نہ کرتے تھے جس طرح سے کہ اور مرجیہ نے کہا ہے بلکہ یوں کہتے تھے کہ صاحب کبیرہ کافر نہیں ہوتا اسلئے کہ اداے طاعات اور ترک معاصی اصل ایمان سے نہیں ہیں انکے زوال سے ایمان زایل نہیں ہوتا ہے پھر بعد انکے مرجیہ کئی طرح پر ہوگئے۔
قسم اول مرجیہ خالص۔ یہ قایل صرف رجا کے ہیں اور یہ یونسیہ وعبیدیہ وغسانیہ وثوبانیہ وثومنیہ ومریسیہ ہیں
قسم دوم مرجیہ قدریہ۔ یہ قسم جامع ہے درمیان مذہب مرجیہ وقدریہ کے ان لوگوں کے سرگروہ محمد بن شبیب اور صالحی اور خالدی اور ابو شمر ہیں **قسم سوم** مرجیہ جبریہ یہ قسم جامع ہے درمیان مذہب مرجیہ و جبریہ کے جیسے جہم بن صفوان **قسم چہارم** مرجیہ خوارج۔ یہ خوارج بھی ہیں اور مرجیہ بھی۔
اور ابن قتیبہ نے کہا ہے کہ اول واضع ارجا کا بصرہ میں حسان بن بلال بن حارث مزنی ہے اور بعض نے یوں ذکر کیا ہے کہ واضع اول ارجاء کا ابو سلت سمان ہے اُس نے ۱۵۲ھ میں وفات پائی ہے منجملہ مرجیہ کے ایک جماعت ائمہ حدیث بھی گذری ہے جیسے سعید بن جبیر اور طلق بن حبیب اور زید بن جعفر اور محمد بن حسن اور عمر بن مرہ اور محارب بن زیاد اور عمرو بن ذر اور حماد بن سلیمان اور مقاتل بن سلیمان لیکن یہ لوگ مخالف قدریہ وخوارج کے تھے اس بات میں کہ کبیرہ پر حکم کفر کا نہیں لگاتے تھے اور نہ مرتکب کبیرہ کو مخلد فی النار کہتے تھے نہ کسی صحابی سے تبرا کرتے تھے اور نہ کسی طرح کا اُن میں طعن کرتے تھے نہ بُرا کہتے تھے تفصیل مرجیہ خالص کے فرقوں کی یہ ہے۔

۱ پہلا فرقہ یونسیہ ہے کہ یونس بن عمرو نمیری کے متبع ہیں اسکا یہ اعتقاد ہے کہ ایمان [redacted] کا پہچاننا اور اُسکے سامنے عاجزی کرنا اور ترک گردن کشی اور اُسکی دوستی دل میں رکھنا ہے

یونسیہ

اور ان میں سے علیحدہ ہر خصلت نہ ایمان ہے نہ ایمان کا حصہ پس جس شخص میں یہ تمام خصلتیں جمع ہوں وہ مومن ہے اور اسکو ایمان کے ہوتے ہوئے کوئی معصیت ضرر نہیں کرتی نہ کسی گناہ پر اسکو عذاب ہوگا اور نہ کسی طاعت کے ترک کرنے سے سزا پائیگا۔ کیونکہ سوائے شناخت الٰہی کے اور طاعات ایمان کے قبیل سے نہیں۔ ابلیس اللہ کی وحدانیت کو پہچانتا تھا مگر بوجہ تکبر اور سرکشی کے کافر ہوگیا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ابیٰ واستکبر وکان من الکافرین یعنے شیطان نے نہ مانا اور تکبر کیا اور وہ تھا کافروں سے۔ جس کے دل میں اللہ کی محبت اور خوف بیٹھ گیا اور اُسکے ساتھ دل سے دوستی رکھی اور عاجزی کری پھر اُس نے خدا کے حکم کی تعمیل نہ کی تو وہ اس سے گناہگار نہیں ہوتا اور اگر اس سے کوئی گناہ سرزد ہو تو اسکے اخلاص و یقین میں فرق نہیں آتا اور محبت و اخلاص کی وجہ سے جنت میں جائیگا نہ طاعت و ایمان کے سبب سے۔ تنبیہ یہ شخص انس بن عبد الرحمن قمی رافضی سے غیر ہے۔

۲۔ عبیدیہ ہے یہ عبید المکذب کے اصحاب ہیں انکا اعتقاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سارے صفات اُسکی ذات سے غیر ہیں اور وہ ذات مقدس آدمی کی صورت پر ہے۔ اور باقی عقائد میں یونسیہ کے ہم مشرب ہیں۔

۳۔ غسانیہ ہے۔ یہ غسان بن ابان کوفی کے متبع ہیں یہ شخص محمد بن حسن شیبانی کا شاگرد تھا اور نبوت حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا منکر تھا اسکا مذہب بیان میں یہ تھا کہ ایمان نام ہے خدا اور رسول کے پہچاننے کا اور اجمالاً اُن چیزوں کے پہچاننے کا جو شارع سے پہونچی ہیں اور تفصیل کی ضرورت نہیں اور معرفت اجمالی سے مراد یہ ہے کہ یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ نے حج فرض کیا ہے مگر یہ معلوم نہیں کہ کعبہ کہاں ہے اور ہوسکتا ہے کہ وہ مکہ میں نہ ہو اور کسی جگہ ہو اور اللہ نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو رسول بناکر بھیجا ہے مگر یہ یقین نہیں کہ جو محمد مدینہ میں تھے وہی محمد ہیں یا اُنکے سوا کوئی اور ہیں۔ اور سور کا گوشت اللہ نے حرام کیا ہے مگر یہ تحقیق نہیں کہ جس جانور کو عرف میں سور قرار دیکر حرام جانتے ہیں وہی ہے یا غیر ہے۔ واضح رہے کہ اس قول سے مراد غسان کی یہ ہے کہ یہ احکام حقیقت ایمان میں داخل نہیں ہیں اور کچھ یہ نہیں ہے کہ اسکو ان چیزوں کے باب میں شک تھا بلکہ وہ جانتا ہے

کہ اگر مومن یہ سمجھ لے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم یہی ہیں یا کوئی اور ہیں اور کعبہ یہی ہے یا کوئی اور ہے تو اُسکے ایمان میں فرق نہیں آسکتا کیونکہ ایمان کی حقیقت میں انکو دخل نہیں ہے انمیں شک کرنے سے اور انپر اعتماد نہ رکھنے سے ایمان باطل نہیں ہوتا اور غسان اپنے مذہب کے رواج دینے کے لئے یہ کہا کرتا تھا کہ یہ رائے امام ابو حنیفہ کی ہے۔ حالانکہ یہ محض افترا تھا بلکہ علمائے معتزلہ نے بھی امام ابو حنیفہ اور انکے تابعین کو مرجیہ کہا ہے اور وجہ اسکی شاید یہ ہوگی کہ جو لوگ معتزلہ کے مسئلہ قدر میں مخالفت کرتے تھے وہ انکو مرجیہ مشہور کر دیتے تھے یا امام صاحب نے جو فرمایا ہے کہ ایمان تصدیق کا نام ہے اور تصدیق زیادہ ہوتی ہے نہ کم تو معتزلہ کو اس سے یہ خیال پیدا ہو گیا ہوگا کہ امام صاحب نے جو عمل کو حقیقت ایمان سے خارج کر دیا ہے تو انکے نزدیک مغفرت کے لئے ایمان کافی ہے اُسکے ہوتے ہوئے کسی عمل مفروضہ کا ترک اور گناہ ضرر نہیں کرتا کیونکہ اعمال ایمان میں داخل نہیں۔ بلکہ زمخشری نے بوجہ تعصب مذہب اعتزال و قدر کے سارے اہلسنت کو کشاف میں مرجیہ و جبریہ کہدیا ہے اسلئے کہ وہ عمل کو حقیقت میں داخل نہیں کرتے اور نہ یہ کہتے ہیں کہ بندہ خالق افعال ہے اور یہ صاحب کشاف کی غلطی ہے اسلئے کہ اہلسنت و جماعت کہتے ہیں کہ ایمان عبارت ہے تصدیق اور اقرار سے اور عمل سبب ہے کمال ایمان کا نہ یہ کہ ایمان قول ہے بلا عمل۔ پس انکا مذہب توسط ہے جبر و قدر میں۔ دین خالص کے مولف کہتے ہیں کہ یہ قول ہی صحیح نہیں کہ سارے اہلسنت حقیقت ایمان میں عمل کو داخل نہیں کرتے اسلئے کہ حنابلہ و شافعیہ کل اس بات کے قائل ہیں کہ ایمان کی حقیقت میں اعمال داخل ہیں اور یہی رائے بعضے حنفیہ کی بھی ہے اور اسی کو معتبر جانا ہے جیسا کہ مالابدمنہ میں مذکور ہے۔ ہاں مشہور یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ اعمال ذات ایمان میں داخل نہیں مگر یہ ضعیف ہے اور شاہ ولی اللہ صاحب نے تفہیمات میں اسکی تاویل یوں کی ہے کہ امام صاحب مجتہد ہیں اور مجتہد خطا بھی کرتا ہے اور صواب بھی۔ اور خطا پر اُسکے لئے ایک اجر ہے جیسا کہ ثواب پر دو اجر ملتے ہیں۔ اور طرفہ یہ ہے کہ غنیۃ الطالبین میں بھی جہاں تہتر فرقوں کا ذکر کیا ہے وہاں مرجیہ

کے بارہ فرقے شمار کیے ہیں اُنہیں حنفیہ کو بھی مرجیہ کہا ہے ان الفاظ کے ساتھ اما المرجیۃ فھم فرقھا اثنی عشر فرقۃ الجھمیۃ وفلانۃ وفلانۃ والحنفیۃ واما الحنفیۃ فھم اصحاب ابی حنیفۃ النعمان ابن ثابت زعموا ان الایمان ھو المعرفۃ والاقرار باللہ ورسولہ وبما جاء من عندہ جملۃ مگر اسمیں علمائے محققین کو کلام ہے یہانتک کہ شیخ عبد القطب عبد الوہاب شعرانی قدس سرہ اس بات کے قایل ہیں کہ اس عبارت کو معاندین نے اپنی طرف سے غنیہ میں داخل کر دیا ہے بلکہ محققین کو تو اس میں بھی کلام ہے کہ غنیۃ الطالبین حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے بہرصورت امام ابو حنیفہ اور اُنکے اصحاب کو مرجیہ کا ہم اعتقاد خیال کرنا درست نہیں اسلیئے کہ ارجا تو یہ ہے کہ یہ سمجھیں کہ عذاب وعقاب اور رسوا خذہ کسی طرح نہ ہوگا اور ایمان کے ہوتے کوئی گناہ نقصان نہ پہونچا سکے گا سو یہ عقیدہ حنفیہ کا کب ہے بلکہ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالی کی مشیت وارادے میں ہے جسے چاہے معاف کرے جسے چاہے عذاب دے اور گناہگار کے واسطے عذاب بھی ثابت کرتے ہیں اور اُسکے ضرر سے خائف رہتے ہیں ہاں لطف الٰہی پر انکی نظر بھی ہے اسلیئے جانب مغفرت وامیدواری کی رعایت رکھتے ہیں کہ اگر اللہ چاہے تو بغیر توبہ کے تمام گناہ بخشدے اور فاسق کو دوزخ میں نہ ڈالے اس تقریر سے شہرستانی کی بھی غلطی ثابت ہوگئی کہ اُس نے ملل ونحل میں امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کو رجال مرجیہ میں شمار کیا ہے۔ ہاں اہلسنت کو اس وجہ سے مرجیہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ حضرت علی کے خلفائے ثلثہ سے تاخیر کرتے ہیں جیسا کہ اختیار وغیرہ کتب شیعہ میں آیا ہے اور غسان کا یہ اعتقاد بھی تھا کہ ایمان زیادہ ہوتا ہے لیکن کم نہیں ہوتا اور یہ کہتا تھا کہ ہر خصلت کا خصائل ایمان میں سے بعض ایمان (یعنے حصہ وجزو ایمان) نام ہے۔

۴۔ ثوبانیہ ہے۔ یہ ثوبان کے متبع ہیں یہ پہلے مرجی تھا پھر خارجی معتزلی ہوگیا اُسکا یہ قول تھا کہ ایمان عبارت ہے اللہ اور اُسکے رسولوں کے پہچاننے اور انکا اقرار کرنے اور اُن کاموں کے اعتقاد سے جنکا کرنا عقل کے نزدیک ناجائز ہے اور جنکا کرنا عقل کے نزدیک جائز ہے اُن کا اعتقاد کرنا ایمان نہیں گویا اُس نے ایمان کو واجب

ما بالعقل قبل ورود شرع کے ٹھہرایا تھا اس قول میں غسانیہ و یونسیہ سے علیحدہ تھا اور اعمال کو ایمان[1] میں داخل نہیں کرتا تھا اور مومنین کے عذاب دوزخ سے نجات پانے پر اس کو یقین نہ تھا۔

۵۔ تومنیہ ہے۔ یہ لوگ ابو معاذ تومنی فیلسوف کے متبع ہیں اسکا اعتقاد تھا کہ ایمان عبارت ہے تصدیق اور محبت اور اخلاص اور اُس چیز کے اقرار سے جسکی پیغمبر خدا نے تبلیغ کی ہے اور ان سب یا بعض کے ترک کرنے سے کافر ہوتا ہے اور کہتا تھا کہ جس معصیت کے کفر ہونے پر اتفاق نہ ہو تو اس کے کرنے والے کو فاسق نہ کہنا چاہیے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ وہ گناہگار ہو گیا اور فسق کیا اور ترک کرنا نماز کا حلال جاننا کفر ہے اور قصداً کی نیت سے ترک کرنا کفر نہیں فسق ہے اور یہ ساری خصال جنکو ایمان کہتے ہیں انمیں سے بعض خصلت نہ ایمان ہے نہ ایمان کا حصہ ہے کہتا تھا کہ کوئی نبی کو مار ڈالے یا اُسکے تپانچہ مار دے تو وہ کافر ہو جاتا ہے لیکن نہ اسلئے کہ اُس نے پیغمبر کو قتل کیا یا تپانچہ مارا بلکہ اسلئے کہ اُس نے پیغمبر کی تکذیب کی اور ہتک کیا ہے اور اسکو دشمن سمجھا ہے۔

۶۔ مریسیہ ہے کہ بشر بن غیاث مریسی کی طرف منسوب ہیں یہ شخص فقہ میں شاگرد قاضی ابو یوسف تلمیذ امام ابو حنیفہ کا تھا نفی صفات الٰہی اور خلق قرآن کا قایل تھا جیسا کہ عقیدہ معتزلہ کا ہے اس پر اہلسنت نے اُسکی تکفیر کی ہے۔ اور اُس کا اعتقاد یہ تھا کہ بندوں کے کام مخلوق خدا

---

[1] نواب صدیق حسن خان نے خبیئۃ الاکوان میں کہا ہے والایمان فعل ما یجب فی العقل فعلہ۔ اور کشف الغمہ عن افتراق الامہ میں اسکا یوں ترجمہ کیا ہے۔ ایمان بجالانا اُس کام کا ہے جسکا کرنا نزدیک عقل کے واجب ہے۔ اور شرح مواقف میں یوں لکھا ہے الایمان ھو المعرفۃ واالاقرار باللہ وبرسلہ وبکل مالا یجوز فی العقل ان تفعلہ واما ما جاز فی العقل ان یفعلہ فلیس الاعتقاد بہ الایمان۔ غرض اس سے یہ ہے کہ نواب صاحب نے غلط فہمی کی ہے۔

ہیں استطاعت[۱] فعل کے ساتھ ہے جیساکہ عقیدہ اہلسنت کا ہے اسی لئے معتزلہ نے اسکو کافر کہا۔ دوسرا عقیدہ اُسکا یہ تہا کہ ایمان نام ہے تصدیق قلبی واقرار زبانی دونوں کا اور کفر انکار کا نام ہے اور اسکے نزدیک سجدہ کرنا چاند سورج اور بت کو کفر نہیں لیکن کفر کی علامت ہے یہی مذہب ابن راوندی[۲] معتزلی کا ہے بشر کا ایک قول یہ بہی ہے کہ کسی پیغمبر کو قتل کر ڈالنے یا اُسکے طپانچہ ماردینے سے انسان کافر ہوجاتا ہے اور کفر کی وجہ یہ ہے کہ اُس نے پیغمبر کی تکذیب کی اُس سے بغض رکھا نہ اسوجہ سے کہ اس کو قتل کیا یا طپانچہ مارا اور ابن راوندی کا بہی یہی عقیدہ ہے۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے جب بشر سے مسئلہ خلق قرآن ونفی صفات الٰہی

[۱] جنیتہ الاکوان میں کہا ہے۔ زعم ان افعال العباد مخلوقۃ للہ تعالی ولا استطاعۃ مع الفعل اور کشف میں ترجمہ کیا ہے اُسکا اعتقاد یہ تہا کہ افعال عباد مخلوق خدا ہیں استطاعت ساتھ فعل کے نہیں ہے انتہی سچ حق

[۲] یہ ابن راوندی اگرچہ معتزلی ہے مگر اسکے عقیدے میں باصل الحاد بہرا ہوا تہا اسکا نام احمد بن یحییٰ بن اسحاق ہے اور عرف ابن راوندی تہا اس شخص نے کفر والحاد میں کئی کتابیں تصنیف کی ہیں منجملہ اُنکے کتاب زمردہ میں معارضہ قرآن کے بارے میں کہتا ہے کہ ہمنے اکثم بن صیفی کے کلام میں وہ چیز دیکھی ہے جو انا اعطینا الکوثر سے بدرجہا عمدہ ہے اور کہتا تہا کہ انبیا نے طلسمات کے ذریعہ سے دوامی خلق کو جذب کیا جیساکہ مقناطیس لوہے کو جذب کرلیتا ہے اور ایک کتاب نصاری اور یہود کیلئے دین اسلام کے ساتھ مناقضہ کرنیکو بنادی تہی اور یہود کو کہتا تہا کہ تم کہو کہ موسیٰ بن عمران کہگئے ہیں کہ میں خاتم الانبیا ہوں بعد میرے کوئی نبی نہ ہوگا اور اپنی ایک کتاب مسمّٰی بہ فرند میں کہتا ہے کہ مسلمان اپنے نبی کی نبوت پر قرآن کو حجت بتاتے ہیں جسکے ساتھ نبی نے تحدی کی تہی اہل عرب جواب نہ ہوسکا مگر یہ مسلمانوں سے کہا جائے کہ اگر کوئی فلاسفہ قدیم کی نبوت کا مدعی دعویٰ اور جیساکہ تم حجت قرآن کو قرار دیتے ہو وہ بہی اُنکے کسی کام کی کتاب کو حجت بتادے مثلاً کہے کہ اقلیدس کے صدق نبوت پر یہ دلیل ہے کہ اُس نے دعوی کیا کہ کوئی انسان میری کتاب کی طرح نہیں بناسکتا ہے تو کیا اس سے نبوت اُسکی ثابت ہوسکتی ہے۔ اور اسی مذکور نے کہا ہے کہ قرآن میں ہے ان کید الشیطان کان ضعیفا۔ بیشک فریب شیطان کا بودا ہے۔ حالانکہ اُس نے ایسا مکر وفریب کیا کہ آدم کو جنت سے نکلوادیا اور اسکے لیے جنت سے حالات ہیں جن سے ہم نے اعراض کیا اور علمانے سبکا جواب دیا ہے اور وجہ فنا ہونیکی حد بیان سے باہر ہے۔

میں مناظرہ کیا تو اس نے یہ بات کہی کہ تو آورا کافر ہے اسلئے کہ قایل خلق قرآن کا ہے اور صفات الٰہی کی نفی کرتا ہے۔ اور آو را مومن ہے اسلئے کہ قایل قضا و قدر و خلق اکتساب عباد کا ہے۔ بشر کا شمار معتزلہ میں ہے اسلئے کہ صفات الٰہی کا نافی ہے اور خلق قرآن کا قایل تھا مرجیہ غیر خارجیہ

۱- غیلانیہ۔ یہ لوگ منسوب ہیں طرف مروان بن غیلان یا ابو مروان غیلان دمشقی کے اس گروہ میں تین خصلتیں جمع تھیں۔ ارجا۔ قدر۔ خروج۔ قدریہ ہونے کی وجہ سے کہتے تھے فاعل خیر و شر کا بندہ ہے اور خارجی ہونیکے سبب سے کہتے تھے کہ امام کا غیر قرشی ہونا بھی جائز ہے جو کوئی قرآن و حدیث کے موافق عمل کرے وہ قابل امامت ہے اور امامت اجماع امت سے ثابت ہوتی ہے انکے نزدیک ایمان نام ہے معرفت ثانی کا اور وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت (شناخت) اور اسکے ساتھ محبت رکھنا اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں عاجزی اور لاچاری کرنا اور اس بات کا اقرار ہے کہ رسول اللہ کی جانب سے ہے اور جو کچھ اللہ کی جانب سے وہ لایا ہے حق ہے۔ غیلانیہ کی اصطلاح میں اس تفصیل کا نام معرفت ثانی ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ معرفت اول فطری ضروری ہے اور وہ جاننا اس بات کا ہے کہ کوئی عالم کا بنانے والا اور میری ذات کا پیدا کرنے والا ہے سو معرفت اول کو ایمان میں دخل نہیں معرفت ثانی کا نام ایمان ہے۔ اور غیلانیہ کے نزدیک سارے اعمال ایمان سے خارج ہیں۔

۲- شبیبیہ۔ یہ محمد بن شبیب مرجی قدری کے متبع ہیں یہ شخص ایمان کے مسئلہ میں توبانیہ کا ہم اعتقاد تھا یعنے اسکے نزدیک ایمان نام ہے معرفت و اقرار اللہ اور اسکے رسولوں کا اور ان چیزوں کا جنکا کرنا عند العقل ناجائز ہے اور جن چیزوں کا کرنا عقل کے نزدیک جائز ہے اسکا اعتقاد ایمان نہیں اور کہتا تھا اعمال ایمان میں داخل نہیں اور سارے افعال اختیاریہ کا خالق بندے کو جانتا تھا۔

۳- ابو شمر مرجی قدری۔ کہتا ہے کہ ایمان عبارت ہے خدا تعالیٰ کے پہچاننے اور اس سے محبت رکھنے اور اسکے سامنے عاجزی کرنے اور اس بات کے اقرار کرنے سے کہ وہ یکتا ہے کوئی اسکی مثل نہیں اور ان چیزوں کو ایمان جب کہتے ہیں کہ انبیا انپر حجت اور دلیل لاویں اور جب وہ حجت اور دلیل لاویں تو انبیا کا اقرار اور انکی تصدیق بھی ایمان و معرفت سے ہے اور اقرار ان احکام کا جو انبیا اللہ کے پاس سے لائے ہیں ایمان میں داخل نہیں اور ایمان کی ہر خصلت نہ پورا ایمان ہے نہ ایمان کا حصہ بلکہ جب ساری خصلتیں جمع ہوجاتی ہیں تو وہ مجموعہ ایمان ہوتا ہے

اور خصلتہائے ایمان کے لئے عدل کی شناخت ضروری ہے اور شناخت عدل سے مراد قدر ہے یعنے اسبات کا اقرار کرنا کہ تمام خیر و شر کا بندہ آپ خالق ہے نہ خدا تعالےٰ اور یہ شخص اعمال کو ایمان میں داخل نہیں کرتا تہا۔ اور فضل رقاشی اور محمد بن محمد تیمی اور محمد بن زیاد کوفی اور صالح بن عمرو بن صالحی بہی فرقہ مرجیہ کے اعیان میں سے ہیں۔

فرقہ نجاریہ

یہ فرقہ حسین[1] بن محمد بن عبداللہ نجار کی طرف منسوب ہے۔ عبداللہ کا باپ جلاہہ تہا اور بعضوں نے کہا ہے کہ ترازو بناتا تہا۔ قم کا رہنے والا تہا اسکے مناظرے نظام کے ساتہہ رہتے تہے ایک بار مناظرہ میں جب کچہ حجت نہ لاسکا تو نظام نے اسکو دہتکار کر کہا اُٹھ جا رسوا کرے تجھکو اللہ تجھکو کون عالم اور ذی فہم جانتا ہے وہ وہاں سے بخار میں مبتلا ہو کر اُٹھا بیمار پڑکر مر گیا یہ اور اسکے متبع اس اعتقاد میں کہ خالق افعال اللہ ہے اور بندہ کاسب ہے اور استطاعت فعل کے ہمراہ ہوتی ہے اور مسئلہ قضا و قدر اور وعدہ و وعید اور امامت حضرت ابوبکر میں موافق اہلسنت کے ہیں اور نفی صفات الٰہی یعنے علم و قدرت و ارادہ و سمع و بصر و حیات اور خلق قران یعنے حدوث کلام الٰہی اور انکار رویت حق تعالیٰ میں ساتہہ نظر کے موافق معتزلہ کے ہیں۔ نجار کہتا تہا کہ اللہ آخرت میں بندوں کے دلوں میں ایک قوت پیدا کریگا جس سے اسکو پہچان لیں گے۔ پہر وہ قدرت دونوں آنکھوں کی طرف منتقل ہو جائے گی جسکی وجہ سے آنکھوں کو بہی شناسائی اللہ کی حاصل ہو جاوے گی۔ اسی شناسائی کا نام رویت ہے اور اللہ ارادہ کرنے والا خاص اپنے نفس کے ساتہہ ہے اور ایسے جاننے والا بہی خاص اپنے نفس کے ساتہہ ہے اور اللہ ہی نفع و ضرر اور خیر و شر کا ارادہ کرتا ہے اور اسکے صاحب ارادہ ہونیکے یہ معنے ہیں کہ وہ کسی کا مغلوب مطیع نہیں ہے اسکو مجبور کرکے یہی خدا

[1] النجاریۃ اصحاب محمد بن حسین النجار یہ الفاظ شرح مواقف و التعریفات کے ہیں۔ اور ملل و نحل شہرستانی میں یوں ہے النجاریۃ اصحاب حسین بن محمد نجار اور غنیۃ الطالبین میں یوں ہے النجاریۃ اتباع الحسین ابن محمد بن عبداللہ النجار ۱۲

پوری نہیں کر سکتے اور قدرت حادثہ کے لئے بھی تاثیر ثابت کرتا ہے اور اسکا نام کسب رکھا ہے جیسا کہ اہلسنت کا مذہب ہے اور اسکا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ کی ذات ہر مکان میں موجود ہے اور اس سے مراد نہیں کہ اسکا علم یا قدرت ہر مکان میں موجود ہے اور کہتا تھا کہ اللہ کا پہچاننا عقلاً واجب ہے کچھ شرع پر موقوف نہیں اور کہتا تھا کہ مرتکب کبیرہ بقدر اپنے گناہ کے دوزخ میں عذاب پاکر اس سے نکلیگا ہمیشہ دوزخ میں کفار کی طرح رہنا عدل کے خلاف ہے اور سارے بخاریہ اللہ کے لئے ایک ارادہ ثابت کرتے ہیں جو کچھ پیدا ہوتا ہے اُنکی خیر و شر اور ایمان و کفر اور طاعت و عصیان کا اسی کے ذریعہ سے ارادہ کرتا ہے اور عامہ معتزلہ کی رائے اسکے خلاف ہے اور قبر کے عذاب و ثواب اور سوال منکر و نکیر کے منکر ہیں اکثر معتزلہ رَیّے اور اطراف رَیّے کے بھی بخاریہ ہیں اور بخاریہ تین فرقے ہیں۔

۱۔ برغوثیہ۔ یاران محمد بن عیسی الملقب بہ برغوث۔ انکا اعتقاد یہ ہے کہ کلام الٰہی جبکہ پڑھا جاوے تو عرض ہے اور جب وقت کسی شئے کے ساتھ لکھا جاوے تو وہ جوہر ہے۔

۲۔ زعفرانیہ۔ عین مہلہ و فا کے ساتھ۔ انکا یہ اعتقاد ہے کہ کلام الٰہی غیر ہے ذات الٰہی سے اور جو چیز ذات الٰہی سے غیر ہے وہ مخلوق ہے پس کلام الٰہی بھی مخلوق ہے اور جو یہ کہے کہ مخلوق نہیں وہ کافر ہے۔

۳۔ مستدرکہ۔ ان کا قول یہ ہے کہ کلام الٰہی مخلوق ہے مطلقاً مگر ہم متابعت سنت و اجماع کی وجہ سے کہتے ہیں کہ مخلوق نہیں ہے یعنے اس وجہ سے کہ سنت سے ثابت ہوا ہے اور اجماع اسپر ہو چکا ہے کہ کلام الٰہی مخلوق نہیں ہے ہم کو بھی اسکا قائل ہونا پڑا ہے کہ وہ مخلوق نہیں ہے۔ مگر رائے انکی یہ ہے کہ کلام الٰہی کے غیر مخلوق ہونے سے مراد یہ ہے کہ اسکی یہ جو ترتیب اور عبارت ہے حروف اور اصوات مخصوص کے ساتھ یہ مخلوق نہیں جو مخلوق ہے اسکی ترتیب اور عبارت اسکے خلاف ہے جسپر یہ ترتیب خاص دلالت کرتی ہے اور اسی طرح انکی یہ حکایت ہے اور اس تاویل کے ساتھ انہوں نے کلام الٰہی کی نسبت مخلوق اور غیر مخلوق ہونیکے تعارض اقوال کو دفعہ کیا ہے اور زعم یہ ہے کہ جو کوئی دین میں ہمارا مخالف ہو اسکی ساری باتیں غلط ہیں یہانتک کہ اسکا لا الٰہ الا اللہ کہنا بھی کذب ہے۔

فرقہ جبریہ

جبریہ بفتح بائے موحدہ قدریہ کی مناسبت سے استعمال کر لیتے ہیں ورنہ دراصل اسمیں بائے موحدہ ساکن ہے کیونکہ جبر کیطرف منسوب ہے۔ انکو مجبرہ بھی کہتے ہیں رسالہ جبر و اختیار میں ملا باسو جائیسی نے لکھا ہے کہ بندہ بعضے افعال اختیاریہ کا مختار ہے اور معنے اس قول کے یہ ہیں کہ افعال اختیاریہ کی اُسکی طرف نسبت کرنا ایسا ہے جیسے مرتعش کی طرف حرکت ارتعاشی کا منسوب کرنا کہ جب مرض رعشہ پایا جاتا ہے جو بندے کے اختیار میں نہیں ہے تو بطریق وجوب کے اُس سے حرکت ارتعاشی صادر ہوتی ہے اسی طرح جب وہ امور پائے جاتے ہیں جو بندے کے اختیار میں نہیں ہونے تو بطریق وجوب کے اُس سے حرکت اختیاری سرزد ہوتی ہے جیسے کاغذ میں حروف لکھے ہوتے ہیں تو اس کو ان حرفوں کے حاصل کر لینے کا اختیار نہیں ہوتا بجز اسکے کہ وہ کاغذ ان حرفوں کا محل ہوتا ہے غرضکہ معنے اس قول کے بندے کو بعضے فعلوں کا اختیار بھی ہے وہ یہ ہے کہ جب تین یا چار باتیں پائی جاتی ہیں تو فعل ضرور پایا جاتا ہے (۱) قدرت جسکی وجہ سے فعل کے اقدام پر جرأت ہوتی ہے (۲) اس بات کا تصور یا اعتقاد کہ یہ فعل اچھا ہے ہو بھی جائیگا کوئی حارج سد راہ نہیر ہے (۳) شوق جو اس تصور یا اعتقاد کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے (۴) ارادہ بعضے کہتے ہیں کہ شوق موکد کا نام ارادہ ہے اور بعضوں کے نزدیک دونوں میں فرق ہے پس ایسا اختیار ثابت کرنا ضروری ہے اسی کے اشاعرہ معتقد ہیں بلکہ ماتریدیہ جو اختیار ثابت کرتے ہیں اسکو بھی اسی معنے پر حمل کیا جائے جیسا کہ بعض مواضع سے سمجھا جاتا ہے تو اس صورت میں اشاعرہ و ماتریدیہ کے مطلب میں خلاف نہ رہیگا مگر جبریہ ایسے اختیار کے بھی منکر ہیں انکے غلاۃ کا قول ہے کہ بندہ میں استطاعت قبل اور بعد اور ہمراہ فعل کے نہیں اور نہ اسے اپنے کاموں میں کسی طرح کا اختیار حاصل ہے اور نہ کاموں میں اُسکے کسب کو دخل ہے وہ مجبور محض ہے اسکے کاموں کو اسکی ذات کیطرف نسبت کرنا ایسا ہے جیسے جمادات کی طرف کسی کام کی نسبت کیجاتی ہے مثلاً کہتے ہیں چکی چلتی ہے پرنالہ بہتا ہے نہر جاتی ہے

اس بیان سے جبریہ اور اہلسنت کا فرق ظاہر ہو گیا ہے۔ اہلسنت کا مذہب جبر و تفویض میں متوسط ہے کیونکہ انکے نزدیک بندوں کے افعال اختیاریہ کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور وہ کاسب ہیں مگر انکے کسب و عمل کو فعل کے پیدا کرنے میں کوئی اثر نہیں حرکات جمادات اور حرکات غیر اختیاری مثلاً حرکت مرتعش اور افعال اختیاری مثلاً چلنے پھرنے میں بڑا فرق ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ بندے کے افعال مطلقاً اسکے اختیار و قدرت میں نہیں ہیں اسلئے جبر و اختیار دونوں کو جمع کرکے عقیدہ امر متوسط پر رکھا کسی کا قول ہے مختار فی فعلہ و مجبور فی اختیارہ یعنے اپنے فعل میں اختیار ہے اور اپنے اختیار میں مجبور ہے اسکو دوسری عبارت میں یوں کہہ سکتے ہیں اختیار بالصورت و جبر بالمعنے یعنے ظاہر میں اختیار ہے اور حقیقت میں مجبوری ہے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے امام ابو عبداللہ جعفر صادق سے پوچھا کہ اے ابن رسول اللہ کیا حق تعالیٰ نے سپرد کیا ہے کام پیدا کرنے افعال کا بندوں کو۔ امام ممدوح نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ بزرگ تر ہے اس سے کہ سپرد کرے ربوبیت بندوں کو پھر میں نے کہا کیا جبر کرتا ہے بندوں پر اوپر اسکے جواب دیا کہ خدا تعالیٰ عادل تر ہے اس سے کہ جبر کرے بندوں پر اوپر اسکے پھر میں نے کہا کہ حقیقت حال کیونکر ہے فرمایا امر بین امرین لا جبر و لا تفویض ولا کرہ ولا تسلیط یعنے نہ مجبوری ہے نہ سپردگی نہ زور نہ زبردستی اور یہ حکایت محمد بن یعقوب کلینی نے بھی روایت کی ہے اور کافی میں پچھلے الفاظ اس روایت کے اس طرح ہیں لا جبر ولا تفویض ولکن امر بین امرین اور یہ جو شیعہ تاویل کرتے ہیں کہ امر بین امرین سے مراد خلق قوت و قدرت اور تمکین فعل پر ہے نہ دخل ایجاد فعل میں سو یہ درست نہیں اسلئے کہ سائل کے سوال کا منشا یہ نہ تھا جسکا ایسا جواب دیا جاتا۔ انکا سوال خلق قوت و قدرت فعل کی نسبت کب تھا جو امام موصوف کے جواب کی یوں توجیہ کیجائے۔ کوئی عاقل ایسا سوال نہیں کرے گا جو بدیہی البطلان ہے۔ اگر بحث و نزاع ہے تو خلق فعل میں ہے بیان بالا سے ظاہر ہے کہ حقیقت کار امر متوسط ہے درمیان جبر و تفویض کے اور جبریہ خالص کہتے ہیں کہ بندے کے لئے قدرت بالکل ثابت نہیں

قاضی ثناء اللہ پانی پتی مالابد منہ میں لکھتے ہیں کہ اسقدر فرق بیچ افعال اختیاریہ بندوں کے اور حرکت جمادات کے محقق ہے کہ حق تعالیٰ نے بندوں کو صورت قدرت و ارادہ کی دی ہے کیونکہ ہر ایک جانتا ہے کہ اپنے اٹھنے بیٹھنے میں بندے کو فی الجملہ اختیار ہے بخلاف حرکت رعشہ اور لکنت زبان کے بندہ کتنا ہی چاہے کہ اپنے ہاتھ کو حرکت رعشہ سے روکے نہیں روک سکتا۔ اور ہکلا چاہتا ہے کہ بات پوری بدون لکنت کے زبان سے نکالے لیکن نہیں نکال سکتا اور اللہ تعالیٰ کی عادت جاری ہے کہ جب بندہ قصد کسی کام کا کرتا ہے تو حق تعالیٰ اُسکے ارادے کے بعد اُس کام کو پیدا کر دیتا ہے اور اسی صورت و ارادہ قدرت کے سبب سے بندے کو کاسب یعنے کام کرنیوالا کہتے ہیں اور مدح و ذم اور ثواب و عذاب اس پر مترتب ہے نہ حقیقت ارادہ و قدرت پر اور حرکت جماد و حرکت حیوان میں فرق نہ تسلیم کرنا بداہت عقل کے خلاف ہے اسلئے کہ ہر ایک کو معلوم ہے کہ جب ارادہ کسی کام کا کرتا ہوں تو وہ فعل صادر ہوتا ہے البتہ کوئی مانع پایا جاتا ہے تو وہ فعل صادر نہیں ہو سکتا۔ اور شرع کے بھی خلاف ہے اسلئے کہ انکار اللہ کی اُس قدرت کا ہے جو حیوان میں رکھی ہے شرح مواقف میں لکھا ہے کہ نجاریہ اور ضراریہ بھی جبریہ متوسط میں سے ہیں۔ اور شہرستانی نے انکو جبریہ کے تلے لکھا ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ مجبرہ کے کئی گروہ ہیں۔

اول جہمیہ۔ یہ فرقہ خالص جبریہ ہے اور متبع ہے جہم بن صفوان ترمذی کا جو راسب کا آزاد کیا ہوا غلام تھا۔ ابن ابی حاتم کی کتاب میں مذکور ہے کہ جہم کوفہ کا رہنے والا تھا اور فصیح بھی تھا مگر کم علم تھا اور ابن خزیمہ بھی کہتے ہیں کہ جہم کوفی الاصل تھا اور ترمذ میں گھاٹ چڑھتا تھا۔ مرد فصیح تھا مگر اعلیٰ درجہ کا عالم نہ تھا۔ اس نے اظہار بدعت جبر کا ترمذ میں کیا کہتا تھا سوائے اللہ کے کوئی فاعل نہیں مجازاً بندے کو فاعل کہدیتے ہیں بندے کو نہ قدرت بہرہ حاصل ہے نہ کاسب بلکہ وہ جمادات کی طرح ہے جو کچھ اُس سے صادر ہوتا ہے اسیطرح صادر ہوتا ہے جیسے جمادات سے۔ یہ فتنہ بھی بہت بڑا تھا اُس نے اہل اسلام کو بہت سے شکوک میں ڈالے جسکا اثر ملت اسلامیہ پر بری طرح ہوا اور ایک بڑی بلا اُس سے پیدا ہو گئی اور اسکے بہت سے پیرو ہو گئے اہل اسلام نے اُسکے اقوال کی بہت کچھ تردید

کی اور جہمیہ کے پاس جو کوئی نشست و برخاست کرتا تہا اسکی مذمت کرنے لگے مانند فلاسفہ کے اسکے اقوال کا انجام بہی تعطیل تہا ساری صفات آلہی کا نافی تہا کہتا تہا اللہ کا وصف کرنا ساتہہ اُس صفت کے جسکے ساتہہ مخلوق موصوف ہوتی ہے جائز نہیں پس اللہ کے لیے کوئی صفت مثلاً عالم یا حی یا مرید وغیرہ ہونیکی اُسکے نزدیک ثابت نہ تہی اور منکر استوی علے العرش کا تہا۔ اور کہتا تہا انسان کو کسی شے پر قدرت حاصل نہیں ہے اور نہ وہ متصف بقدرت و استطاعت ہے بندے کی طرف مجازاً فعل منسوب کر دیتے ہیں حقیقت میں اسکو قدرت حاصل نہیں۔ اللہ ہی سب کا فاعل ہے اور قبر کے عذاب و ثواب اور سوال منکر و نکیر اور پلصراط اور ملک الموت کا منکر تہا۔ اور اسکا قول یہ تہا کہ جنت و دوزخ جنتی اور دوزخیوں کے اُنمیں داخل ہو چکنے کے بعد فنا ہو جائینگے اور سوائے ذات باری کے کچہہ باقی نہ رہیگا۔ اور جس نے اللہ کو پہچان لیا اور ناطق بایمان نہ ہوا تو وہ کافر نہیں ہوتا ہے اسلئے کہ علم خاموشی سے زوال نہیں پاتا ہے اور کہتا تہا کہ جہاں ایمان ہوتا ہے وہاں کوئی گناہ نقصان نہیں پہونچا سکتا مرد مومن امین ہے گناہوں کی سزا سے۔ معتزلہ نے بابت نفی استطاعت کے اسکی تکفیر کی ہے اور اہلسنت نے بابت نفی صفات و خلق قرآن و نفی دیدار آلہی کے یہ اس بات میں منفرد تہا کہ سلطان ظالم پر خروج کرنا جائز ہے اور اسکا مذہب یہ ہے کہ سب علوم خواہ تصوری ہوں یا تصدیقی نظری ہیں اور اسکا قول ہے کہ ایمان نام ہے اللہ تعالیٰ کی معرفت (شناخت) کا اور بعض جہمیہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اور جو کچہہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خدا کے پاس سے لائے ہیں ان دونوں باتوں کی معرفت کا نام ایمان ہے۔ اور جہم کہتا تہا کہ اللہ تعالیٰ کا علم حادث ہے لیکن نہ ایسی صفت سے جسکے ساتہہ غیر اللہ موصوف ہوتا ہے اسی طرح کہتا تہا کہ کلام الٰہی بہی حادث ہے اور اللہ اسکا متکلم نہ سمجہنا چاہیے۔ حافظ نے فتح میں کہا ہے کہ جہمیہ کی مذمت جو اہلسنت نے کی ہے تو وہ صرف مذہب جبری کی وجہ سے نہیں بلکہ سلف نے اُسکی مذمت پر اسلئے بہی اتفاق کیا ہے کہ صفات آلہی کے منکر ہیں یہاں تک کہ کہتے ہیں قرآن اللہ کا کلام نہیں اور وہ مخلوق ہے۔ استاد ابو منصور عبد القاہر بن طاہر تمیمی نے کتاب الفرق بین الفرق میں کہا ہے کہ رئیس مبتدعہ کے چار ہیں

اُن میں سے ایک جہم ہے جو اللہ کے اوصاف کا منکر تھا بندے کو مجبور محض بتاتا تھا اور کہتا تھا کہ اللہ کا علم حادث ہے اور کلام الٰہی بھی حادث ہے اور اللہ کو متکلم کہنا نہ چاہیئے امام ابو حنیفہ سے منقول ہے کہ جہم نے یہاں تک مبالغہ نفی تشبیہ میں کیا کہ کہنے لگا کہ اللہ تعالےٰ کچھ چیز نہیں۔ ابن ابی حاتم نے کتاب الرد علی الجہمیہ میں خلف بن سلیمان بلخی سے اور ابن خزیمہ نے توحید میں ابو قدامہ سے روایت کی ہے کہ جب بعض لوگوں نے اُس سے دریافت کیا کہ جس خدا کی تم عبادت کرتے ہو اُسکا وصف اور حال بیان کرو تو اپنے مکان میں گھس گیا اور عرصہ تک نہ نکلا پھر نکلکر کہا کہ اللہ ہر چیز کے ساتھ ہے اور ہر چیز میں ہے اور اُس سے کوئی چیز خالی نہیں۔ بخاری نے عبد العزیز بن ابی سلمہ کے طریق سے روایت کی ہے کہ جہم کا کلام ایک صنعت بے معنے ہے اور ایسا کلام ہے جسکی بنیاد نہیں۔ اور عبد اللہ بن شوذب سے نقل کیا ہے کہ جہم نے چالیس دن تک نماز بوجہ شک کے نہ پڑھی تھی۔ ابن ابی حاتم نے معتمر بن سلیمان کے ذریعہ سے حماد و تفاوی سے روایت کی ہے کہ مسلم بن احوز مازنی کو جو خراسان میں تھا خبر ہو پہنچی کہ جہم منکر ہے اس بات کا کہ اللہ نے حضرت موسیٰ سے کلام کیا تو اُسے قتل کر ڈالا۔ اور ابو القاسم لالکائی کا قول کتاب السنۃ میں یہ ہے کہ جہم ۱۲۳ھ میں مارا گیا۔ اور طبری نے واقعات ۱۲۸ھ میں ذکر کیا ہے کہ ہشام ابن عبد الملک اموی کیطرف سے نصر بن سیار خراسان کا گورنر تھا۔ حارث بن سریج نے اُس پر چڑھائی کی اور یہ کہا کہ قرآن وحدیث پر عمل کرنا چاہیئے۔ جہم حارث کا میر منشی تھا۔ دونوں فریق میں صلح کے بارے میں بہت کچھ خط و کتابت ہوئی اور یہ قرار پایا کہ جہم اور مقاتل بن حبان جو کچھ فیصلہ کریں وہ منظور رہے اُنھوں نے یہ تجویز کیا کہ حکومت خراسان کے معاملہ میں مجلس شوریٰ ہونا چاہیئے جس سے اہل خراسان راضی ہوں وہی انکا حاکم مقرر ہو کہ اُن میں حکم عدل کے ساتھ کرے۔ مگر نصر نے اس تجویز کو نامنظور کیا اور مدت تک طرفین میں جنگ قایم رہی یہاں تک کہ بعد بہت سے کشت وخون کے حارث ۱۲۸ھ میں عہد خلافت مروان حمار میں کام آیا۔ جہم کی نسبت بعض کی رائے یہ ہے کہ وہ بھی میدان جنگ میں مارا گیا اور بعض یہ کہتے ہیں کہ وہ پکڑا گیا اور نصر بن سیار نے سلم بن احوز مازنی کو حکم دیا کہ اسکی گردن ماردیں۔ جہم نے معافی

چاہی مگر سلم نے قتل کیے بغیر نہ چھوڑا۔ اور وہ مقام مرو میں قتل کیا گیا تھا۔ اور ابن ابی حاتم نے سعید بن رحمہ کے طریق سے روایت کی ہے کہ جہم سنہ ۱۳۱ھ میں مارا گیا اور ممکن ہے کہ حارث سے دو برس کے بعد جہم کا قتل واقع ہوا ہو۔ پس کرمانی نے جو یہ کہا ہے کہ جہم ہشام بن عبدالملک کے ایام خلافت میں مارا گیا۔ یہ صحیح نہیں ہے شاید کرمانی کو سہو ہو گیا ہے کہ اسکا ذہن جعد بن درہم سے جہم کی طرف منتقل ہو گیا۔ جو ہشام کے عہد میں خالد قسری امیر عراق کے حکم سے مارا گیا کیونکہ یہ کہتا تھا کہ اللہ نے حضرت ابراہیم کو خلیل نہیں بنایا اور نہ موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا۔ اور بخاری نے کتاب خلق الافعال میں لکھا ہے کہ مجھے یہ خبر پہونچی ہے کہ جہم نے جعد سے حاصل کیا تھا اور جہم کا واقعۂ قتل جعد کے واقعہ سے بہت بعد ہوا ہے کہ وہ عہد ہشام بن عبدالملک کا نہ تھا۔ شاید کرمانی کو یہ وہم کا اس روایت سے ہوا ہے جو ابن ابی حاتم نے صالح بن احمد بن حنبل کے طریق سے کی ہے انھوں نے کہا ہے کہ میں نے ہشام بن عبد الملک کے دفتر میں نصر بن سیار حاکم خراسان کے نام یہ حکم دیکھا ہے کہ تجھیر ایک آدمی نے جسکا نام جہم ہے شورش کر رکھی ہے اگر تو اسپر فتحیاب ہو تو اُسے قتل کر ڈالنا۔ کرمانی نے اس سے یہ خیال کر لیا ہوگا کہ ہشام کے عہد میں جہم مارا گیا ہے حالانکہ اس حکم سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ہشام کے وقت میں مارا گیا اسلیئے کہ جہم نصر سے لڑتا رہا ہو اور ہشام کے عہد میں نصر اُس پر کامیاب نہ ہوا ہو بعد انتقال ہشام کے جہم کو شکست دیکر اُسے قتل کیا ہو۔

دوم بکریہ۔ یہ بکر بن اخت عبدالواحد کے یار ہیں۔ یہ شخص نظام کے موافق تھا۔ اس عقیدے میں کہ انسان روح ہے اور بدن ایک آلہ ہے اور یہ بھی زعم کرتا تھا کہ اللہ قیامت کے دن دکھائی دیگا ایک صورت میں جس کو وہ پیدا کرے گا۔ لوگ باگ اُسی صورت سے بات چیت کرینگے۔ صاحب کبیرہ منافق ہے۔ دوزخ کے سب سے تلے طبقے میں ہوگا اُسکا حال کافر کے حال سے بھی بدتر ہے پیاز اور لہسن کے کھانے کو حرام بتاتا تھا وضو کو قرقر و قہقہ سے واجب کہتا تھا۔ اور حضرت ابوبکر کی خلافت پر نص ہونے کا قایل تھا۔

سوم ضراریہ۔ یہ ضرار بن عمرو کے اصحاب ہیں۔ یہ شخص متفرد تھا ساتھ کئی مقالات کے۔ کہتا تھا اللہ کی معیت قیامت کے دن ایک اور حاسہ سے ہوگی جو ان حواس خمسہ سے زائد ہوگا۔

اور ابن مسعود اور ابی ابن کعب کی قرأت کا منکر تہا اور کہتا تہا کہ انکی قرأت کے مصحف وہ قرآن نہیں جس کو اللہ نے نازل کیا ہے اور دین عامہ مسلمین میں شک کرتا تہا اور کہتا تہا شاید یہ لوگ کفار ہیں جسم کو اعراض مجتمعہ بتاتا تہا جسطرح کہ تمام نجاریہ کا بہی یہی ہے شہرستانی ملل ونحل میں کہتا ہے کہ فرد بہی مسئلہ تعطیل میں ضرار کے موافق ہے کیونکہ دونوں کا قول یہ ہے کہ باری تعالیٰ کو جو عالم اور قادر کہتے ہیں اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ وہ جاہل وعاجز نہیں اور اسکے واسطے ایسی ماہیت ثابت کرتے ہیں جس کو سوا اسکے کوئی نہیں جانتا۔ اور کہتے ہیں کہ یہ قول امام ابوحنیفہ اور انکے اصحاب کی رائے کے مطابق ہے اسکے تابعین نے اس قول کی یوں تاویل کی ہے کہ ضرار کی اس قول سے کہ اللہ کے لئے ایک ماہیت ہے اسکی ذات سے علاوہ یہ ہے کہ اللہ پر اسکا نفس ظاہر ہے وہ اسے بخوبی جانتا ہے کسی قسم کی دلیل اور خبر کی اس کو ضرورت نہیں ہے اور ہم اسکو دلیل اور خبر سے جانتے ہیں اور بندہ کے کام اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں بندہ انکا کاسب ہے۔ اور جائز ہے کہ ایک فعل دو فاعلوں میں مشترک ہو اور اہل سنت کا یہ قول ہے کہ ایک چیز دو قدرت موثرہ کا مقدور نہیں بن سکتی بلکہ دو قوت کا سبہ ہی ایک مقدور سے متعلق نہیں ہوسکتیں۔ پس زید کو خالد کے کام پر قدرت حاصل نہ ہوگی اور ضرار کہتا تہا جائز ہے کہ اللہ اعراض کو اجسام سے بدل دے اور کہتا تہا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف اجماع صحابہ کا حجت ہے پس احکام دین میں خبر احاد نامقبول ہے کہتا تہا کہ اللہ کا پہچاننا عقلاً واجب نہیں جب تک رسول نہ آئیں اور حلال وحرام کو نہ بتائیں اسکی معرفت واجب نہیں اسکے نزدیک امامت غیر قرشی کی بہی جائز ہے بلکہ جب قرشی اور گنوار مسلمان جمع ہوں تو گنوار کو اس منصب کے لئے منتخب کرنا چاہئے کیونکہ اسکے طرفدار کم ہونگے اور جب کوئی کام شرع کے خلاف کرے گا تو اسکا معزول کرنا آسان ہوگا۔ اگرچہ معتزلہ بہی امامت غیر قرشی کی جائز کہتے ہیں مگر قرشی پر اس کو تفوق نہیں دیتے۔ اور اسماعیل بطیخی اور ابو صباح بن معمر بہی فرقہ جبریہ کے عمائد میں سے ہیں۔

فرقۂ قدریہ

قدریہ بفتح دال اور کبھی سکون دال سے بھی استعمال کر لیتے ہیں کذا فی المرقاۃ اور یہ قدریہ منسوب ہیں قدر کی طرف کیونکہ وہ قضا و قدر الٰہی کے منکر ہیں کہتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال اختیاریہ کا آپ خالق ہے قضا و قدر کو اسمیں دخل نہیں اور اپنے کاموں میں محتاج معاونت خدا کا نہیں ہے۔ قدریہ و جبریہ دونوں فرقے باہم ضد ہیں کیونکہ یہ بندے کو قادر و مختار کہتے ہیں اور جبریہ بالکل عاجز و مجبور بتاتے ہیں۔ پہلی بدعت جو زمانہ صحابہ میں نکلی وہ یہی مذہب قدر کا ہے۔ سب سے پہلے جس نے قول بقدر نکالا معبد بن خالد جہنی ہے۔ جب بصرہ میں اُس نے اس مسئلہ میں گفتگو کرنا شروع کی تو بہت سے اہل بصرہ اُسکی راہ پہ چلنے لگے۔ معبد نے اس رائے بدعت انگیز کو ایک شخص اساورہ سے لیا تھا۔ اسکا نام ابو یونس سنسویہ تھا اسکو اسواری کہتے تھے۔ جب یہ فتنہ بڑہا تو حجاج بحکم عبد الملک بن مروان ۸۰ھ ہجری میں اُسکو عذاب دے کر سولی پر چڑہایا یہ خبر جب عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو پہونچی اور اُنہوں نے بات چیت معبد جہنی کی سُنی تو قدریہ سے بیزاری ظاہر کی۔ ایک جماعت اس بدعت میں معتقد معبد کی ہو گئی تھی اور مبالغین قول بالقدر میں سے ابن سیار نظام اور ہشام بن عمر و غوطی اور اصم ہیں قاضی عطا بن یسار بھی معتقد قدر کے تھے وہ اور معبد دونوں حسن بصری کے پاس آتے جاتے اور کہتے کہ یہ لوگ خونریزی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے اعمال اللہ کی تقدیر پر جاری ہیں حسن نے کہا یہ اعداء اللہ جھوٹے ہیں۔ اسطرح کی اور بہت کچھ طعن اُنپر کی غرض کہ سلف نے ذم قدریہ میں بہت کچھ کہا ہے اور اُن سے احتراز کرنے کو فرمایا ہے جس طرح کہ کتب حدیث میں معروف ہے۔ چنانچہ ابن عباس سے ترمذی نے حدیث غریب میں روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میری امت میں سے دو فرقے ہیں جنکے لئے اسلام میں سے کچھ حصہ نہیں ایک تو مرجیہ ہے اور دوسرا قدریہ۔ اور حضرت عمرؓ سے ابو داؤد نے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا لا تجالسوا اھل القدر ولا تفاتحوھم۔ یعنے نہ ساتھ بیٹھو فرقہ قدریہ کے اور نہ مقدمہ

لیجاؤ اُنکے پاس اور بعضوں نے لاتفاتحوہم کے معنے یہ بہی کئے ہیں کہ ابتدا ساتہہ سلام و کلام کے اُن سے نہ کرو۔ اور بی بی عائیشہ سے بیہقی نے کتاب مدخل میں اور رزین نے اپنی کتاب میں روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ فرماتے تہے کہ چھ طرح کے شخصوں پر میں اور اللہ تعالیٰ اور جو مستجاب الدعوات ہیں وہ لعنت کرتے ہیں منجملہ اُنکے ایک وہ فرقہ ہے جو تقدیر الٰہی کو جہٹلاوے۔ اور ابن ماجہ نے بی بی عائیشہ سے روایت کی ہے کہ فرماتی تہیں میں نے آنحضرتؐ کی زبان مبارک سے یہ بات سنی ہے کہ جو شخص مسئلہ تقدیر میں کلام کرے گا اُس سے قیامت کے دن سوال ہوگا اور جو اس میں کلام نہیں کرے گا اُس سے سوال نہ ہوگا۔ اور ابن عمر سے مروی ہے کہ ایک آدمی اُنکے پاس آیا اور کہا کہ فلاں شخص شامی نے آپ کو سلام کہا ہے۔ جواب دیا کہ مجہے خبر ملی ہے کہ وہ قدر کی تکذیب کرتا ہے اگر یہ بات صحیح ہے تو میری جانب سے تم اُسے جواب سلام نہ کہنا۔ اسلئے کہ میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تہے میری امت میں خسف اور مسخ یعنے زمین میں دہنس جانا اور صورت بدل جانا اُن لوگوں میں ہوگا جو قدرت کی تکذیب کرتے ہیں اس حدیث کو ابو داؤد اور مسلم اور ترمذی نے روایت کیا۔ اور جامع الاصول میں ابو داؤد سے اور مشکوٰۃ میں احمد اور ابو داؤد سے نقل کیا ہے کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے القدریہ مجوس ھذہ الامۃ ان مرضوا فلا تعودوا وان ماتوا فلا تشھدوا یعنے قدری اس امت کے مجوس ہیں۔ اگر وہ بیمار ہوں تو عیادت کو مت جاؤ اور جو وہ مرجائیں تو اُنکے جنازے پر نماز مت پڑہو اور تعجب ہے اس بات کا کہ صاحب سفر السعادۃ کہتے ہیں کہ درباب مرجیہ و قدریہ و جہمیہ و اشعریہ ہیچ حدیث صحیح نشدہ اور قدریہ کہتے ہیں کہ جنکا یہ اعتقاد ہے کہ تمام خیر و شر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور بندہ کو کوئی اختیار نہیں اُنکو قدریہ کہنا چاہیے اسلئے کہ جو اللہ تعالیٰ کے واسطے قدر ثابت کرتے ہیں اُنکو قدر کی طرف منسوب کرنا اولیٰ ہے بہ نسبت اُنکے جو اسکی نفی اُس ذات پاک سے کرتے ہیں مگر یہ قول اُنکا نا درست ہے اسلئے کہ جس طرح ان لوگوں کو قدر کیطرف منسوب کرسکتے ہیں جو اللہ کے لئے قدر ثابت کرتے ہیں۔ ایسے ہی جو اُس سے قدر کی نفی مبالغہ کے ساتہہ کرتے ہیں اُنکو بہی قدری کہہ سکتے ہیں۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کے لئے قدر

فرقۂ قدریہ

قدریہ بفتح دال اور کبھی سکون دال سے بھی استعمال کر لیتے ہیں کذا فی المرقاۃ اور یہ قدریہ منسوب ہیں قدر کی طرف کیونکہ وہ قضا و قدر الٰہی کے منکر ہیں کہتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال اختیاریہ کا آپ خالق ہے قضا و قدر کو اسمیں دخل نہیں اور اپنے کاموں میں محتاج معاونت خدا کا نہیں ہے۔ قدریہ و جبریہ دونوں فرقے باہم ضد ہیں کیونکہ یہ بندے کو قادر و مختار کہتے ہیں اور جبریہ بالکل عاجز و مجبور بتاتے ہیں۔ پہلی بدعت جو زمانہ صحابہ میں نکلی وہ یہی مذہب قدر کا ہے۔ سب سے پہلے جس نے قول بقدر نکالا معبد بن خالد جہنی ہے۔ جب بصرہ میں اُس نے اس مسئلہ میں گفتگو کرنا شروع کی تو بہت سے اہل بصرہ اُسکی راہ پہ چلنے لگے۔ معبد نے اس رائے بدعت انگیز کو ایک شخص اساورہ سے لیا تھا۔ اُسکا نام ابو یونس سنسویہ تھا اسکو اسوادی کہتے تھے۔ جب یہ فتنہ بڑھا تو حجاج نے بحکم عبد الملک بن مروان ۸۰ھ ہجری میں اُسکو عذاب دے کر سولی پر چڑھایا یہ خبر جب عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو پہونچی اور اُنہوں نے بات چیت معبد جہنی کی سُنی تو قدریہ سے بیزاری ظاہر کی۔ ایک جماعت اس بدعت میں معتقد معبد کی ہوگئی تھی اور مبالغین قول بالقدر میں سے ابن سیار نظام اور ہشام بن عمرو غوطی اور اصم ہیں قاضی عطا بن یسار بھی معتقد قدر کے تھے وہ اور معبد دونوں حسن بصری کے پاس آتے جاتے اور کہتے کہ یہ لوگ خونریزی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے اعمال اللہ کی تقدیر پر جاری ہیں حسن نے کہا یہ اعداء اللہ جھوٹے ہیں۔ اسطرح کی اور بہت کچھ طعن اُنپر کی غرض کہ سلف نے ذم قدریہ میں بہت کچھ کہا ہے اور اُن سے احتراز کرنے کو فرمایا ہے جس طرح کہ کتب حدیث میں معروف ہے۔ چنانچہ ابن عباس سے ترمذی نے حدیث غریب میں روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میری امت میں سے دو فرقے ہیں جنکے لئے اسلام میں سے کچھ حصہ نہیں ایک تو مرجیہ ہے اور دوسرا قدریہ۔ اور حضرت عمرؓ سے ابو داؤد نے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا لا تجالسوا اھل القدر ولا تفاتحوھم۔ یعنے نہ ساتھ بیٹھو فرقہ قدریہ کے اور نہ مقدمہ

لیجاؤ اُنکے پاس اور بعضوں نے لاتفاتحوہم کے معنے یہ بھی کئے ہیں کہ ابتدا ساتھ سلام و کلام کے اُن سے نہ کرو۔ اور بی بی عائیشہ سے بیہقی نے کتاب مدخل میں اور رزین نے اپنی کتاب میں روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ فرماتے تھے کہ چھ طرح کے شخصوں پر میں اور اللہ تعالیٰ اور جو مستجاب الدعوات ہیں وہ لعنت کرتے ہیں منجملہ اُنکے ایک وہ فرقہ ہے جو تقدیر الٰہی کو جھٹلاوے۔ اور ابن ماجہ نے بی بی عائیشہ سے روایت کی ہے کہ فرماتی تھیں میں نے آنحضرتؐ کی زبان مبارک سے یہ بات سنی ہے کہ جو شخص مسئلہ تقدیر میں کلام کرے گا اُس سے قیامت کے دن سوال ہوگا اور جو اس میں کلام نہیں کرے گا اُس سے سوال نہ ہوگا۔ اور ابن عمر سے مروی ہے کہ ایک آدمی اُنکے پاس آیا اور کہا کہ فلاں شخص شامی نے آپ کو سلام کہا ہے۔ جواب دیا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ وہ قدر کی تکذیب کرتا ہے اگر یہ بات صحیح ہے تو میری جانب سے تم اُسے جواب سلام نہ کہنا۔ اسلئے کہ میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے میری امت میں خسف اور مسخ یعنے زمین میں دھنس جانا اور صورت بدل جانا اُن لوگوں میں ہوگا جو قدرت کی تکذیب کرتے ہیں اس حدیث کو ابو داؤد اور مسلم اور ترمذی نے روایت کیا۔ اور جامع الاصول میں ابو داؤد سے اور مشکوٰۃ میں احمد اور ابو داؤد سے نقل کیا ہے کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے القدریۃ مجوس ھذہ الامۃ ان مرضوا فلا تعودوا وان ماتوا فلا تشھدوا یعنے قدری اس امت کے مجوس ہیں۔ اگر وہ بیمار ہوں تو عیادت کو مت جاؤ اور جو وہ مرجائیں تو اُنکے جنازے پر نماز مت پڑھو اور تعجب ہے اس بات کا کہ صاحب سفر السعادۃ کہتے ہیں کہ درباب مرجیہ و قدریہ و جہمیہ و اشعریہ ہیچ حدیثے صحیح نشدہ اور قدریہ کہتے ہیں کہ جنکا یہ اعتقاد ہے کہ تمام خیر و شر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور بندہ کو کوئی اختیار نہیں اُنکو قدریہ کہنا چاہیئے اسلئے کہ جو اللہ تعالیٰ کے واسطے قدر ثابت کرتے ہیں اُنکو قدر کی طرف منسوب کرنا اولیٰ ہے بہ نسبت اُنکے جو اسکی نفی اُس ذات پاک سے کرتے ہیں مگر یہ قول اُنکا نادرست ہے اسلئے کہ جس طرح ان لوگوں کو قدر کیطرف منسوب کرسکتے ہیں جو اللہ کے لئے قدر ثابت کرتے ہیں۔ ویسے ہی جو اُس سے قدر کی نفی مبالغہ کے ساتھ کرتے ہیں اُنکو بھی قدری کہہ سکتے ہیں۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کے لئے قدر

ثابت کرتے ہیں انکو قدری نہیں کہہ سکتے۔ اسلئے کہ حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت نے فرمایا ہے القدریۃ مجوس ھذہ الامۃ۔ قدری اس امت کے مجوس ہیں پس جسطرح مجوس [1] دو خالق کے قایل ہیں خیر و شر کے دو خالق الگ الگ بتاتے ہیں۔

[1] برہان قاطع میں لکھا ہے کہ مجوس قوم آتش پرست کو کہتے ہیں جو زردشت کے پیرو ہیں اور منتخب اللغات میں مذکور ہے کہ مجوس چاند سورج اور آگ کے پوجنے والوں کو کہتے ہیں اور انکو گبر بھی کہتے ہیں انجمن آرائے ناصری میں مرقوم ہے کہ یہ اپنے آپکو یزدانی اور بہ دین کہتے ہیں اور دبستان المذاہب کی چودہویں نظر کی تعلیم اول میں مذکور ہے کہ مجوس کے نزدیک جہان کے دو صانع ہیں۔ ایک یزدان دوسرا اہرمن۔ اہرمن کی پیدایش کا سبب یہ ہے کہ یزدان نے ایک بار خیال کیا کہ مبادا کوئی میرا ضد پیدا ہو جائے کہ وہ میرا دشمن ہو اس فکر کرنے سے اہرمن وجود میں آگیا اور بعضے کہتے ہیں کہ یزدان کو ایکبار وحشت اُٹھی اور بڑی فکر کی جس سے اہرمن پیدا ہو گیا اور بعضے کہتے ہیں کہ اہرمن جہان سے باہر تہا اس نے سوراخ میں سے جہان کا یزدان کو جاہ و مرتبہ کے ساتھ دیکھکر اُسے رشک آیا اور شر و فساد کرنے لگا۔ یزدان نے اُسکے دفعیہ کے لئے ملائکہ کو پیدا کیا اور اُن کے ذریعہ سے اہرمن سے جنگ کی مگر اہرمن مغلوب نہ ہو سکا تو اس شرط پر صلح ہوگئی کہ اہرمن کچھ عرصہ تک جہان میں رہکر چلا جائے۔ پس جب وہ چلا جاتا ہے تو عالم بالکل خیر و نیکی پر ہو جاتا ہے۔ ارجاماسب حکیم نے کہا ہے کہ یہ بات رمز و اشارہ ہے اسکی تفصیل اسطرح ہے کہ جہان سے مراد بدن ہے اور یزدان سے روح اور اہرمن سے مقصود ہے طبیعت عنصری اور نفس کا میل کرنا امور مادی کی جانب اور اہرمن کے شر و فساد کرنے سے مراد یہ ہے کہ قوی کو روح پر غلبہ حاصل ہو گیا اور ملائکہ کے پیدا کرنے سے مراد قوی کو ریاضت کے ساتھ مسخر کر کے صفات حمیدہ کا پیدا کرنا ہے کیونکہ قوائے مسخرہ دل کا لشکر ہے اور صلح سے یہ مطلب ہے کہ اکرم سے صفات ذمیمہ زائل نہیں ہوسکتیں۔ یعنے افراط و تفریط چھوڑ دینا اور اعتدال اختیار کرنا چاہیے اور اہرمن کے مدت معین تک جہان میں رہنے سے مراد قوائے بدنی کا جسم پر تسلط کرنا ہے۔ خاصکر صغر سنی میں اور بلوغ سے پہلے بلکہ بعضے ابدان میں تو ہمیشہ مسلط رہتے ہیں اور اہرمن کے جہان سے چلے جانے سے مراد مرنا ہے خواہ موت اختیاری کے ساتھہ کہ وہ سلوک ہے یا موت اضطراری کے ساتھہ کہ وہ موت

اسی طرح جو لوگ اللہ سے قدرت کی نفی کرتے ہیں وہ بھی اللہ کا شریک اس صفت میں گردانتے ہیں اسطرح کہ کہتے ہیں بندہ اپنے افعال کا آپ خالق ہے اور اسی طرح یہ جو آنحضرتؐ نے قدریہ کے

بقیہ حاشیہ متعلقہ صفحہ ۲۰۶

طلبی ہے اور صاحب انجمن آرائے ناصری نے لکھا ہے کہ اہرمن شیطان کو کہتے ہیں جو بدیوں کیطرف رہنما ہے بخلاف یزدان کے کہ وہ نیکیوں کیطرف رہنما ہے جیسا کہ لغت عرب میں رحمان اور شیطان آیا ہے اور یزدان کو پارسی لوگ اسم ذات جانتے ہیں جیسے کہ اہل عرب اللہ کو اسم ذات کہتے ہیں ایک شاعر کا قول ہے

گر آں دو عارض رخشاں ز فعل یزدان است ٭ ز فعل اہرمن است آں دو زلف چوگان زن۔
بدیں دلیل ہمی مانوی درست کند ٭ کہ خیر ہست ز یزدان و شر ز آہرمن ٭

اور مجوس کے بہت سے فرقے ہیں فی الحال انکا گروہ پارسی کے نام سے مشہور ہے۔ انکا نام لفظ پارسی سے جسے عربی میں فارسی کہتے ہیں نکلا ہے اور یہ انکے وطن کے ایک خاص صوبہ کا نام ہے یہ نام بعد میں تمام ملک کا مشہور ہوگیا۔ اسی وجہ سے یونانی پر اسکو پرسس اور انگریزی میں پرشیا کہتے ہیں خود فارس والے اپنے ملک کو ایران کہتے ہیں اور اپنے تئیں ایرانی بتلاتے ہیں ان الفاظ کی اصلیت وہی ہے جو سنسکرت لفظ آریہ کی اصل ہے اصل میں ایرانی اور پارسی اسیطرح آریہ قوم سے ہیں جیسے کہ برہمن علاوہ ازیں پارسی لوگ اُس مذہب کے پیرو ہیں جو اصل مذہب برہمہ کی ایک شاخ ہے یہ مذہب باختریہ میں پیدا ہوا اور اسکو زیادہ تر خالص اصول پر زردشت نے بنایا جبکہ مذہب زردشت ایران میں پھیلا تو یہاں مذہب پہلا سے کسی قدر مخلوط ہوگیا اور اصل مذہب سے مبدل ہوگیا۔ اور جبکہ آخر کار مسلمانوں کے سبب سے ایرانی بھاگ کر ہندوستان کو آئے تو یہاں ہندوستانی مذاہب کا اثر اُنکے مذہب پر پڑا اور اسکی صورت مبدل ہوگئی۔ ایران مقدس ملک پارسیوں کا ہے جیسا کہ فلسطین مقدس ملک یہودیوں کا ہے لیکن پارسی ایسے کثیر التعداد نہیں ہیں جیسے کہ یہودی ہیں چند ہزار ابھی اپنے اصلی وطن ایران میں موجود ہیں بیشتر یزد اور گردونواح کے دیہات میں ہیں باقیماندہ ہندوستان میں چلے آئے ہیں حالانکہ سابق میں یہ مذہب بہت پھیلا ہوا تھا۔ ایرانی قوم عموماً اسکی پابند تھی یہ بت پرستی سے نفرت کرتے ہیں لکڑی پتھر وغیرہ کی پرستش نہیں کرتے۔ یہ خالق کے علاوہ آگ وغیرہ کی بھی پرستش کرتے ہیں انکی متبرک آگ جو انہوں نے ۷۲۱ء میں سنجان کے آتشکدہ میں کہ گجرات میں واقع ہے اور وہاں سے پچیس میل جنوب کی جانب ہے روشن کی تھی اودواڑہ کے آتشکدہ میں جو سورت سے بتیس میل جنوب میں ہے اب تک موجود ہے اور جسقدر اپنے مذہب کے پابند پارسی ہیں وہ سب اسکی بہت تعظیم کرتے ہیں۔ ۱۲

حق میں فرمایا ہے ھم خصماء اللہ فی القدر یعنے وہ اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں قدر میں۔ تو اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ صفت قدر اللہ کے لئے ثابت کرتے ہیں وہ اُسکے دشمن نہیں بلکہ دوست ہیں دشمن وہی ہیں جو کہتے ہیں کہ بندہ کے افعال پر اللہ قادر نہیں۔ اور جو بات اللہ کو بری معلوم ہوتی ہے اور اُسکے ارادے میں نہیں ہوتی اُسکے کرنے پر بھی بندہ قادر ہے۔ یہ کلام عام طور پر ہے اور محققین کی تحقیق یہ ہے[1] کہ قدریہ کا منشا اس قول سے کہ بندہ خالق افعال ہے یہ نہیں ہے کہ وہ صفت خالقیت میں اللہ تعالیٰ کی شل ہے اور جو قدرت اللہ تعالیٰ کو اس صفت میں حاصل ہے ویسے ہی بندے کو بھی حاصل ہے۔ بلکہ وہ تو بندے کی خالقیت کو غیر مستقل جانتے ہیں اسلئے کہ یہ اپنے افعال کے پیدا کرنے میں اُن اسباب و آلات کا محتاج ہے جو باری تعالیٰ نے پیدا کئے ہیں پس بندے کی اور خدا کی خالقیت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پس جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ قدریہ جو بندے کو خالق اُسکے افعال کا جانتے ہیں اُنکے مذہب پر بے گنتی خدا لازم آتے ہیں۔ اسی طرح جنہوں نے یہ کہا ہے کہ مجوس خالق شرور و قبائح کو سوائے ذات یزدان کے جانتے ہیں اور اُسے شریک الوہیت بناتے ہیں مگر ایک ہی شریک مانتے ہیں زیادہ کی شراکت کے قائل نہیں اور قدریہ ہر مور ضعیف اور سگ و گربہ کو خدا کا شریک خلق و ایجاد میں مانتے ہیں۔ یہ سراسر تعصب ہے۔ چونکہ ہمارے علمائے اہل سنت کو انکی رائے کے ابطال میں بہت کچھ اصرار تھا اسلئے بیانات میں بڑا مبالغہ کیا ہے اور انکی گمراہی کے اثبات میں دفتر کے دفتر سیاہ کر ڈالے ہیں اور یہاں تک کہدیا ہے کہ قدریہ مجوس سے بھی بدتر ہیں کہ ہر بشر کو خالق اپنے افعال کا جانتے ہیں مجوس تو خدا کا ایک ہی شریک بتاتے ہیں اور یہ بے تعداد شریک ثابت کرتے ہیں۔

پس قدریہ کو مشرک کہنا جائز نہیں اسلئے شرکت یا الوہیت میں ہوتی ہے یا عبادت میں۔ الوہیت میں خدا کا شریک مجوس ثابت کرتے ہیں اور عبادت میں بت پرست قدریہ بیچارے تو بندے کو خالق یا موجد یا مخترع غیر مستقل بتاتے ہیں مگر حدیث میں جو وارد ہے کہ قدری اس امت کے مجوس ہیں اسلئے بعضے علما کہتے ہیں کہ قدریہ کافر ہیں۔

---

[1] دیکھو شرح عقائد نسفی مولفہ علامہ تفتازانی ۱۲

بعد اس اختلاف کے کہ کفر انکا تاویلی ہے یا ارتدادی مگر قول مختار یہ ہے کہ کافر نہیں بلکہ فاسق ہیں کیونکہ یہ بھی استدلال کرتے ہیں قرآن اور حدیث سے۔ ترجمہ مشکوٰۃ میں شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ ان لوگوں نے کفر کو اختیار نہیں کیا ہے اور نہ کفر سے راضی ہیں بلکہ انکی تاویل نے کفر سے بھگا دیا ہے اور انہوں نے قرآن وحدیث کے ساتھ استدلال کیا ہے اور کوشش کی ہے حق بات کی تلاش میں گو کہ خطا کی اور حق کو نہ پہونچے لزوم کفر اور التزام کفر میں بڑا فرق ہے احتیاط کا یہی مقتضا ہے کہ ان کو کافر نہ سمجھنا چاہئے اور جو کچھ انکے حق میں احادیث میں وارد ہے اور اس سے انکے کفر پر دلالت ہوتی ہے۔ یہ انکی گمراہی میں مبالغہ کرکے کہدیا گیا ہے اور مقصود زجر و توبیخ ہے بلکہ ان احادیث کی صحت میں بھی علما کو کلام ہے (انتہیٰ) پس جو علما انکو کافر سمجھتے ہیں وہ تو انکے حق میں رعایت حقوق اسلام سے منع ہی کرتے ہیں اور جو فاسق کہتے ہیں وہ جائز رکھتے ہیں اور اس حدیث کو حمل کرتے ہیں زجر و تغلیظ اور انکے اعتقاد کی برائی بیان کرنے پر۔ اور حق بھی یہ ہے کہ قدریہ کو جو مجوس کہا ہے سو مراد اس سے صرف تشبیہ ہے جسمیں یہ ضرور نہیں کہ مشبہ سب طرح کی مماثلت اور مشابہت میں مشبہ بہی کا مساوی ہو۔ اور تمام احکام میں دونوں شریک ہوں۔ بلکہ سالمی نے تمہید میں کہا ہے کہ اس حدیث کا مصداق قدریہ میں سے صرف وہ فرقہ ہے جسے نعمانیہ کہتے ہیں اور ابو جعفر احول کیطرف منسوب ہے جسکا ذکر امامیہ میں ہو چکا ہے۔

فرقہ مشبہ

ان کو صفات باری تعالیٰ کے ثابت کرنے میں غلو ہے دیدار آلہی کے مقر ہیں اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے جسمیت ثابت کرتے ہیں اسی لئے مجسمیہ بھی کہلاتے ہیں۔ یاد رکھنا چاہئے کہ دیدار آلہی کا مسئلہ معرکہ آرا ہے اہلسنت کے ساتھ تمام اہل اسلام کو معاملہ میں اختلاف ہے اگرچہ مجسمیہ اور کرامیہ کے مذہب کے مطابق رویت آلہی جائز ہے مگر یا اللہ تعالیٰ کے لئے جسمیت ثابت کرتے ہیں بخلاف اہل سنت کے۔ اور کلام اسمیں ہے کہ جو چیز ایسی ہو کہ نہ وہ جسم ہو اور نہ جزو جسم ہو اسکا دیکھنا اور سننا جائز ہے اور جو چیز نہ رنگین ہو اور نہ روشن ہو اسکا دیکھنا ممکن ہے اور جو چیز نہ حرف ہو نہ آواز اور اسکا سننا ممکن ہے جسے کلام نفسی کہا کرتے ہیں سو یہ مسائل ایسے

ہیں کہ تمام اہل اسلام اس باب میں اہلسنت سے مخالف ہیں مجسمہ معتزلہ کی ضد ہیں معتزلہ کہتے ہیں کہ ہم اہل توحید ہیں اور توحید انکی یہ ہے کہ اللہ کے لئے صفات ثابت نہیں کرتے کیونکہ اثبات صفات میں اللہ تعالیٰ کی تشبیہ لازم آتی ہے اور جس نے اللہ کو اسکی مخلوق کے ساتھہ تشبیہ دی وہ مشرک ہے امروہ اس نفی صفات میں جہمیہ کے موافق ہیں۔ اور اہلسنت یہ کہتے ہیں کہ تعطیل اور تشبیہ دونوں کی نفی کیجائے تعطیل اسے کہتے ہیں کہ اُس ذات مقدس کے لئے صفات کمال ثابت نہ کریں اور تشبیہ یہ ہے کہ اُسکے واسطے صفات کمال اس نہج پر ثابت کریں کہ مخلوق کے ساتھہ مشابہت پیدا ہو جائے اور مثال دونوں قسموں کی اس طرح ہے کہ جب کہیں کہ خدا عالم نہیں ہے یا عالم کا اطلاق خدا پر نہ کرنا چاہئے یہ تعطیل ہوگی اسلئے کہ صفت علم سے کہ جو صفت کمال ہے اُسکو معطل اور معرا کر دیا اور اگر یوں کہیں کہ جس طرح ہم عالم ہیں خدا بھی عالم ہے یہ تشبیہ ہے اسلئے کہ خدا کو صفت علم میں مخلوق سے مشابہ کر دیا اور اگر کہیں کہ خدا کو حاصل ہے اس طرح کہ ہمارے علم کو اُسکے علم سے کسی طرح مشابہت نہیں۔ یہ صورت علم کے اثبات اور تشبیہ نفی کی ہے۔ اسی طرح سمع اور بصر اور تمام صفات کو خیال کر لینا چاہئے اور توضیح اسکی یہ ہے کہ ہم اشیا کو اپنی آنکھ سے دیکھتے ہیں اور اس دیکھنے میں ہم کو کمال حاصل ہوتا ہے مگر یہ کمال نقصان سے خالی نہیں اسلئے کہ ہمکو یہ کمال قوت باصرہ اور عضو مخصوص کی اعانت کے بدوں حاصل نہیں ہوتا۔ یہی بہت بڑا نقصان ہے کہ ہمارے عجز کی وجہ سے پیدا ہوا ہے اور خدا پاک ہے اس سے کہ کوئی عضو یا جزو رکھتا ہو یا کسی چیز کے ادراک میں اُسے کسی عضو کیطرف احتیاج پڑے۔ اور نیز ہمارا علم عدم کے بعد حاصل ہوا ہے اور خدا اس سے منزہ ہے کہ اسکو علم جہل کے بعد حاصل ہوا ہو اور نیز ہمکو کسی شئے پر علم جب آتا ہے کہ اسکا مفہوم خاطر نشین ہو جائے اور یہ بھی ہمارے نقصان کی وجہ ہے اور خدا محل حوادث ہونے سے منزہ ہے۔ اور نیز چیز جب غائب ہو جاتی ہے تو ہمارا علم بھی زائل ہو جاتا ہے اور اللہ میں علم کا زوال محال ہے۔ اور ہمارا علم علتوں کا معلول ہے اور خدا کے علم کے واسطے علت کی ضرورت نہیں۔ حاصل یہ ہے کہ خدا کے لئے اشیا کا علم اس طرح ثابت کرنا چاہئے جسمیں کمال پیدا ہو اور نقصانات کے وجوہات جو ہمارے علم میں لازم ہیں انکی

نفی کرنا چاہیئے۔ شہرستانی نے ملل ونحل میں کہا ہے کہ مالک بن انس اور مقاتل بن سلیمان
اور امام احمد حنبل اور داؤد بن علی بن محمد اصفہانی المعروف بہ داؤد ظاہری نے باوجودیکہ
متشابہات کو اُنکے معانی ظاہری پر عمل کیا اور تاویل کی طرف متوجہ نہ ہوئے لیکن کہا
ہمکو یقین ہے کہ اللہ کسی چیز کے مشابہ نہیں ہے اور نہ کوئی چیز مخلوق میں سے اُسکے مشابہ
ہوسکتی ہے اور تشبیہ سے احتراز کیا۔ اور بعض[1] نے کہا ہے کہ ابن تیمیہ اور ابن قیم اور
الجداؤد ظاہری اور ابن حزم اور شوکانی یہ پانچوں بڑے بھاری مجسمہ ہیں اور اس ملت کے
خلفا ہیں۔ اور داؤد کا ظاہری نام اسلئے مقرر ہوا ہے کہ یہ قرآن واحادیث کے ظاہر احکام
پر عمل کرتے ہیں جو کچھ ظاہر میں ان سے سمجھا جاتا ہے اُسے مانتے ہیں تاویل کے بالکل منکر
ہیں۔ داؤد شریعت میں قیاس کو ناجائز بتاتے تھے۔ جب قیاس کرنے کی طرف مضطر
ہوئے اور اشد ضرورت اسکی پڑی تو اسکا نام دلیل رکھا انہوں کے بہت سے مسائل
کا ائمہ اربعہ سے اختلاف کیا ہے۔ اور ملل ونحل میں دوسری جگہ کہا ہے کہ سرخیل
مثبتین صفات الٰہی میں سے مقاتل بن سلیمان ہیں اور پھر بعضے شیعہ اور کرامیہ نے
بھی اُنکی اتباع کی اسلئے کہ ان لوگوں نے یہانتک مبالغہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کو خلق کے
مشابہ کردیا۔ یاد رہے کہ بعضی آیات اور احادیث میں ایسے الفاظ ہیں جنکے ظاہری معانی
اللہ تعالیٰ کی جسمیت پر دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً الرحمن علے العرش استویٰ وہ بڑے مرتبہ والا
اوپر عرش کے قائم ہوا۔ وجاء ربك والملك صفا صفا یعنے جبکہ آویگا تیرا رب مددگار اور
آوینگے فرشتے صفوں کی صفیں ثم دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی پھر نزدیک ہو
پس اُتر آیا پھر رہگیا فرق دو کمان کے برابر یا اس سے بھی نزدیک ید الله فوق ایدیهم
یعنے اللہ کا ہاتھ اوپر ہے اُنکے ہاتھ کے ویبقی وجه ربك یعنے باقی رہیگا منہ تیرے رب کا
یوم یکشف عن ساق جس دن کھولی جاوے پنڈلی۔ اور ابوہریرہؓ سے صحیح مسلم وبخاری
میں آیا ہے فاما النار فلا تمتلئ حتی یضع الله رجله یعنے دوزخ نہیں بھرینگے یہانتک
کہ رکھیگا اللہ تعالیٰ اُس میں اپنا پاؤں۔ اور ابوہریرہ سے بخاری ومسلم نے روایت کی ہے

---

[1] دیکھو نظم الفرائد حاشیہ شرح العقائد بر شرح ۔ ولایجری علیہ ضمان ۱۲

کہ آنحضرت نے فرمایا ہے لما قضی اللہ الخلق کتب کتابا فھو عندہ فوق عرشہ
جبکہ مقدر کیا اللہ تعالیٰ نے پیدا کرنا مخلوقات کا لکھی کتاب پس وہ کتاب اللہ تعالیٰ کے
پاس اُسکے عرش پر ہے۔ اور ابوہریرہ سے بخاری و مسلم نے روایت کی ہے ینزل ربنا
تبارک وتعالیٰ کل لیلۃ الی السماء الدنیا نزول فرماتا ہے رب ہمارا ہر رات میں طرف آسمان
دنیا کے اور احمد اور ترمذی اور ابن ماجہ نے ابوامامہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت فرماتے تھے
وعدنی ربی ان یدخل الجنۃ من امتی سبعین الفا لاحساب علیھم ولا عذاب مع
کل الف سبعون الفا وثلث حثیات من حثیات ربی وعدہ کیا ہے پروردگار میرنے
کہ داخل کریگا بہشت میں میری امت سے ستر ہزار بلا حساب کہ ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور تین
لپیں میرے رب کی لپوں سے ہونگی اور عبداللہ بن مسعود سے بخاری و مسلم نے روایت کی ہے
ان اللہ یمسک السموات یوم القیمۃ علی اصبع والارض علی اصبع الخ یعنے اللہ تعالیٰ
قیامت کے دن آسمانوں کو ایک انگلی پر اور زمینوں کو دوسری انگلی پر اور عبداللہ بن
عمر سے مسلم نے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے ان قلوب بنی آدم بین اصبعین
من اصابع الرحمن تمام بنی آدم کے دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان میں ہیں۔
اور مسلم نے روایت کی ہے یمین اللہ ملئی یعنے داہنا ہاتھ اللہ کا ہے بھرا ہوا۔
جواب اسکا یہ ہے کہ یہ کلام ظاہری اور ظنی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا جسمیت سے منزہ ہونا
یقینی ہے اور یقینیات کے مقابلہ میں ظنیات کا اعتبار نہیں اور یہ بھی مسلمات سے ہے
کہ جبکہ دو دلیلیں آپس میں مخالف ہوں تو انپر اسطرح عمل کرنا چاہیئے کہ ظاہر کی تاویل کردینا
چاہیئے اور اس تاویل کی دو صورتیں ہیں **ایک تاویل اجمالی**۔ وہ یہ ہے کہ اعتقاد کرے
کہ جو کچھ مراد ہے ان سے وہ حق ہے اور انکی کیفیت کے دریافت کے درپے نہ ہو اور تفصیل
انکی اللہ تعالیٰ کی تفویض کردے۔ پس استوی حق تعالیٰ عرش پر اور اسی طرح ید و وجہ وساق
وقدم واصبع وحثیات وغیرہ کہ قرآن وحدیث اس پر ناطق ہیں۔ خبر متواتر اور اجماع سلف سے
ہمکو پہونچا کہ یہ الفاظ اپنے معانی ظاہری پر محمول ہیں مذہب اسلم یہی ہے اور سلف نے یہی اختیار
کیا ہے اور سارا عصر صحابہ اسی حالت پر گذرا ہے یہانتک کہ اکثر متکلمین متاخرین نے

دوسری تاویل تفصیلی کی راہ اختیار کی مثلاً مراد استوٰی سے استیلا اور ید سے قدرت اور وجہ سے ذات ہے اور مراد قدم سے حدیث نار میں قدم بعض مخلوقات الٰہی کا ہے اور رب کے نزول فرمانے سے مراد یہ ہے کہ حکم اُسکا اور رحمت اُسکی یا ملائکہ اُسکے اُترتے ہیں اور حثیات یعنے لپیں یا مٹھیں کنایہ ہے کثرت اور مبالغہ سے اور اصبع کنایہ ہے تصرف اور غلبہ قدرت اور عظمت الٰہی سے اور اصلی معنے مراد نہیں۔ ذہبی نے سیر النبلامیں قتیبہ اور علی ابن مدینی اور اسحاق بن راہویہ اور مزنی اور ابو حاتم رازی وغیرہ سے نقل کیا ہے۔ کہ اس قسم کے الفاظ کی تاویل نہیں کرتے تھے۔ ظاہری معانی پر ہی حمل کرتے تھے۔ اور ہی ذہبی نے کتاب العرش میں اسی قسم کے اقوال کہ جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حق جل شانہٗ فوق العرش ہے۔ بلا کیف صدہا صحابہ اور تابعین اور فقہا اور محدثین سے نقل کئے ہیں اور احادیث نبویہ جو فوقیت رب پر دال ہیں بخاری نے بھی ذکر کی ہیں۔ اور ملا علی کی شرح قصیدہ بدء الامالی اور ابن ہمام حنفی مولف فتح القدیر کی سایرہ اور عبد العزیز بخاری حنفی کی کتاب کشف الاسرار شرح اصول بزدوی اور ابو شکور حنفی کی تمہید کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہب صحابہ وغیر صحابہ و ائمہ وغیر ائمہ و حنفیہ وغیر حنفیہ سب کا یہ ہے کہ حق جل شانہ کی فوقیت عرش پر و ید و وجہ وغیرہ صفات بلا کیف ہیں اور تاویل کرنا ان سب کی صحیح نہیں۔ منشار تاویل کا صرف اسی قدر ہے کہ جب مجسمہ نے اس قسم کی آیات و احادیث سے خیال تجسم کا کیا تو علمانے اُنکے الزام و اسکات کے واسطے تاویل کرنا شروع کیا نہ اس غرض سے کہ یہ معانی ماول مراد ہیں بلکہ اس غرض سے کہ شبہ تجسم رفع ہو جائے ورنہ یہ الفاظ سب معانی ظاہرہ پر محمول ہیں اور کیفیات ان سب کی مجہول ہیں اور اس میں تجسم بھی لازم نہیں آتا ہے کیونکہ جب کیفیت مجہول کہی گئی اور خیال لیس کمثلہ شئی کا بھی رہا اور تنزیہ تام کی گئی تو تجسم کسی طرح سے لازم نہ آویگا۔ پس مراد الٰہی پر ایمان لانا چاہئے اور انکی تاویلات سے سکوت اولیٰ ہے اور یہ جو اس قول کے رد میں کہا ہے کہ اگر اسی طرح ہو تو قران معلوم المعنی نہ رہے اسکا جواب یہ ہے کہ قران کے نزول کا فائدہ صرف فہم معانی میں منحصر نہیں کہیں مجرد ایمان

سلہ دیکھو تفسیر عزیزی پارہ الم ۱۲

ہی مطلوب ہوتا ہے۔ چنانچہ متشابہات بن بھی منظور ہے۔

تاویل الاحادیث بین شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ صفات تشبیہی باری تعالیٰ مثل ہاتھ پاؤں وغیرہ میں طریقہ مستقیم یہی ہے کہ اُنکے ظاہر پر چھوڑا جاوے اور انکی کیفیت وجوہ سے بحث و تفتیش نہ کی جاوے اور مجملاً یہ اعتقاد رکھے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ سے ارادہ کیا ہے وہی حق ہے اور باوجود ظاہر پر چھوڑنے کے یہ نہ کہے کہ یہ ارادہ کیا ہے اور وہ ارادہ نہیں کیا کیونکہ نہ تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسے مسایل کی تحقیق کیفیت میں بحث کی اور نہ اُنکے اصحاب نے اور نہ تابعین نے۔ ایسی تدقیقات میں اول معتزلہ مشغول ہوئے۔ کہ اُنھوں نے فلاسفہ کے جو اسلام کے مخالف تھے ایسی باتیں چرائیں۔ پھر بعض اہل سنت نے بھی ایسی تدقیقات میں معتزلہ کی موافقت کی۔ اور مشبہ کے مختلف فرقے ہیں بعضے تو اتنا ہی کرتے ہیں کہ اللہ کو مخلوق کے ساتھ مشابہ کرتے ہیں اور حادثات کے ساتھ اُسکی تمثیل بیان کرتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مانند اجسام کے ہے اور گوشت اور خون کی شکل ہے اور بعضے یہانتک غلو کرتے ہیں کہ اسکو مخلوق اور حادث بنا دیتے ہیں اسلئے کہ کہتے ہیں وہ جسم ہے اور خون ہے اور گوشت ہے اور ان میں سے سب ایک ہی طریقے پر نہیں ہیں۔ کوئی شیعہ غلاۃ میں داخل ہے۔ امامیہ ہے کوئی کرامیہ ہے وغیرہ وغیرہ مگر خاص اس بدعت میں مشترک ہیں چنانچہ تھوڑا سا بیان اُنکا منجملہ غلاۃ شیعہ وامامیہ کے فرقہائے ہشامیہ وجوالقیہ وبنانیہ ومغیریہ وغیرہ میں ہو چکا اور منجملہ فرقہائے مشبہ:۔

ایک مشبہ حشویہ ہیں یہ ایسا کہتے قایل ہیں کہ اللہ جسم ہے گوشت خون رکھتا ہے اور اسکے اعضا بھی ہیں مگر یہ سب چیزیں اسکی مخلوق سے مغایر ہیں اور اُسکے دوستوں کو اُسکے ساتھ مصافحہ اور معانقہ کرنا دنیا میں جائز ہے اور اُنکے نزدیک انبیا سے عمداً گناہ کبیرہ کا صادر ہونا ممکن ہے۔

دوسرا فرقہ مشبہ کرامیہ ہے (بفتح کاف وتشدید رائے مہملہ اور بقولے کاف کے کسرہ اور رے کی تخفیف سے) یہ فرقہ منسوب ہے طرف عبداللہ محمد بن کرام بن حراق بن خزابہ سجستانی کی۔ یہ شخص بعد ۲۵۵ھ ہجری کے گذرا ہے کم علم تھا۔ ہر ایک مذہب سے اُس نے تھوڑے بہت مسائل تمد و خشک لے لئے تھے اور انکو اپنی کتاب میں لکھکر رواج اسکا ممالک اغنام وغرجہ وغور واطراف خراسان

میں دیا تہا اسلئے اسکا نام ہوگیا اور ایک مذہب ٹہر گیا۔ سلطان محمود بن سبکتگین اسکے معین و مددگار رہتے تہے انکی طرف سے اہلحدیث و شیعہ پر آفت رہی محمد بن کرام نے اثبات صفات میں یہانتک غلو کیا کہ نوبت تجسیم و تشبیہ کی پہونچی۔ حج سے پہر کر شام میں آیا زغر میں بماہ صفر ۲۵۵ھ میں مرکر بیت المقدس میں مدفون ہوا۔ وہاں اسکے اصحاب ۲۰ ہزار سے زیادہ تہے۔ اُن شہروں میں اُنکے سوا اور بہت لوگ تھے جنکا شمار نہیں ہوسکتا اور کرامیہ کئی گروہ ہیں۔ ایک **عابدیہ**۔ دوسرا **اسحاقیہ**۔ تیسرے **نونیہ** چوتھے **زرینیہ** پانچویں **واحدیہ**۔ لیکن یہ سب ایک ہی فرقہ گنا جاتا ہے اسلئے کہ بعض انکے تکفیر بعض کی نہیں کرتے۔ یہ سبکے سب مجسمہ ہیں۔ اتنی بات ہے کہ انہیں بعض کا قول یہ ہے کہ اللہ قایم بنفسہ ہے اور بعض اسکو اجزاے مؤتلفہ کہتے ہیں اور اُسکے لئے جہات و نہایات بتاتے ہیں انکے اعتقاد میں اللہ جسم ہے۔ اور اُسکی حد و نہایت ہے طرف اسفل کے اور اُسکا ملاقا کرنا اجسام ماتحت سے جایز ہے اور وہ عرش پر ہے اور عرش جانب بالا سے اُسکا مماس ہے۔ اور جایز ہے یہ بات کہ اللہ تعالیٰ حرکت اور نزول کرنے اور ان میں باہم اس امر میں اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام عرش پر ہے یا عرش کے بعضے حصے پر۔ اور بعض کرامیہ یہی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر نہیں بلکہ عرش کے محاذی ہے اور بعض کی راے یہ ہے کہ اسم جسم کا اطلاق اُس پر ہوسکتا ہے۔ اور بعض کرامیہ کا زعم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام جہات و اطراف سے متناہی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ تلی کی جانب سے متناہی ہے۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوچکا اور بعض کہتے ہیں کہ کسی طرف سے متناہی نہیں۔ اور کرامیہ کا اعتقاد یہ ہے کہ اللہ محل حوادث ہے یعنے قول و ارادہ و ادراکات و مرئیات و مسموعات سے اور جو حوادث کہ اُسکی ذات میں حلول کیے ہوئے ہوتے ہیں اُنہی پر قدرت رکھتا ہے اور جو اسمیں حلول کئے ہوئے نہیں بلکہ اُسکی ذات سے الگ ہیں اُنپر اسکو قدرت نہیں اور سارے کرامیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ حادث اُسوقت قایم ہوتا ہے جبکہ خدا کو مخلوق کے ایجاد کرنے میں اسکی طرف احتیاج پڑتی ہے پھر کرامیہ کے فرقوں میں اختلاف ہے بعض کی یہ راے ہے کہ جس حادث کی طرف اللہ تعالیٰ کو احتیاج ہوتی ہے

اور وہ ارادہ ہے اور بعضے کہتے ہیں کہ وہ قول کُن ہے (کہ امر ہے بمعنے ہوجا) پس جب ضرورت ہوتی ہے تو قدرت آلہی اس قول کو یا ارادہ کو ذات آلہی میں پیدا کر دیتی ہے اور وہ قدرت قدیم ہے۔ پھر باقی مخلوقات اس ارادے یا قول کُن کے ذریعہ سے ظہور میں آتی ہے۔ کرامیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جو حادث خدا کی ذات سے قایم ہوتا ہے اُسکا نام حادث ہے۔ اور جو اسکی ذات سے قایم نہیں ہو سکتا اُسے محدث کہا کرتے ہیں حادث نہیں کہتے۔ اور اگر اللہ اپنے بندوں میں سے کسی کو ایسا جانتا کہ وہ ایمان نہ لائیگا تو اسکا پیدا کرنا ہی عبث ہوتا اور نبوت اور رسالت وہ صفتیں ہیں جو نبی کی ذات کے ساتھ قایم ہوتی ہیں۔ اور اسکی ذات سے مخصوص ہوتی ہیں مگر وحی کی تبلیغ اور معجزہ اور عصمت اُسکی ذات کے ساتھ مختص نہیں اور لوگ بھی ان سے متصف ہو سکتے ہیں۔ اور جس کسی میں یہ اوصاف موجود ہوں وہ رسول ہے خواہ اُسکو رسول بناکر بھیجا ہو یا نہ بھیجا ہو اور اللہ تعالے پر ایسے ہی آدمی کا رسول بنانا واجب ہے۔ اور جس میں ایسے اوصاف نہ ہوں اُسکا رسول بنانا جایز نہیں۔ خلاصہ یہ کہ کرامیہ کے نزدیک بہت سے آدمی رسول ہیں اس وجہ سے کہ ان میں رسالت کے صفات موجود ہیں مگر انکو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کیطرف واسطے ہدایت اور دعوت کے بھیجا نہیں ہے اسلئے وہ نبی نہیں۔ نبی وہی رسول ہیں جن کو خاص اس کام کے واسطے مبعوث کیا ہے۔ جس رسول کو اللہ نبی بناکر بھیجتا ہے اُسے اُنکی اصطلاح میں مرسل کہتے ہیں اور جسے نہیں بھیجتا وہ رسول تو ہے مگر مرسل نہیں۔ اور اللہ کو کسی مرسل یعنے کسی نبی کا انبیا میں سے معزول کرنا جایز ہے مگر رسول معزول نہیں ہو سکتا۔ اور انکے نزدیک انبیا پر ایسے گناہ کا ہونا جائز ہے جو موجب حد و مسقط عدالت نہ ہو۔ اور اللہ پر واجب ہے کہ لگاتار رسول بھیجتا رہے اور دو امام کا ایک وقت میں ہونا جائز ہے حضرت علی و معاویہ دونوں کو وقت واحد میں امام بتلاتے ہیں مگر اتنی بات کہتے ہیں کہ جناب امیر سنت پر تھے اور معاویہ خلاف سنت پر مگر فرمانبرداری انکی بھی رعیت پر واجب تھی۔ بعض کرامیہ کا یہ زعم ہے کہ اللہ کے دو علم ہیں ایک علم سے وہ ساری معلومات کو جانتا ہے اور دوسرے علم سے علم اول پہچانتا ہے۔ اور کرامیہ کے نزدیک ایمان وہ اقرار ہے جو اللہ تعالی نے ازل میں اپنی مخلوق سے کیا تھا جبکہ فرمایا تھا

الست بربکم کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو سب نے کہا بلی یعنے ہاں تو ہمارا رب ہے۔ سو یہ قول یعنے بلی کا کہنا ایمان ہے اور یہ ایمان یعنے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار سب آدمیوں میں مسلسلاً موجود ہے۔ مگر مرتدین میں نہیں انکے نزدیک منافق کا ایمان باوجود اسکے کہ اُسکے ساتھ کفر بھی موجود ہے نبی کے ایمان کے برابر ہے اسوجہ سے کہ اس ایمان یعنے اقرار ازلی میں سب برابر ہیں اور کلمہ شہادت انکے نزدیک روّت کے وقت مرتد کے واسطے ایمان ہے اور انکے سوا واسطے ایمان نہیں بغیر مرتد کے واسطے وہی اقرار ازلی ایمان ہے حاصل کلام یہ ہے کہ انکو نزدیک ایمان کی حقیقت صرف اقرار زبانی ہے۔ اور اقرار کی دو صورتیں ہیں غیر مرتدین کا خواہ وہ مومن ہوں یا کافر وہی اقرار ازلی ایمان ہے اور مرتدین کا ایمان نہیں۔ ایمان قول مفرد ہے یعنے کلمہ شہادت کا زبان سے کہنا۔ ابن کرام فقہ میں منفرد ہے ساتھ کئی مسائل کے کہتا تھا مسافر کو عوض نماز خوف کے دو تکبیریں کہنا کفایت کرتا ہے اور ایسے کپڑے میں جو بالکل نجاست میں ڈوبا ہوا ہو نماز کو جائز بتاتا تھا۔ اور یہ اعتقاد رکھتا تھا کہ نماز روزہ زکوٰۃ حج اور ساری عبادات بغیر نیت کے صحیح ہوتی ہیں فقط نیت اسلام کی کفایت کرتی ہے۔ ہاں نیت نوافل میں واجب ہوتی ہے اور نماز سے باہر آنا کھانے پینے یا جماع کے ساتھ عمداً جائز ہے پھر اُسی پر باقی نماز کو بنا کرسکتا ہے۔

خاتمہ

یہ جتنے فرقے ہم نے بیان کئے ہیں انکے سوا اور بہت ایسے فرقے ہیں جو دین اسلام میں پیدا ہوئے جنمیں سے بعض کا ذکر متفرق کتابوں میں پایا جاتا ہے اور بعض کا نہیں چنانچہ کئی فرقے ہم آگے بیان کرتے ہیں جو کتب کلامیہ میں مذکور نہیں مگر انکا حال کتب تواریخ وغیرہ میں پایا جاتا ہے۔

فرقہ اول فربود۔ عالمگیر بادشاہ ہندوستان کے آخر عہد میں میر محمد حسین نام ساکن مشہد مقدس رضوی جو علوم عربیت و منطق میں دستگاہ رکھتا تھا۔ عمدۃ الملک امیر خان صوبہ دار کابل کے زمانہ میں کابل میں آیا اور امیر خان کے منشی کا بیٹا اسکا شاگرد ہو گیا اس ذریعہ سے امیر خان کے حضور میں محمد حسین کی رسائی ہوئی۔ امیر خان نے اسے لائق

فائق شریف پاکر اپنی دختر تبنّی کے ساتھ شادی کر دی پھر کچھ عرصہ کے بعد شاہی خوشبوخانہ کا داروغہ کرا دیا۔ یہ شخص نہایت عیار جاہ طلب تھا عمدۃ الملک کے بیٹوں کو کئی طرح کے شعبدے دکھلا کر اپنا معتقد کر لیا۔ خاصکر ہادی علی خان پسر عمدۃ الملک اُس سے بہت عقیدت رکھنے لگا جب عمدۃ الملک اور عالمگیر کا انتقال ہوگیا تو تمام عطر اور گلاب کو جو بادشاہ کے لیئے خریدا تھا ساٹھ ستر ہزار روپیہ کو لاہور میں فروخت کر کے اور وہ روپیہ اپنے قبضے میں لا کر فقیری لے لی چونکہ طامع اور جاہ طلب تھا پرانی تقلید پسند نہ آئی اسلیئے ایک نئی راہ نکالنے کی طرف متوجہ ہوا۔ اور اپنے شاگرد قدیم یعنے اُسی منشی زادے کو موافق کر کے صلاح کی کہ ہم تم ایک نیا مذہب نئے قواعد اور نئی زبان میں ایجاد کر کے الہام اور نزول وحی کا دعویٰ کریں تاکہ اولیا انبیا کی شان پائی جائے اور عوام کو پھانس کر کسی قدر ہجوم خلائق کریں۔ یہ دو مرجع انام ہو جائینگے۔ پس ایک کتاب عمدہ دلچسپ نئی زبان اور قواعد کے ساتھ بنا کر **آقوزہ مقدس** اسکا نام رکھا تیز تو تھا ہی اکثر الفاظ غیر مانوس اور پرانی فارسی کے بھی کسی قدر بطور عربی کے ترخیم کر کے جو صاف طور پر صرف و نحو عربی کے قواعد کے مناسب نہ تھے درج کیئے اور بگیوکیت کا دعویٰ کیا اور کہا کہ یہ رتبہ مابین امامت اور نبوت کے ہے۔ کہا کہ ہر پیغمبر اولوالعزم کے نو بگیوگ ہوئے ہیں اسی طرح حضرت خاتم الانبیا کے نو بگیوگ تھے۔ اول حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے۔ دوسرے امام حسن تیسرے امام حسین چوتھے زین العابدین پانچویں محمد باقر چھٹے جعفر صادق۔ ساتویں موسیٰ کاظم آٹھویں علی رضا اور امام علی رضا تک امامت اور بگیوکیت دونوں رتبے جمع تھے۔ پھر محمد تقی بن علی رضا سے یہ دونوں منصب جدا جدا ہوگئے۔ امام علی رضا کے بعد بگیوکیت مجھے ملی اور امامت امام محمد تقی کو اور میں خاتم بگیوکیت ہوں۔ اور تعداد بگیوکیت کی اس خاص ترتیب کے ساتھ امامیہ مذہب والوں کے سامنے بیان کرتا تھا۔ اور جس وقت اہل سنت سے ملتا تو خلفائے اربعہ اور چار خلفائے بنی امیہ و خاندان بنی عباس کو جنکی نیکی مشہور ہے بگیوگ گنکر نواں بگیوگ اپنے نفس کو بتاتا اور کہتا کہ مجھے کسی کے مذہب سے غرض نہیں۔ میں ہر مذہب کا چراغ روشن کرنے والا ہوں اور وحی کے نزول کا بھی مدعی تھا۔ اور کچھ

قاعدے مقرر کئے بعض دلوں کو مثل عیدائے اسلام محترم سمجھتا تھا اور اپنے مریدوں کو جنکا لقب فرہود رکھا تھا یہ ہدایت کی تہی کہ ان دلوں کی حرمت کیا کریں اور کہتا تھا مجھ پر وحی دو طور سے نازل ہوتی ہے۔ ایک اسطرح کہ ایک قرص نورانی مثل آفتاب کے سامنے آتی ہے اور اسپر کلمات منقش ہوتے ہیں میں اُنہیں سمجھ لیتا ہوں اور وہی قرص نورانی مجھپر محیط ہوکر بیہوش کر دیتی ہے۔ دوسرے اسطرح کہ آواز آتی ہے اور کلمات جنہیں مریدوں سے بیان کرتا ہوں اُس آواز سے سنتا ہوں۔ اور السلام علیک کے آخر میں اپنی رائے سے کلمہ خفشان ہمود بودال پڑھا دیا تھا۔ اور جس روز کا اول اول اُسکے اعتقاد کے موجب وحی اُسپر نازل ہوئی تہی اُسکا نام روز جشن رکھا تھا۔ اور روز جشن کو بہاری جشن ہوا کرتا تھا اُسکے مرید عبیر وغیرہ خوشبویات آپس میں اڑاتے اور خوشیاں مناتے اور وہ علم ہمراہ لیکر اور ایک اونچی سی ٹوپی اوڑہکر اپنے مریدوں کے ساتھ اُن کوہستان کی جانب جہاں دیول رانی کی عمارات رہبلی بھٹیارے کے نام سے مشہور ہیں جاتا۔ اور یہ ظاہر کرتا کہ اول بار وحی خاص اسی مقام پر مجھپر نازل ہوئی تہی۔ اور روز جشن سے چھ یوم پیشتر سے روزہ رکھتا ساتویں ذیحجہ کو روز جشن مقرر تھا۔ اور یکم ذیحجہ سے روزہ رکھا کرتا تہا۔ اور روزہ کے دلوں میں کسی سے کلام نہ کرتا اور ہر روز سوائے نماز پنجگانہ کے مریدوں پر یہ بہی مقرر کیا تہا کہ تین بار میری زیارت کیا کریں پہلا وقت زیارت کا طلوع آفتاب بعد نماز صبح مقرر کیا تہا اور دوسرا دن کی دوپہر کا وقت اور تیسرا غروب آفتاب کا وقت کہ ہنوز شفق کی سرخی مغرب میں ہو۔ اور آداب زیارت کے یہ تہے کہ خود مع خلفا کے درمیان میں کھڑا ہوتا۔ اور مریدوں کو حکم تہا کہ اُسکے گرد بطور چار دیوار مربع کے چار صفیں باندہکر کھڑے ہوں پہر ہر صف اُسکی طرف منہ کرکے چند کلمے جو اُسکی اختراعی تہے پڑہتی اور اسکے بعد سرجہکا کر اُسکی بائیں جانب پہر جاتی۔ تاکہ صف شمال رویہ مغرب رویہ ہوجائے اور مغربی جنوبی اور جنوبی مشرقی اور مشرقی شمالی ہوجائے۔ جب مقابلہ چاروں سمت کا چاروں صفوں کے آدمی تمام کر چکتے تو زمین کی طرف دیکھتے پہر آسمان کو پہر شش جہت کو اسکے بعد زیارت تمام ہوتی اور سب آدمی

چلے جاتے۔ ایک دعویٰ اسکا یہ بھی تہا کہ میں وُہی محسن ہوں جو بچہ حضرت فاطمہ زہرا کے شکم سے ساقط ہوا تہا۔ اور اپنے چار خلفا بنائے تہے۔ ایک وہی شاگرد و پسر متبنّٰی خلیفہ تہا اور اسکا نام اپنی مخترع زبان میں دوحِی بار رکھا تہا۔ اور دوسرا خلیفہ اُسکا سالا میر باقر تہا۔ اور دُو خلیفہ اَور تہے۔ اور اپنا نام ننّو داسد اور ننّود اور اننّو ور رکھا تہا اور اسی ڈھب کے نام اپنے مریدوں کی اپنی طرف سے مقرر کرتا اور اُسے نشان کہتا۔ اُسکو تین بیٹے تہے اول ننا ننّو۔ دوم فغار۔ سوم وید۔ اور دو دختر تہیں غانتہ کلان غانتہ خورد اور اقربائے زوجہ کے نام نمایار اور ننّودیار اور ننا د وغیرہ تجویز کیے تہے اور فغار کے بیٹے کا نام ننّو وبد تہا۔ چونکہ مالدار تہا اسلئے اپنی بے پروائی لوگوں پر ظاہر کرتا۔ یہ حالت دیکھکر لوگ اَور زیادہ گرویدہ ہوتے۔ پھر لاہور سے بہادر شاہ کے عہد میں دلّی آیا۔ اور ہادی علی خان کہ بادشاہ کا مقرب تہا اُسکا بہت معتقد تہا۔ اسلئے اسکے کام نے قوت پکڑی اور اسی طرح اَور بہی کئی امیر اسکے مرید ہو گئے یہانتک کہ ایک رات فرخ سیر بادشاہ اُسکی ملاقات کو گیا۔ اس نے بڑی دانائی یہ کی کہ بادشاہ کے ساتھہ بے اعتنائی سے پیش آیا اور اُسکا پیشکش بہی قبول نہ کیا اور ایک قران اپنے ہاتھہ کا لکھا ہوا بادشاہ کو دیکر کتابت کی اُجرت کے ستر روپے لئے۔ فرخ سیر کے بعد محمد شاہ کے عہد میں محمد امین خان وزیر نے اسکی تادیب کی طرف توجہ کی اور جب اُسکی گرفتاری کا حکم دیا تو وزیر مرض قولنج میں مبتلا ہو گیا۔ لوگ اس واقعہ کو ننّو کی بددعا کا اثر سمجھے اور ننّو اُسوقت مسجد میں جا کر بیٹھہ گیا تہا۔ محمد امین خان کے بیٹے قمرالدین خان کو بہی تشویش پیدا ہوئی اور اپنے باپ کی حالت ردی دیکھکر پانچہزار روپیہ اپنے دیوان کے ہاتھہ اُسکے پاس بھیجکر معذرت کی اور تعویذ طلب کیا۔ ننّو نے جانکنی کی خبر سن لی تہی اسلئے اپنے متبعین سے کہتا تہا کہ میں نے ایک تیر اسکے جگر میں مارا ہے ہرگز جان بر نہ ہوگا اور میں بہی شہادت کے انتظار میں بیٹہا ہوں۔ میرا دادا بہی مسجد ہی میں شہید ہوا تہا۔ مگر میں اس وجہ سے کہ ایک مرتبہ شہید ہو چکا ہوں اب شہید نہیں ہونے کا۔ اور مراد اسکی اپنی اس شہادت سے وہی اسقاط حضرت محسن ہے۔ قمرالدین خان کا آدمی بہی جا پہونچا اور نہایت سماجت کی

آپ محمد امین خان کا قصور معاف کریں اور ایک تعویذ لکھدیں۔ ننو نے بڑے تکلف کے ساتھ اپنے ایک مرید سے یہ آیت لکھوا دی وننزل من القرآن ما ھو شفاء و رحمۃ للمؤمنین ولا یزید الظالمین الا خسارا۔ یعنے ہم اُتارتے ہیں قرآن میں سے وہ چیز جس سے مرض دفع ہوں اور مہر ہے ایمان والوں کے لئے اور نہیں زیادہ کرتا ظالموں کو مگر نقصان۔ اور دیوان کو دیدیا اور یہ کہا کہ مجھے یقین ہے کہ تیرے پہونچنے تک وہ زندہ نہ رہیگا۔ اور خود اُن روپیوں کے لینے سے انکار کیا اور ایسا ہی ہوا کہ دیوان کے پہونچنے سے پیشتر وزیر مرگیا۔ جب یہ خبر مشہور ہوئی تو ننو کی کرامت کا بڑا شہرہ ہوگیا۔ دو تین سال کے بعد ننو مرگیا۔ اُسکا بڑا بیٹا نانو سجادہ نشین ہوا۔ یہ زیادہ لالچی اور کوتہ اندیش تھا چنانچہ جو جاداد ننو نے خلفا کو دی تھی اُسکا دبانا چاہا۔ دوجی بار نے بہت سمجھایا کہ مجھ سے تنازع اچھا نہیں نانو نے نہ مانا۔ دوجی بار نے لاچار ہوکر ایک دن سب مریدوں کو جمع کرکے اُن سے کہا کہ آپ لوگ ننو کا اور میرا خط پہچانتے ہو۔ جو پہچانتے تھے اُنہوں نے اقرار کیا۔ دوجی بار نے وہ مسودات جو ننو نے اور اس نے باہم صلاح سے مرتب کئے تھے اور دونوں نے مشورے سے کئی بیشی اپنی اپنی قلم سے لکھی تھی نکالکر دکھائے اور کہا کہ اس مذہب کی بنیاد ننو اور بندہ کی اعانت سے ہوئی ہے۔ اگر خدا کی طرف سے ہوتا تو کمی بیشی کی ضرورت نہ ہوتی۔ لوگوں نے یہ دیکھکر سمجھ لیا کہ یہ سب باطل تھا اور منحرف ہوگئے۔ اور تمام کام بگڑ گیا۔ نانو کے بعد مختار سجادہ نشین ہوا اور اُسکے انتقال اور دولی کی خرابی کے بعد نانو دیار اپنے چند اقربا کو جو باقی رہگئے تھے ہمراہ لیکر بنگالہ میں میرن ولد جعفر علیخان کے پاس پہونچا اُس نے اخراجات کے واسطے پانچ روپیہ یومیہ مقرر کردیا[1]۔

فرقہ دوم وہابی

موجد ملت وہابیہ مسمی احمد ابن عبدالوہاب مقام آئینہ واقع نجد ۱۶۹۱ء میں پیدا ہوا۔ اسکے باپ نے بڑی کوشش سے شریعت اسلام کی تعلیم دی۔ بعدہ اس نے مکہ معظمہ اور بصرہ میں علم دین تحصیل کیا اور کتب احادیث صحاح ستہ کا عالم ہوا پھر اپنے والد کے ساتھ

[1] دیکھو سیر المتاخرین ۱۲

مکہ معظمہ کا حج کیا اور مدینہ طیبہ میں زیارت کر کے شیخ عبداللہ ابن ابراہیم کا مرید ہوا
برسوں اس نے نفقہ میں تعلیم حاصل کی بعدہٗ یہ اپنے وطن کو گیا اور وہاں کا مجتہد ہوا۔
اس نے ظاہر شریعت اسلام کی پابندی اور اُسکے اصول میں فرق نہ کیا۔ یعنے جو لوگ
فال دیکھتے یا شگون مانتے یا مزارات کی تعظیم کرتے یا مزار کو آراستہ کرتے یا مسکرات کو استعمال
کرتے یا ریشمی کپڑا پہنتے اُنکو بُرا کہتا کہ یہ باتیں شریعت رسولؐ کے خلاف ہیں۔ قرآن شریف
اور احادیث کو پڑھکر اس نے خیال کیا کہ اصول شریعت اسلام میں حال کی آمیزشات
کی وجہ سے بڑا تفاوت پیدا ہو گیا ہے۔ تب یہ آمادہ ہوا کہ لوگوں کو خاص احکام اور
شریعت اسلام اُس قاعدے پر سکھاوے اور رواج دیوے کہ جیسا پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ
وآلہ وسلم نے فرمایا ہے اور عمل کیا ہے اور خیال کیا کہ دنیا کے مسلمان بہک گئے ہیں
جو پیر اور اولیا کے قول کی پیروی کرتے ہیں اور یہ رواج انہوں نے اپنے فائدے کی غرض
سے دئے ہیں۔ اس نے چاروں اماموں کے قاعدے پر چلنے سے انکار کیا اور صرف
قرآن مجید اور احادیث نبوی کو بنیادی اور راہنما قرار دیا۔ لوگوں نے اسکا کہنا مانا اور
اسکے طریقے کو تسلیم کیا۔ جبکہ اسکے یہاں اور جماعت کا مجمع ہوا تو شہر کے حاکم سے مخالفت
ہوئی۔ بعاینہ اس کیفیت کے اس نے محمد ابن مسعود زبردست رئیس دریہ کے پاس
ہو چکر پناہ چاہی اُس نے حمایت کی۔ بوجہ حمایت رئیس دیریہ کے وہابی سلسلہ قایم ہوا۔
اور رئیس دیریہ نے اس جدید مذہب والے سے خاندانی رشتہ و قرابت قایم کر کے اسکو
تقویت دی۔ اس رئیس دیریہ کا فرزند عبدالعزیز مشہور وہابی ہوا۔ جب ۱۷۶۵ء
میں ابن عبدالوہاب اور رئیس دیریہ کا انتقال ہوا تو عبدالعزیز اسکا قایم مقام ہوا اس نے
فتوح وہابی کو آگے بڑھایا اور دور دور گوشہائے قریب کو فتح کیا۔ عبدالعزیز بڑا بہادر جنگ آور
نہ تھا بلکہ نماز گذار تھا۔ ۱۸۰۳ء میں ایک ایرانی نے اسکو قتل کیا۔ عبدالعزیز کے فرزند کلاں
مسعود نے جو اس کا قایم مقام ہوا خوب معرکہ آرائیاں کیں اور فتح حاصل ہوئی اس نے
تمام ترکی سلطنت فتح کر لینے کا ارادہ کیا تھا۔ کہتے ہیں یہ نہایت خوشرو اور عقیل ہونہار تدبیر
جنگ میں یگانہ تھا۔ اس نے لڑکپن سے تلوار ہاتھ میں لے لی۔ تمام مقامات سے عرب

جوق جوق آکر اسکے گرد جمع ہوئے۔ اس نے بیس ہزار فوج لے کر کربلائے معلی پر چڑہائی کی جب یہاں پہونچا تو حکم دیا کہ کافروں مشرکوں کو مار ڈالو اور قتل کر ڈالو اور روضۂ اقدس امام ہمام سید الشہدا علیہ السلام کا کچہ ادب نہ کیا۔ جو کچھ نقد و جنس خزانہ درگاہ میں جمع تہا وہ اس وہابی نے لے لیا۔ دوسرے سال اس نے نواح مکہ معظمہ میں دخل کیا اور بوجہ پاس حرم شریف کے کچھ ظلم تعدی نہ کی۔ مگر وہابی طریقہ کا برتاؤ ہوا حقے اور تسبیح اور تعویذ و رہار پہ ریشم سب زبردستی چہین لئے۔ اور انکو سب کے روبرو آگ میں جلا دیا۔ جب نماز کا وقت آتا تو شرعی لوگ ڈنڈے لے کر نکلتے تہے اور نمازیوں کی کثرت سے مسجدیں بہر جاتی تہیں اور تمام آدمی پنجگانہ نماز مسجد میں ادا کرتے تہے۔ جب مکہ معظمہ میں یہ اپنی کارروائی کامل کر چکا اور پورا پورا تسلط ہوگیا۔ تو اس نے سلطان روم کو اپنی کامیابی کا خط اس عبارت سے لکہا۔ از جانب سعود سلطان قسطنطنیہ کو ظاہر ہو کہ میں تاریخ ۴ محرم ۱۲۱۸ھ ہجری میں مکہ معظمہ میں داخل ہوا۔ باشندوں میں امن رکہی میں نے تمام وہ چیزیں اس مقام متبرک سے دور کیں جنکی پرستش بتوں کی مانند یہاں کے لوگ کرتے تہے۔ میں نے تمام محصولات جو خلاف شرع تہے دور کئے۔ میں نے اس قاعدے کو حسب احکام نبوی کل منقرر کیا جس کو تم نے مقرر کیا تہا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم حکام دمشق و قاہرہ کو حکم دو کہ شہر میں وہاں کے لوگ ڈہول و قرنا بجاتے نہ آویں کہ ان چیزوں سے مذہب کو کچھ فائدہ نہیں ہے۔ خداوند ہمیشہ تیرا اپنا فضل و کرم رکہے۔ دوسرے سال اس نے فتوحات مدینہ منورہ میں حاصل کیں اور ایسی کامل کارروائی کی کہ کسی چیز کو اپنا تسلط کئے بغیر باقی نہ چہوڑا۔ اس نے چاہا کہ مرقد منور رسول مقبول سے چادر اٹہالے مگر خواب میں بشارت ہوئی اور حضور رحمت گنجور نے فرمایا کہ خبردار اس حرکت سے باز رہنا تب یہ باز رہا۔ ان مقامات میں نو برس کامل اس سعود وہابی کی حکومت رہی۔ فوج وہابی اسقدر کثیر و زبردست ہوگئی کہ سلطان ٹرکی کو اپنی سلطنت جاتے رہنے کا خوف پیدا ہوا۔ تب علی پاشا کو سلطان نے حکم دیا کہ وہابی الغویات کو مقامات متبرک سے دور کرنیکے واسطے زبردست فوج سے چڑہائی کی جائے۔ بموجب حکم سلطانی پاشائے مذکور نے فوج جمع کی اور ان وہابیوں کو حرمین شریفین سے نکال دیا۔ جب ۱۲۲۸ھ میں سعود مرا

تو اسکا بیٹا عبداللہ جانشین اسکا ہوا۔ یہ اگرچہ جری تہا مگر جنگی داؤں گہات سے محض بے خبر تہا۔ متواتر شکست پاکر انجام کو ابراہیم پاشا نے قید کرکے قسطنطنیہ بہیجدیا۔ اور وہاں قتل ہوا۔ اسکے بیٹے ترکی عبداللہ کو خیال حکومت ہوا مگر وہ بوجہ سیاست سلطان محمد خان والی قسطنطنیہ سے زباد کو بہاگا اور مارا گیا۔ بعدہ اسکے بیٹے فیصل نے زباد میں اپنی حکومت قایم کی ۱۸۳۳ء میں پالگر لوبیاج اور ۱۸۶۵ء میں سرلورنس بیلی صاحب کی اس سے ملاقات ہوئی ۱۸۶۶ء میں فیصل نے انتقال کیا تو اسکا بیٹا عبداللہ قایم مقام ہوا ہرچند کہ وہابیوں کی فوجی قوت نابود ہوگئی تہی۔ تاہم محمد ابن عبدالوہاب نے جو اصول قایم کیے تہے بعض مذہبی رہنما اسکی تقلید کرتے تہے۔ اگر کوئی شخص ملک ہندوستان سے حج بیت اللہ کو جاتا تو اسکو وہابی خیالات کے مولوی ملتے تہے۔ چنانچہ سید احمد صاحب ساکن رائے بریلی ۱۸۲۲ء میں بعد انفراغ حج ہندوستان کو آئے تو ارادہ کیا کہ شمالی ہندوستان کا اسلام درست کریں لوگوں نے سادات جانکر تعظیم کی اور اپنا مجتہد تسلیم کیا یہ تمام شمالی ہند میں اپنے مقلدین کے لئے پہرتے پٹنہ میں اپنا نایب مقرر کیا اور وہ دہلی پہونچے۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب ان کے بہت بڑے مقلد ہوئے۔ ۱۸۲۶ء میں سید صاحب نے سکہوں پر جہاد کیا۔ چار برس تک متواتر جنگ رہی جب سید احمد صاحب ملک ہزارہ میں شہید ہوئے تو فوج وہاں سے اُتر کرستانہ میں آباد ہوئی ۱۸۵۷ء میں باغیوں کی وجہ سے انکی تعداد بڑہگئی۔ انگریزی سرکار نے جنگ انبیلا میں انکو شکست دی آخرسنہ ۱۳۰۰ ہجری تک قریب ۳۰۰ بمقام ملوسی آباد تہے اور وہی شیخ عبداللہ الکا حاکم تہا۔ اس حاکم کی دختر کی شادی امام محمد صدر بازار پشاور سے ہوئی ہے۔ تاکہ وہابی لوگ نجد اور ہندوستان میں بڑہیں۔ مسعود نجدی اور سید احمد صاحب بریلوی نے جو کام تلوار سے نہیں کیا تہا وہ بوجہ ارزانی چہاپہ کے لوگوں نے قلم سے کیا۔ مولوی محمد اسمٰعیل نے جو صراط مستقیم اور تقویۃ الایمان میں لکہا ہے اسکا اثر لوگوں پر پڑتا ہے اور اب دلی میں مولوی سید نذیر حسین صاحب محدث اکثر تصنیفات کے مصنف ہوکر مذہبی مباحثہ مقلدین و غیر مقلدین میں اوقات صرف کرتے ہیں اور مولوی سید محمد صدیق حسن خان

صاحب بن سید اولاد حسن صاحب بریلوی مولد قنوجی موطن بھی اس طریقہ کے بہت حامی تھے۔ یہ روز یکشنبہ ۱۹ جمادی الاولی ۱۲۴۸ھ ہجری میں پیدا ہوئے اور روز چہارشنبہ ۲۹ جمادی الاخری ۱۳۰۷ھ میں بعارضہ استسقا انتقال کیا۔ اور ۱۲۸۸ھ ہجری میں نواب شاہجہان بیگم صاحبہ رئیسہ بھوپال کے ساتھ عقد نکاح ہو جانے سے مرتبہ نوابی و امارت کو پہونچے انہوں نے علم حدیث اور تفسیر وغیرہ میں بزبان عربی و فارسی و اردو بہت سی تالیفات کیں اور لاکھوں روپیہ کے صرف سے چھپوا کر ان کو شائع کیا۔ ہندوستان بلکہ عرب میں کوئی ایسی جگہ نہو گی یا کم ہو گی جہاں کوئی اہل علم یا علم کا ذکر واثر ہو اور انکی کوئی تالیف وہاں نہ ہو۔ اسی وجہ سے انکو بعض علمانے جو اس طریقہ کے پابند ہیں۔ اس صدی کا مجدد قرار دیا ہے۔ وہابی اپنے آپ کو اہلحدیث واہلسنت و محدث و عامل بالحدیث و موحد کہتے ہیں کیونکہ انکا طریقہ علم قرآن و حدیث رہا ہے۔ رائے و قیاس سے بالکل دور ہے اور ادلہ کتاب و سنت سے بہت نزدیک ہے۔ اور اپنے مخالفوں و مقابلوں کو بدعتی کہتے ہیں۔ اور اب وہابی غیر مقلدین اور حنفی مقلدین کے نام سے مشہور ہیں۔

فرقہ سوم بابی

یہ فرقہ باب کی طرف منسوب ہے جسکا اصلی نام علی محمد ہے اور مہدویت کا دعویٰ کیا تھا۔ اسکا باپ جسکا نام مرزا رضا ہے شیراز کا تاجر تھا دستور کے موافق باب نے بھی پہلے فارسی پڑھی اور اسکے بعد عربی کی چند ابتدائی کتابیں دیکھی تھیں کہ پھر فوراً سخت ریاضتیں کر کے زہد میں شہرت حاصل کر لی۔ پھر سید کاظم مجتہد کے حلقہ درس میں جا شریک ہوا۔ اُسکے انتقال کے بعد اُسکے بہت سے شاگرد ساتھ لے کر کوفہ کی مسجد میں جا پہونچا اور بہت ریاضتیں کر کے لوگوں کو اپنی طرف مائل کر لیا پھر ۱۲۶۰ھ میں اپنے عقیدت کیشوں سے اس امر کا اظہار کیا کہ جس مہدی صاحب الامر کا انتظار کیا جاتا تھا وہ میں ہوں اور اسکے ثبوت میں بعض احادیث جن میں مہدی موعود کے آثار بتلائے گئے تھے پیش کیں اور کہا کہ جو جو آثار اس مہدی میں بتلائے گئے ہیں وہ مجھ میں پورے طور سے

موجود ہیں جب اسکے ثبوت میں کرامت طلب کی گئی تو باب نے جواب دیا کہ میری تحریر تو خود ہی کرامت ہے اس سے بڑھکر کیا کرامت ہو سکتی ہے کہ ایک ہی دن میں ہزار شعر مناجات میں تصنیف کرتا ہوں اور پھر اپنی قلم سے لکھتا بھی ہوں۔ اور چند مناجاتیں پیش کیں جنمیں اعراب تک درست نہ تھا جب اسپر اعتراض ہوا تو آپ کیا جواب دیتے ہیں کہ علم نحو ایک گناہ کا مرتکب ہونے کی وجہ سے ابتک غضب الٰہی میں گرفتار تھا اب میں نے خدا کے حضور میں اسکی شفاعت کی جس سے اسکی خطا معاف ہوئی اور حکم ہو گیا کہ نحوی غلطیوں کا کوئی مضائقہ نہیں اور آیندہ سے اگر کوئی غلطی کرے تو کچھ حرج نہیں عوام کو مطیع کرنے کے لئے ایک اچھی تدبیر سوجھی اور حکم دیا کہ چونکہ میرے وجود سے غرض تمام ادیان کا متحد ہو جانا ہے جسکی وجہ سے میں آیندہ سال مکہ معظمہ سے شمشیر بکف خروج کرونگا اور جملہ روئے زمین پر قبضہ کرونگا۔ لہذا جب تک تمام ادیان متفق نہ ہو جائیں اور تمام دنیا میری مطیع نہ ہو جائے تمام تکالیف شرعیہ ملتوی ہیں اب اگر میرے مریدوں میں سے کوئی شخص منہیات شرعی کا مرتکب ہو یا احکامات شرعی ادا نہ کرے۔ تو اسپر کوئی مواخذہ نہیں کہ اس وجہ سے بہت سے عوام اسکے مطیع ہو گئے۔ اسکے مذہب میں حقیقی بہن سے بھی مبتلا ہونا زنا میں شمار نہیں کیا جاتا تھا۔ اور ایک عورت کا نو آدمیوں کو نکاح میں لانا جائز تھا کسی مذہب کا وہ پابند نہ تھا۔ اگرچہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا تھا۔ اسکے متبعین میں علانیہ فسق و فجور کا بازار گرم ہو گیا عورتیں بے پردہ مجلسوں میں شریک ہوتیں اور شرابیں پلاتیں۔ اور باب نے سمجھدار لوگوں کو آیندہ کی بہبودی و ترقی کی امید دلائی اور وعدہ کیا کہ جب سارے روئے زمین پر میرا قبضہ ہو جائے گا تو تمہارے حقوق سب سے مقدم سمجھے جائینگے غرضیکہ ایک اچھی خاصی جماعت باب کے مطیع ہو گئی باب نے اپنے مریدوں کو چند احکامات دئے ہے جو بطور اشعار ادا کئے جاتے تھے اور وہ یہ تھے۔

۱۔ چونکہ تمام دنیا کا میری زیر نگین ہونا اس غرض سے کہ تمام دنیا ایک مذہب ہو جائے ضروری ہے لہذا میں آیندہ سال مکہ معظمہ سے شمشیر بکف سارے جہان پر حملہ آور ہونگا کہ دنیا میری تحت و تصرف میں آجائے اور وہ تمام اغراض جو میرے وجود سے مقصود ہیں پوری ہو جائیں

اور اس سے غرض یہ تھی کہ اعدائے خدا کی جانیں جسم سے جدا ہوں گی اور ہر طرف خون کی ندیاں جاری ہونگی۔ پس جملہ مریدین با صفا کو حکم دیا جاتا ہے کہ بطور ایک علامت تنگون کے اپنے خطوط کو سرخ کیا کریں۔

۲ - السلام علیک کے عوض مرحبا یک سلام کے لیے مقرر کیا جاتا ہے۔

۳ - اذان میں میرا نام بھی داخل ہو۔

اور اسکا یہ قول بھی تہا کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی نے مجھسے بیعت کی اور یہ اتبک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی الگ الگ تہے اور جدا جدا تہے۔ میں ان دونوں کا جامع ہوا اور اسی وجہ سے میرا نام بھی علی محمد ہے۔ اسکے اقوال میں سے ایک یہ بھی تہا کہ جس طرح کوئی آدمی بغیر باب یعنے دروازے کے گھر کے اندر نہیں جا سکتا اسی طرح بغیر اسکے نہ مجھے دیکھیں اور مجھسے اجازت حاصل کریں خدا اور دین خدا تک نہیں پہونچ سکتے۔ مریدوں نے جب اس قول کو سنا تو اسکا لقب ہی باب کر دیا اور باب نے بوشہر ہو بحکم بعض مرید بطور منادی کے شیراز بہیجے تاکہ وہ لوگوں کو باب کے مہدی موعود ہونے کا یقین دلائیں اور جو لوگ اسکے مہدی موعود ہونے کی تصدیق کریں اُن سے بیعت لیں۔ اپنا تصنیف کیا ہوا کلام بھی جس میں سے کسی کا نام قرآن کسی کا نام مناجات رکھا گیا تھا۔ انکو دیا گیا تاکہ وہ اسکو لوگوں کے روبرو پیش کریں اور وہ اُنہیں بجائے قرآن مجید و صحیفہ سجادیہ کے کہ امام سجاد کی تصنیف کردہ مناجاتیں ہیں پڑہا کریں۔ بعض مورخین کا قول ہے کہ باب کا خلیفہ ملا حسین بشرویہ ہوا اور قرۃ العین نام ایک خوب صورت عورت نائب بنی یہ عورت عربیت میں دستگاہ رکہتی تہی کچھ عبارتیں لکھکر کہا یہ جواب کلام الٰہی ہے اور دعوت الی الباب کی طرف کہ تصوف کے نام میں چھپ رہا تہا شریعت کی جوق جوق مخلوق شیعہ وغیرہ میں سے اس عورت کے حسن و جمال اور کلام کے فریفتہ ہوکر گمراہ ہوگئے بلکہ جلاء العینین میں لکھا ہے کہ کہتے ہیں کہ بعضے یہود و نصاریٰ تک نے بہی مذہب باب کی متابعت اختیار کرلی۔ گورنر فارس کے گورنر نظام الدولہ نے باب کو گرفتار کر لیا پھر مجمع علما میں لاجواب

لہ دیکھو تاریخ گلزار خاہی و گفتگوی محمد علی شیرازی رجب ۱۲۷۵ھ

کروانے کے قتل کرنے کی غرض سے نظام الدولہ نے مکر وفریب سے اسکی نہایت تعظیم و تکریم کی اور اپنے آپ کو اسکا بالکل مرید ظاہر کیا اور باب کو اصفہان والا کے علماء کے ساتھ مجمع عام میں مباحثہ کرنے پر راضی کر کے مناظرہ کرایا اور جب بابنے علماء کے سامنے اپنا ایسا کلام جس میں اعراب تک درست نہ تھے قرآن کے معارضہ میں پیش کیا تو سب نے اوپر اسکی ہرزہ سرائی ظاہر ہوگئی اب نظام الدولہ نے اسکو قتل کرنیکی تجویز کی۔ باب چالاکی سے پکارنے لگا توبہ کردم توبہ کردم مگر نظام الدولہ نے اُسکا منہ کالا کروا کر اور تمام شہر میں گشت کرونیکے بعد شیخ ابو تراب کی مسجد میں لیجا کر توبہ کروائی اور احتیاطاً باب کو قید بھی کر دیا۔ اصفہان کا گورنر معتمد الدولہ صوفیوں فقیروں کی صحبت کا نیا دوہ مائل رہا کرتا تھا اُس نے باب کو درویش کامل سمجھکر رہائی دلوا کر اپنے پاس بلوالیا مگر مشکل یہ آپڑی کہ باب کی علانیہ تائید کرنے میں مجتہدین کو جنہیں ایران میں بہت بڑی قوت حاصل ہے بدگمانی پیدا ہوتی جس سے معتمد الدولہ کو خود اپنی جان بچانی مشکل ہو جاتی۔ آخر کار مناسب سمجھا گیا کہ باب مخفی رکھا جاے اور لوگوں سے اس امر کا اظہار کر دیا جائے کہ وہ خارج البلد کر دیا گیا۔ چند مہینے تک باب اسی طور سے اصفہان میں رہا۔ اور اپنے مریدوں کو اطراف و جوانب میں دعوت کے لئے بھیجتا رہا اور یوں پوشیدہ ہی پوشیدہ ملک میں باب کا اثر پھیل رہا تھا اتفاق سے چند ہی روز کے بعد معتمد الدولہ مرگیا اور اس سے باب کا ایک بڑا حامی دنیا سے جاتا رہا۔ معتمد الدولہ کے مرنیکے بعد جب لوگوں کو معلوم ہوگیا کہ باب خارج البلد نہیں کیا گیا ہے بلکہ یہاں موجود ہے تو اسوقت لوگوں نے دربار ایران میں عرضی بھیجی کہ باب یہاں موجود ہے آپ اسکی نسبت جو حکم ہو اسکی تعمیل ہوگی اسپر حاجی مرزا آقاسی نے جو اسوقت وزیر اعظم تھا یہ حکم بھیجا کہ اصفہان سے لیجا کر آذربائجان کے قلعہ چہریق میں محبوس کر دیا جائے اور تو باب قلعہ چہریق کی ہوا کھا رہے تھے اور اودہر انکے مریدوں نے فساد مچا دیا اور متواتر کامیابیاں حاصل کیں اور ایک بہت بڑا گروہ اسکے مریدوں کا پیدا ہوگیا جسکی وجہ سے آخر سنہ ۱۲۶۳ھ میں یعنے باب کے ادعاے مہدویت کے تین سال بعد محمد شاہ والی ایران نے اپنے ولیعہد ناصر الدین شاہ کو جو اسوقت آذربائجان کے وائسرائے تھے اس امر کا حکم بھیجا کہ باب کو قلعہ چہریق سے بلوایا جاوے اور اس سے پھر مباحثہ ہو۔ حاجی مرزا آقاسی نے ایک چٹھی شاہزادے کو لکھی

جسمیں شاہ ایران کے حکم کی تعمیل کرنے پر زور دیا گیا تھا جب انکو فرمان پہونچا اور اُسکے ساتھ مدیر اعظم کی چٹھی بھی تو اُنہوں نے فوراً باب کے تبریز میں حاضر ہونیکا حکم دیا اور وہاں ملا محمود جو تبریز کا مجتہد اعظم تھا اور جسکا خطاب نظام العلما تھا۔ اور ملا محمد مقانی اور نیز بہت سے مجتہد جمع ہوئے اور باب بھی بلایا گیا اور مباحثہ کرایا اور جب باب کی لغویت اور کذب اس مناظرے میں ثابت ہو گیا تو ناصر الدین شاہ نے کہا "با ایں حالت دعویٰ صاحب الامری"۔ چونکہ ایک دیوانہ سا معلوم ہوتا ہے لہذا میں تیرے قتل کا حکم نہیں دے سکتا۔ اس صرف تنبیہ و تادیب کا حکم دیتا ہوں تاکہ لوگوں کو ثابت ہو جائے کہ تو صاحب الامر نہیں ہے حکم کی دیر تھی کہ مار پڑنے لگی جب اچھی طرح مار پڑ چکی تو پھر لیجاکر قلعہ چہریق میں محبوس کر دیا۔

قرۃ العین اور حاجی محمد علی زنجانی اور ملا حسین بشرویہ معروف بہ سید علی اعظم اور سید یحییٰ بن سید جعفر دارابی الملقب بہ کشاف وغیرہ اُسکے بڑے بڑے داعی تھے جنہوں نے سلطنت ایران میں ہل چل ڈالدی۔ کیونکہ یہ لوگ علاوہ تعلیم یافتہ ہونیکے امور حرب سے بھی واقفیت رکھتے تھے اسوجہ سے اعیان وارکان سلطنت کی یہ رائے قرار پائی کہ باب کو قتل کرا دینا چاہیے جب تک یہ زندہ ہے آئے دن فتنہ و فساد پیدا ہوتے رہیں گے اور علمانے بھی اُسکے واجب القتل ہونے کا فتوٰی دیدیا اسلئے پھر باب قیدخانہ سے تبریز میں لایا گیا۔ ایک شب حشمت الدولہ نے اُس سے یہ کہا کہ تمہارا یہ دعوٰی ہے کہ مجھپر وحی اترتی ہے اور میرا قرآن اس قرآن سے فصیح ہے اگر اس دعوٰی میں سچے ہو تو اس چراغدان بلوری کے حق میں دعا کرو تاکہ کوئی آیت نازل ہو۔ باب نے فوراً آیت نور کا کچھ ٹکڑا کچھ آیت ملک سے ملا کر مہمل کہا اور پڑھ دیا حشمت الدولہ نے وہ کلمات لکھلئے پھر باب سے کہا کہ یہ آیت وحی آسمانی ہے اُس نے کہا جی ہاں حشمت الدولہ نے کہا وحی کبھی دل سے فراموش نہیں ہوتی۔ اگر واقعہ میں یہ وحی ہے تو دوبارہ تو پڑھو۔ جب باب نے دوبارہ پڑھا تو دوسرے طور پر تھا آخر کار اُسکے قتل کا حکم صادر ہوا مگر مجمع عوام سے پوشیدہ اسواسطے قتل کرانا مناسب نہ سمجھا گیا کہ عوام دھوکے میں پڑ جائینگے۔ اور یہ سمجھیں گے کہ اس نے غیبت اختیار کر لی ہے۔ پس تبریز میں پیر کے دن ۲۷ شعبان ۱۲۶۶ھ کو ملا محمد علی زنجانی کے ساتھ حمزہ مرزا کے حکم سے نشان سے باندھا گیا اور اُن فوجی آدمیونکو

جو عیسائی تھے حکم دیا کہ باڑھ ماریں۔ یہ لوگ جو سکے مریدوں کے قصبوں اور شہروں سے خوب واقف تھے گولیاں باڑھ کی چلانے لگے۔ مگر ملا محمد علی کے زخم کاری آیا اور اُس نے مرتے وقت باب سے کہا کہ آپ اب بھی مجھسے راضی ہوئے۔ اور جان دیدی۔ باب سپاہیوں سے پکار کر کہنے لگا کہ تم میری کرامات دیکھتے ہو کہ گولیوں کی اتنی بوچھاڑ پڑے اور پھر بھی میرے کوئی گولی نہیں لگتی اور خطا جاتی ہیں بلکہ ایک گولی باب کی رسی میں لگی تو وہ کٹ گئی اور وہ نکل کر بھاگا اور ایک سپاہی کی کوٹھڑی میں جا چھپا اور کہنے لگا اے لوگو یہ میری کتنی بڑی کرامت ہے کہ ایک گولی نہیں لگی بلکہ میں رہا ہو گیا پھر تو یہ حال ہوا کہ کوئی اُسکی طرف گولی نہیں چلاتا تھا بلکہ صدہا عورت و مرد سکے گرد اس میدان میں جمع ہو کر چلاتے اور غل مچاتے تھے مگر حکام کی تاکید سے سپاہیوں نے پھر اسے پکڑ لیا۔ اور کئی گھونسے مارے اور گولی ماری گئی اور لاش اسکی گلی کوچوں میں گھسیٹ واکر شہر کے باہر ڈلوائی۔ باب کی وفات کے بعد شیخ علی نامی ایک بابی نے امیر سلیمان کو اپنا ہم مذہب بنا کر اسبات پر آمادہ کیا کہ ناصر الدین شاہ والی ایران کو قتل کرا دینا چاہیے اُس نے دس بارہ آدمی اپنے ہم مذہب ساتھ لیکر سواری کے وقت شاہ پر حملہ کیا اگرچہ زخم پورا لگا مگر جان سے بچ گئے۔ تحقیقات کے بعد سلیمان اور شیخ علی اور وہ ہمراہی مروا دیے گئے۔ اور جسقدر بابی ہاتھ لگے وہ ایران سے نکلوا دیے گئے۔ مرزا حسن خلیفہ بابنے جسکا لقب بابنے صبح ازل مقرر کیا تھا اور مرزا حسین جسکا خطاب بہاء الحق ہے بھاگ کر قسطنطنیہ پہونچے اور وہاں بہت سے آدمی اپنے طریقہ میں ملا لئے وکیل ایران نے سلطان عبد العزیز خان سے یہ سارا ماجرا بیان کیا سلطان نے صبح ازل کو تو جزیرۂ قبرس میں اور بہاء الحق کو شہر عکہ میں بھیجدیا اور حکم دیا کہ وہاں سے کہیں ٹلنے نہ پائیں۔

نواب صدیق حسن خان مرحوم خطیرۃ القدس میں لکھتے ہیں کہ ۱۲۹۳ ہجری میں بہاء الحق کا ایک مرید ہندوستان کو آیا اور علاء الدین احمد خان رئیس لوہارو کو اپنا معتقد کر لیا۔ اور طریقہ بابیہ کے بیان میں ایک رسالہ لکھکر ذکر الاسرار فی معارج الاسفار لمن یرید

ملہ دیکھو تاریخ التواریخ

ان یتابیع الی اللہ للمقتد البیار نام رکھا۔ اور اپنا نام اس رسالہ میں جمال الدین ہروی الاصل قسطنطنی المسکن ظاہر کیا اور رسائیہ بہائیہ کے ساتھ اس رسالہ کو ملقب کیا کیونکہ وہ بہا الحق کا مرید تھا مضامین اس رسالے کے وحدت الوجود وغیرہ کے قبیل سے ہیں تاریخ گلزار شاہی اور کشکول محمد علی شیرازی میں فرقہ بابیہ کا حال مجملاً اور ناسخ التواریخ میں مفصلاً مرقوم ہے اور سید خیر الدین نعمان آلوسی زادہ مفتی حنفیہ بغداد نے کتاب جلاء العینین فی محاکمۃ الاحمدین میں جو بیان کیا ہے وکذا الفرقۃ المعروفۃ بالبابیۃ وھم اتباع محمد حسین واخیہ الذین ادعیا انھما الباب یعنے فرقہ بابیہ محمد حسین اور اُسکے بھائی کا متبع ہے جنہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ ہم باب ہیں یہ صحیح نہیں اسلئے کہ یہ فرقہ ان دونوں شخصوں کی طرف منسوب نہیں یہ تو باب کے داعی ہیں اور باب اصل میں خطاب اسی علی محمد کا ہے جسکے سارے بابی متبع ہیں۔ یکم مئی ۱۸۹۶ء کو ناصر الدین شاہ قاچار والی ایران محمد رضا بابی کے ہاتھ سے مارے گئے۔ اور اُنکے فرزند صلبی شاہ مظفر الدین تخت نشین ایران ہوئے۔

فرقہ چہارم نیچری

شہر دہلی جب شاہ عالم بادشاہ کے عہد میں نہایت تنزل کو پہونچا اور وہاں کے علماء شرفا اور اہل ہنر جو عہد سلطنت شاہ جہان سے آباد تھے اِدہر اُدہر پریشان ہو کر نکل گئے تو اس زمانہ میں خاص کشمیر یا اُسکے نواح کے کچھ لوگ یہاں آ بسے۔ فدا حسین رسول شاہی اور دیگر قلندر رنگ نوش سیلی ٹوپی والے آزاد اسی قوم سے گذرے ہیں۔ انہیں سے بعض خان صاحب اور بعض مرزا اور بعض سید اور امیر صاحب کہلاتے ہیں۔ اس قوم کے بعض لوگوں نے اس اُجڑی سلطنت میں کچھ رسوخ بھی حاصل کیا تھا اور کوئی معزز لقب بھی خریدا تھا پس اس کنبے میں سے ایک شخص احمد سعید خان صاحب بہادر بھی پیدا ہوئے۔ یہ شخص ابتدا میں مولوی مخصوص اللہ صاحب نبیرہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کی خدمت میں حاضر ہو کر کسی قدر صرف نحو سے آشنا ہوئے اور تعویذ گنڈے بھی سیکھے۔ لیکن جب یہ نسخہ نہ چلا تو گورنمنٹ برٹش کی طرف رجوع کیا اور دینی لیاقت عداوت سے کوئی اچھا

ملہ ملخصاً از تفسیر حقانی ۱۲

عہدہ بھی پایا۔ پھر تو پکے وہابی متبع مولوی اسماعیل صاحب مرحوم کے ہو گئے اور ایک کتاب آثار الصنادید لکھکر شہر کے اہل علم وفضل میں شہرت اور عزت حاصل کی ۱۸۵۷ء میں غدر ہو گیا اور سید صاحب اپنی خیر خواہی اور حکام رسی کے ذریعہ سے بڑی ترقی کر گئے۔ اور اپنی خوش بیانی اور اپنی عالیدماغی کی وجہ سے انگریزوں میں بڑے فاضل فلاسفر یار غار مانے گئے اور سی ایس آئی کا لقب حاصل کیا اور انہوں نے مسلمانوں کیطرف سے گورنمنٹ کو اطمینان دلانے اور اپنی ترقی اور خیر خواہی کے لئے ایک کتاب تبیین الکلام بائبل کی تفسیر میں لکھکر عیسائیوں اور مسلمانوں کو باہم ملانا چاہا لیکن اس امر محال کے وقوع میں سید صاحب ناکام رہے۔ اس عرصہ میں سید صاحب نے کلکتہ میں برہمو سماج مذہب کو ہونہار دیکھا اور اسکے اصول کو یورپ کے فلاسفروں اور ایشیا کے

سلہ راجہ رام موہن نامی ایک بنگالی ہندو نے اہل اسلام وپادریوں کی کتابوں سے واقف ہو کر ایک نیا مذہب اسلام سے اخذ کیا اور یورپ کے ملحدوں کے خیالات اور کچھ عیسائیوں کی عبادات کو ملاکر ایک نیا مذہب بنایا اور اسکا نام اسکو قدیم مذہب ہنود کا عطر کہکے براہم وبرہم نام رکھا۔ اس مذہب کے اصول میں آسمانی کتاب قرآن یا وید یا توریت کوئی نہیں بلکہ آسمانی دو کتاب ہیں۔ اول طبعی خیالات دوم وہ اصلی صداقتیں جو اخلاق منا اور بقا کی بابت ہیں۔ انبیاء علیہم السلام سے نہ معجزہ ممکن ہے نہ کبھی سرزد ہوا ہے۔ اور نہ اُن سے خدا نے بطریق وحی یا الہام کلام کیا ہے نہ اس قسم کے ثبوت کی کچھ ضرورت ہے بلکہ عقل کافی ہے۔ انبیاء اپنے وقت میں بزرگ اور ناصح اور امورات دینی میں فائدہ بخش تھے مگر وہ معصوم نہ تھے اُنپر دینی ترقی کا خاتمہ ہو گیا۔ بلکہ ہر زمانہ میں ایسے لوگ پیدا ہونگے اسمیں حضرات موسیٰ وعیسیٰ ومحمد علیہم السلام ونانک وکبیر شریک ہیں یعنے نبوت کے جو معنے اہل اسلام اور اہل کتاب کے ذہن میں ہیں یہ اسکے منکر ہیں اس مذہب میں ہندو مسلمان عیسائی مجوسی جو ان باتوں کے معتقد ہیں شریک ہیں مرنیکے بعد صرف عمدہ کمالات کی خوشی کا نام جنت اور نجی خیالات سے تاسف کرنے کا نام جہنم ہے۔ وسیلہ نجات عبادت ہے اور عبادت کے چار رکن ہیں۔

۱۔ حمد آلہی۔ ۲۔ روح آلہی کا اپنی روح میں مراقبہ کرنا۔

۳۔ خالق کا ہر دم شکر گذار رہنا۔ ۴۔ اور اُسی سے دعا مانگنا۔

معلموں کے مطابق خیال پاکر اُسکو از مد پسند کیا۔ اور جو دل میں مراد تھی اسکو بلا محنت و مشقت پایا لیکن یہ بات نہ تنہا اُنکے مقاصد بلکہ اُنکی شان کے بھی خلاف تھی کہ وہ کھلم کھلا اسلام کو ترک کر کے ایک بنگالی بابو کے مرید اور امت کہلاتے پس دل میں یہ سوچا کہ برائے نام تو اسلام ہو مگر اسکو برہمو سماج مذہب کے مطابق کیجئے۔ لفظ نبی اور ملائکہ اور جبریل و جنت و دوزخ و وحی والہام و شیطان بلکہ سما و جن کو تو بحال خود رہنے دیجئے اور ہر مسلمان سے کہئے کہ میں ان چیزوں پر ایمان رکھتا ہوں تاکہ مسلمانوں کو مجال تکفیر نہ ہو اور ان الفاظ کے معانی بالکل پلٹ دیجئے۔ نبی حرف ریفارمر ہے کہ جیسیں بڑھئی لوہار کے کام کی مانند اس کو وعظ گوئی کا ملکہ ہو اور نبوت ہر زمانے میں پائی جاتی ہے بلکہ ہر قوم اور پیشے ہیں دیکھو نظامی اور جامی کو پیغمبران سخن کہتے ہیں اس زمانہ میں دیانند سرستی اور بابو کیشب چندر بنگالی بھی نبی ہیں اور انگلینڈ میں بھی فلاں فلاں شخص نبی ہیں۔ نبی کے لئے معجزہ یا کرامت جسکو خرق عادت کہتے ہیں شرط نہیں یہ صرف پرانے خیالات ہیں بلکہ خرق عادت ممکن ہی نہیں۔ الہام یا وحی خیالات فطری کا جوش ہے اور جبریل جو اسکو لاتا ہے کوئی شخص خاص نہیں۔ اور اُس نبی کی قوت ہے جو فطرت کے موافق فوارے کیطرح اُچھلکر اُسے پُر کرتی ہے اور یہی معنے نزول کے ہیں۔ ملائکہ اشخاص متحیزہ بالذات نہیں قرآن میں جو لفظ ملک یا ملائکہ یا جبریل آیا ہے اُس سے انسان کی قوت ملکیہ مراد ہے جیطرح شیطان سے قوت بہیمیہ اور جن سے ایک جنگلی قوم کہ جو لوگوں سے پوشیدہ رہتی تھی اور جنت و دوزخ صرف خوشی و غمی کا نام ہے باقی حوریں اور نہریں اور میوہ جات جو قرآن اور نبی اسلام نے بیان فرمائی ہیں وہ محض رغبت اور خوف دلانے کو اظہار خوشی و غم کی ان چیزوں کے ساتھ تفسیر یا تشریح کر دی ہے ورنہ کچھ نہیں ہے آسمان مراد بلندی سے ہے۔ اور چونکہ یہ بعد غیر متناہی اور متصل یکے بعد دیگرے ہے اسلئے اسکو سبع سموٰت کے ساتھ تعبیر کیا۔ اور قرآن کے من اللہ ہونیکی یہ دلیل نہیں ہو سکتی کہ ویسا فصیح کلام کوئی بشر نہیں کہہ سکتا اور نہیں کہہ سکا۔ بہت سے کلام انسانوں کے دنیا میں ایسے موجود ہیں کہ انکی مثل فصاحت و بلاغت میں آجتک دوسرا کلام نہیں ہوا اگر وہ من اللہ

تسلیم نہیں ہوتے۔ اور جو اس قسم کی آیتیں ہیں مثلاً فأتوا بسورة من مثله یعنے قرآن کے کسی ٹکڑے کی مانند تم ہی بنا لاؤ۔ اُنمیں کوئی ایسا اشارہ نہیں جس سے ثابت ہو کہ فصاحت و بلاغت میں معارضہ چاہا گیا ہو بلکہ صاف پایا جاتا ہے کہ جو ہدایت قرآن سے ہوتی ہے اُسمیں معارضہ چاہا گیا ہے اور رویت الٰہی کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو رویت الٰہی کا سوال کیا تو اسکی وجہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ اپنے شوق کے سبب سے جسمیں انسان کو ذہول ہو جاتا ہے بھول گئے خدا انکو آنکھوں سے دکھائی نہیں دیسکتا۔ اور جب بنی اسرائیل نے اپنی حماقت سے چاہا کہ ہم علانیہ خدا کو دیکھ لیں تو حضرت موسیٰ انکو بجز اُسکی قدرت کاملہ کے ایک عظیم الشان کرشمہ کے اور کچھ نہیں دکھا سکتے تھے۔ پس وہ انکو کوہ طور کے قریب لیگئے جو اُس زمانہ میں آتش فشاں تھا پس اسکی آتش فشانی اور گڑگڑاہٹ اور زور شور کی آواز اور پتھروں کے اُڑنیکے خوف سے وہ بیہوش ہو گئے یا مُردے کی مانند ہو گئے۔ خداتعالیٰ اُن تمام کاموں کو جو اُسکے قانون قدرت سے ہوتے ہیں خود اپنی طرف منسوب کرتا ہے۔ اسی طرح ان واقعات عجیبہ کو بھی اُس نے اپنی طرف منسوب کیا ہے اور۔ علم آدم الاسماء کلها یعنے سکھائے آدم کو تمام اسماء۔ اس آیۃ میں آدم کے لفظ سے وہ ذات خاص مراد نہیں جسکو عوام الناس اور مسجد کے ملّا بابا آدم کہتے ہیں بلکہ اس سے نوع انسانی مراد ہے۔ اور یہ جو قرآن میں ہے کہ جنات حضرت سلیمانؑ کے حکم کے موافق قلعے اور تصویریں تیار کرتے تھے۔ سید صاحب کہتے ہیں کہ صرف چند لوہار یا کاریگر یہ کام بناتے تھے اور حضرت سلیمانؑ غبارہ پر سوار ہوتے تھے جو دخان یا ہوا کے زور سے چلتا تھا اور کوئی معجزہ کی بات نہ تھی اور حضرت موسیٰؑ جو قوم بنی اسرائیل کو لے کر شہر مصر سے نکلے اور راتوں رات دریائے نیل سے پار اُتر گئے تو معلوم ہوتا ہے کہ اُسوقت بہ سبب جوار بھاٹے کے جو سمندر میں آتا ہے اُس مقام پر کہیں خشک زمین نکل آتی تھی اور کہیں پایاب رہجاتی تھی۔ بنی اسرئیل خشک اور پایاب رستے سے راتوں رات اُتر گئے اور حضرت موسیٰؑ کا یہ کوئی معجزہ نہ تھا فرعون نے جب تعاقب کیا تو وہ وقت پانی کے بڑھنے کا تھا لمحہ میں پانی بڑھ گیا جیسے اپنی عادت کے موافق بڑھتا ہے اور ڈباؤ ہو گیا جس میں فرعون اور اُسکا لشکر ڈوب گیا وقس علی ذالک یہ باتیں سید صاحب کی تفسیر اور پرچہ تہذیب الاخلاق میں موجود ہیں غرضیکہ سید صاحب نے اکثر عقاید

اسلام کی بنیاد ڈالی۔ چنانچہ پرچہ تہذیب الاخلاق مطبوعہ ۱۲۹۶ھ ہجری صفحہ ۹۱ سے ۹۲ و ۱۰۰
میں یوں فرماتے ہیں الاسلام ھو الفطرۃ والفطرۃ ھی الاسلام یعنے اسلام جو ہے وہ
فطرت ہے اور فطرت جو ہے وہ اسلام ہے اور فطرت اسلام کا دوسرا نام ہے لامذہبی بھی
درحقیقت اسلام ہے کیونکہ لا مذہب بھی کوئی مذہب کہتا ہے اور وہی اسلام ہے الخ
اور وہی عین فطرت ہے و نیچر ہے جو آدمی نہ کسی نبی کو مانتا ہو اور نہ کسی اوتار کو اور نہ کسی کتاب
الہامی اور نہ کسی حکم کو جو مذاہب میں فرض اور واجب سے تعبیر کئے گئے ہیں بلکہ صرف خدائے
واحد پر یقین رکھتا ہو وہ آدمی کسی مذہب میں نہیں ہے اور جو لوگ خدا کے بھی قائل نہیں ہیں
وہ بھی مسلمان ہیں کیونکہ الخ انکے اہل جنت ہونے میں کیا شک باقی رہا انتہیٰ۔ اسکی تائید میں
سید صاحب ابوذر کی حدیث کو پیش کرتے ہیں کہ صحیح بخاری ومسلم میں ان سے مروی
ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نہیں ہے کوئی بندہ جس نے لا الہ الا اللہ کہا پھر اسپر
مرا لیکن داخل ہوگا جنت میں۔ ابوذر کہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا گو اس نے زنا
کیا ہو یا چوری کی ہو فرمایا گو اس نے زنا کیا ہو یا چوری کی ہو۔ پھر میں نے یہی کہا اور آپنے
وہی جواب دیا۔ چوتھی بار میں فرمایا وان زنی وان سرق علی رغم انف ابی ذر یعنے
اگرچہ زنا اور چوری کرا اور پر خاک آلودہ ہونے ناک ابوذر کے یعنے اس بات کو اگرچہ وہ اچھا نہ جانے۔
خطیرۃ القدس میں لکھا ہے کہ فرقہ نیچریہ ابھی تک اسی پر قانع ہے کہ زبانی دعوت کرتا ہے
اور بیان کے ذریعہ سے لوگوں کو پھانس رہا ہے۔ ابھی انکو یہ موقع اور قدرت نہیں ملی
اور انکی اتنی جمعیت فراہم نہیں ہوئی کہ ہتھیار اٹھا کر اہل صلاح کے مشاکنت وخون کریں۔

پنجم فرقہ درویشان سوڈان

یہ فرقہ محمد احمد مہدی سوڈانی کا متبع ہے جسکی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ عرب تھا
بلکہ نوبیا کا اصلی باشندہ تھا۔ اور مقام ہیک میں دریائے نیل کے تیسرے آبشار کے قریب ۱۲۶۳ھ
میں پیدا ہوا تھا اور بموجب دوسری روایت کے جزیرہ نیٹ ارطی میں جو آرہ یا ڈنگولائی جدید
کے محاذی اور اسی نام کے ایک صوبہ کا دار الحکومت ہے۔ اور جو دریا کے قریب پچاس میل کے فاصلہ
واقع ہے پیدا ہوا تھا۔ جب اس شخص نے اس امر کا اعلان کیا کہ میں وہی مہدی ہوں جسکے پیدا

ہونے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے اسوقت عمر اسکی چالیس برس کی تھی۔ یہ شخص بچپنے سے اپنے میں ملہم غیب ہونیکے آثار ظاہر کرتا تھا اور بارہ برس کی عمر میں اس نے قرآن شریف حفظ کر لیا تھا۔ یہ مہدی لڑکونکی طرح سنتکا یہ میں جو سنار کے محاذی میں ایک جزیرہ ہے اپنے چچا شرف الدین کے پاس رہتا تھا اور کشتی بنانیکا کام سیکھتا تھا ایک دن اسکے چچا نے اُسے خوب مارا اور وہ بھاگ کر خرطوم کو چلا گیا اور وہاں درویشوں کے مدرسہ میں داخل ہوا۔ اس مدرسہ میں ایک عالم تھا وہ درویشوں کا پیشوا اشمار کیا جاتا تھا یہ مدرسہ ہوقالی نام قریہ میں قریب شہر کے جاری تھا۔ اس مدرسہ میں محمد احمد نے عرصہ تک رہکر دینی تعلیم پائی تھی مگر دنیاوی معاملات نوشت وخواند میں اُس نے کوئی ترقی معقول حاصل نہ کی تھی۔ بعد اسکے وہ یہاں سے بربر کو گیا اور وہاں پہونچکر ایک دوسرے مدرسہ میں داخل ہوا۔ یہ مدرسہ شیخ غوبوس کے اہتمام میں تھا اور مثل مدرسہ اول الذکر کے ایک مزار کے متعلق تھا اس مدرسہ میں داخل ہونے سے اُسکی غرض یہ تھی کہ علوم مذہبی کی تحصیل حاصل کرے چنانچہ بعد اسکے وہ اردوب کو جو کانا کے جنوب میں واقع ہے گیا اور شیخ نور الدین کا مرید ہوا اور شیخ نے اُسے درویش کا لقب عطا کیا۔ دوسری روایت اسکی بہ نسبت لوگ یوں بیان کرتے ہیں کہ جب اسکا باپ مرگیا تو اسکے بڑے بھائیوں نے جو نیل ابیض پر کشتی سازی کا کام کرتے تھے یہ خیال کر کے کہ محمد احمد میں مادہ تحصیل علم کا زیادہ ہے اُسے تعلیم کے لئے ملا عبدالرحیم اور الغزوجی کے سپرد کیا۔ جو قریب خرطوم کے رہتے تھے۔ اُن مدرسوں کی تعلیم جہاں محمد احمد نے تربیت پائی مخصوص ومحدود نوشت وخواند وحفظ آیات قرآنی پر تا حد امکان تھی اور ان میں جو لوگ عالم ہوتے وہ قرآن مجید کی تفسیر بھی کرتے تھے۔ اس تعلیم مذہب میں فقہ اسلامی کی بھی تعلیم ہوتی تھی اور ان واعظوں کی ہر درجہ کے لوگوں میں جنہیں وہ وعظ کہتے تھے بہت وقعت ہوا کرتی تھی۔ اوّل اس ایک صفت کا ہونا ان درویشوں میں تو اشد ضروری ہے کہ وہ لوگ چند آیات قرآن جلی پر لکھ سکیں جسے لوگ بطور تعویذ پہنیں جسکی وجہ سے ہر قسم کی بلا اور نیزہ اور گولی کے زخم سے محفوظ رہیں اور عورتیں بھی اُسکے پہننے والوں پر فریفتہ ہو جائیں اور اس تعویذ کا اثر لکھنے والوں کی تقوی اور پرہیزگاری پر منحصر تھا اور نویسا والونکا تو یہ بھی عقیدہ تھا کہ

درویش کامل کا ہوا اور اُسپر یہی اختیار ہے چنانچہ ایسے عقیدے والے کسیطرح درویشوں کی مخالفت نہیں کرتے اور اُنکی قدر تہائے مخفیہ سے بہت ترساں رہتے ہیں یہ درویش بہی ترہ بخوری حقہ کشی سے قطعاً پرہیز کرتے ہیں اور اکثر اوقات اپنی تلاوت قرآن شریف و تفسیر میں صرف کرتے ہیں۔ الغرض جب محمد احمد کو لقب درویشی حاصل ہوگیا تو اسکے بعد اس نے جائے سکونت اپنی جزیرۂ غبا کو جو قریب کنا کے نیل ابیض پر واقع ہے اور خرطوم سے جنوب کیطرف چار روز کی راہ ہے قرار دی اور زمین میں ایک غار کھود کر اُسمیں اس غرض سے رہنے کا عادی ہوا کہ گھنٹوں تک وہاں بیٹھکر ایک اسم کا ورد کرے چنانچہ بشمول صوم وصلوٰۃ کے خوشبو ملا کر ایک اسم کا ورد کرتا تہا۔ لوگ بیان کرتے ہیں کہ پندرہ سال پورے اُس نے اس شغل میں گذارے۔ محمد احمد کی نیک نامی بوجہ اسکے تقدس و اتقا کے دور تک پہیل گئی اور ایک شخص مالدار بنکر بہتیرے مرید اپنے گرد جمع کر لئے اور بہت سی عورتوں کو اپنے نکاح میں لایا شادی کی غرض سے عورتوں کا انتخاب بہت احتیاط سے کرتا تہا یعنے بقارہ کے شیخوں میں سے بڑے بڑے صاحب رعب وداب شیخوں کی لڑکیوں سے عقد کرتا تہا۔ بخیال اسکے کہ چار سے زیادہ تعداد ازواج کی جیسا کہ قرآن میں حکم ہے نہو جائے اُسکی یہ عادت تہی کہ عورتوں کو طلاق دیدیتا تہا اور پہر مطابق اپنے خیال کے اُن سے تعلقات جدید پیدا کر لیتا تہا۔ غرضکہ رفتہ رفتہ اس نے بوجہ اپنے تقدس و ورع کے بڑی نیکنامی حاصل کی اور بہت سے لوگ ہر قسم کے منصب اسکے پیرو اور مرید ہوگئے۔ مدیر یعنے حاکم فشودا نے جسکے تحت میں مقام غبا بہی تہا چاہا کہ اور گورنران سوڈان کی طرح جیسا کہ وہ لوگ اُن لوگوں کے روپیوں سے جبر حکمرانی کرتے تہے مالدار بنے تہے میں بہی کچھ حاصل کروں چنانچہ اُس نے اس غرض سے محمد احمد سے بہی ایک غیر معمولی ٹیکس کا مطالبہ کیا اُس نے اس ٹیکس کے دینے سے انکار کیا اسپر مدیر نے یہ کہلا بہیجا کہ اگر تم ٹیکس نہ ادا کروگے تو میں تمکو گردن و ہاتھ بستہ فشودا میں پکڑوا بلواؤنگا اور ایسے سپاہی تعینات کرونگا جو اس جزیرے سے تمہاری اس تہدید و تخویف کا دفعیہ کر دینگے غرض کہ جس وقت وہ سپاہی مدیر نے وہاں تعینات کئے وہ سب قتل ہو گئے اور یہ خبر دور تک منتشر ہو کر بہت بڑے فساد کا باعث ہوئی۔ محمد احمد نے اپنے موقع وقت پر

لحاظ کر کے کہ اصلی مہدی کا تیرہویں صدی مطابق ۱۳۰۰ھ ہجری میں ظہور ہونیوالا ہے یہ ٹہرایا کہ اس موقع کو ہاتھ سے نہ دو اور اس حیلہ کو پیش کرو جسے باعتبار حالت موجودہ سوڈان کے بہت اچھی طرح کرلیں گے۔ چنانچہ ماہ مئی ۱۸۸۱ء میں اپنے بھائی بند درویشوں کو اُس نے یہ لکھنا شروع کیا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مہدی موعود کی بہ نسبت پیشین گوئیاں کی تہیں وہ مجہی سے مراد تہی اور میں ہی ہوں اور مجہی کو خداوند عالم کیطرف سے سفارت عطا ہوئی ہے کہ اسلام کی اصلاح کروں اور تمام عالم کو عدل و داد سے بہروں تمام عالم میں ایک ہی شرع اور ایک ہی مذہب اور ایک ہی بیت المال قایم کروں اور کوئی شخص عام اس سے کہ وہ نصارٰی ہو یا مسلمان یا بُت پرست مجہپر یقین نہ لائے اُسے فنا کر دوں۔ ماہ صیام میں اُس نے عام طور سے اپنے مذہب کا اظہار مقام ربیہ میں جو قریہ عبا کے قریب ہے کیا اور ہزاروں آدمی فوراً اُسکے جہنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ ماہ جولائی میں رؤف پاشا کو خرطوم میں مہدی کے مضمون خط کی اطلاع ہوئی چنانچہ شروع اگست میں اُس نے اپنے ایک نقیب ابو سعید نامی کو باایں حکم روانہ کیا کہ وہ محمد احمد کو خرطوم میں لے آئے ابو سعید نے مقام عبا میں پہونچکر مہدی کو بہت ہی بایہ برتر پایا۔ ابو سعید کے سوال پر کہ آپکی غرض ان کارروائیوں سے کیا ہے مہدی نے جواب دیا کہ میں خداوند عالم کی جانب سے مہدی موعود ہوں۔ ابو سعید نے کہا کہ اس ملک کا حکمران بہی مثل آپ ہی کے مسلمان ہے جسکا جواب مہدی نے یہ دیا کہ نہیں ہرگز ایسا نہیں ہے اسلئے کہ حکمران نے کرسٹانوں کو مجاز کیا ہے کہ وہ گرجے اپنے اس ملک میں قایم کریں اور امن میں رہیں علاوہ اسکے اُن کرسٹانوں نے ٹیکس بہی وصول کئے ہیں۔ ابو سعید کی اس نصیحت پر کہ آپ گورنمنٹ مصر سے مخالفت نہ کریں اپنے آپ کو گورنمنٹ مصر کے حوالہ کردیں قبل اسکے کہ بے معین و مددگار ہو کر تاب مقاومت فوج سرکاری اور بندوق و توپ و جہاز جنگی و وخانی کی نہ لا سکیں مہدی نے نہایت بہادرانہ طور سے یہ جواب دیا کہ اگر فوج مصری مجہے یا میرے مریدوں کو گولیاں مارے گی تو اس سے کسی کو ضرر نہ پہونچیگا۔ اور جو جہاز جنگی ہمارے مقابلہ کو آئینگے سب کے سب ڈوب جائینگے۔ غرضنکہ ابو سعید ناکامیاب خرطوم کو واپس آیا۔ رؤف پاشا نے مہدی کی

سزا کے لئے تین سو سپاہی ایک توپ دو دخانی جہاز کے ذریعہ سے مہدی کے مقابلہ کے لئے بہیجی - ۱۱ اگست کی صبح کو فوج بہ سرکردگی علی آفندی قریہ عبا سے تہوڑے فاصلہ پر اُتری علی افندی نے اُترنے کے بعد دیکہا کہ ایک شخص جسکے گرد اگرد بہت سے مرید ہیں اس طرف کو چلا آتا ہے یہ سمجہا کہ یہی شخص مہدی ہے اور فوراً چاہا کہ ایک ہی حملہ میں اسکا کام تمام کر دے چنانچہ نہایت تیزی سے اُس شخص کے سر پر پہونچکر کہا تو کیوں ضلع میں ایسے فساد برپا کر رہا ہے اور بلا انتظار جواب پانیکے اُسکے گولی ماردی - مگر مقتول مہدی نہ تہا ایک دوسرا شخص تہا - چند منٹ کے بعد علی آفندی مع اپنے ہمراہیوں کے قتل ہوگیا - بقیۃ السیف بحیثیت مجموعی حملہ آور ہوئے لیکن آخر کو سب نے مہدی پر بندوق چلانے سے انکار کیا مگر سرداران مہدی بدستور حملہ کرتے رہے - قریب ایک سو تیس سپاہیوں کے اُنہوں نے قتل کئے باقی لوگوں نے اپنے ہتہیار ڈالدیئے اور مفرور ہوئے اسوقت وہ جنگی جہاز بہی قریہ کے پہلو میں پہونچگیا تہا - چنانچہ افسر توپخانہ کو حکم دیا گیا کہ وہ مہدی پر گولہ اندازی کرے اسلئے کہ اس مقام سے مہدی چند گزوں کے فاصلہ پر سوار نظر آرہا تہا مگر وہ شخص محض مہدی کی صورت مقدس دیکہکر گہبرا گیا اور پہلے تو عذر کیا کہ گولہ بارود نہیں ملتا بعد اسکے ہوائی گولے اُڑانے لگا مہدی بے تکلف دبہ آرام تمام سوار ہوکر چلتا ہوا اور ابو سعید جو اس فوج کے ہمراہ تہا جان بچا کر مع باقیماندہ فوج کے مفرور ہوا اور خرطوم میں شکست خوردہ پہونچا - اس سرکاری فوج کی شکست کا یہ نتیجہ ہوا کہ مہدی کے مرید اور بڑہے اور شہر خرطوم میں ایک قسم کا تردد پیدا ہوگیا - پہر محمد سعید یا دوسرا افسر دوسرے لشکر سے مہدی کے مقابلہ کے لئے متعین ہوا مگر یہ بہی ناکامیاب رہا پہر رشید بے حاکم فشودا چار سو فوا عدداں سپاہی اور ایک ہزار حبشیان شلوک کو ہمراہ لے کر بطور خود بدوں حکم رؤف پاشا حاکم خرطوم کے مہدی کے مقابلہ کو روانہ ہوا - ۸ دسمبر کو لڑائی ہوئی اور یہ بہی بقارا والوں کے غضبناک نیزوں سے چہد گئے جو مہدی کی اعانت کو جمع ہوئے تہے بعد اسکے بہت سی ریمنگٹن بندوق اور مصالحہ جنگ درویشوں کے ہاتہ آیا - اور اسوقت بغاوت چاروں طرف کی ہوا میں پہیل گئی

اور درویش شیوخ عرب کے یہاں جاتے اور وعظ کرتے پھرتے - اور بہتیرے قبیلے نیل ابیض کے
واسوقت ٹدیوں کیطرح بھنبھنا رہے تھے رؤف پاشا قبل اس سے کہ کوئی اور تدبیر اس آفت
کے ٹالنے کی سوچے ۱۸۸۲ء میں عہدہ گورنری سے معزول ہوگیا اور عبد القادر پاشا گورنر جنرل سوڈان
مقرر ہوا مریدان مہدی نے پے در پے حملے کرکے قریب کل ملک سنار پر قبضہ کرلیا اور تمام ملک کردفان
جوش وخروش سے بھر گیا۔ خاص خاص شہر العبید میں جو پایہ تخت کردفان کا تھا بغاوت بپا و نفرت
پھیل گئی۔ اسی زمانہ میں محمد طاہا نامی ایک شریف سے جو اپنے کو مہدی کا نائب ظاہر کرتا تھا متواتر
سخت لڑائیاں مصری فوج سے ہوئیں اور وہ مارا گیا۔ عربی پاشا کی بغاوت کی وجہ سے عبد القادر
کی عمدہ تدابیر میں ضعف پیدا ہوگیا۔ شروع ستمبر ۱۸۸۲ء میں مہدی ساٹھ ہزار ہمراہیوں کی جماعت سے
جنمیں خاصکر قبیلہ بقارس وحسنیہ کے لوگ بکثرت تھے العبید کے مقابل میں پہونچا۔ ماہ دسمبر میں
عربی پاشا کی بغاوت زائل ہونیکے بعد ایک جدید فوج مصر کی سوڈان میں آئی۔ ۵ جنوری ۱۸۸۳ء
کو بارہ اور ۱۹ جنوری کو العبید پر مہدی کا قبضہ ہوگیا اور وہ بڑے شان وشکوہ سے شہر میں
داخل ہوا تمام مصری سپاہی وافسر واہلکار اُسکے مطیع ہوگئے۔ شہر کے کل عیسائی تاجروں نے
اسلام قبول کیا۔ مگر رومن کیتھلک کے پادریوں نے تبدیل مذہب سے انکار کیا اسلئے وہ لوگ قید سخت میں
رکھے گئے۔ اس زمانہ سے مہدی کردفان کا مالک وحکمران ہوگیا۔ ابتک درویش لوگ صرف
نیزہ وشمشیر سے لڑتے تھے اُنکا یہ مقولہ تھا کہ یہ آتشیں حربے کفار کے ہیں۔ لیکن آخر کار
جب مصری سپاہی گروہ کے گروہ مہدی سے جاملے تو اُنکے پاس ریمنگٹن رائفل بکثرت
تھے اور اب وہ لوگ اُن بندوقوں کو نفرت کی نگاہ سے نہ دیکھتے تھے۔ عبد القادر جبکہ ملک
سنار میں کامیابیاں حاصل کر رہا تھا دفعۃً قاہرہ کو طلب ہوگیا اور علاء الدین پاشا جو مخالف اسکا
تھا بجائے اسکے گورنر جنرل مقرر ہوا اور ملک سنار کی فوج کا سپہ سالار حسین پاشا ہوا۔ اسی اثنا
میں جنرل ہکس جو کہ برٹش فوج مقیم ہندوستان کا ایک پنشن یافتہ افسر تھا خرطوم کی افواج مصری
کا سپہ سالار اعظم مقرر کیا گیا۔ اور ہکس پاشا کے نام سے مشہور رہا۔ مہدی کے مخبر خاص خرطوم میں
بغاوت پیدا کرنے کی تدبیر کرنے لگے۔ مصری سپاہی مہدی کے مقابلہ میں بے سود تھے اسلئے
کہ وہ لوگ کسی طرح جنگ پر راغب نہیں ہوسکتے تھے اور ماہ نومبر میں العبید کے پاس جنگ

ہوئی جنرل ہکس مع کثیر التعداد فوج کے مہدی کے لشکر کے مقابلہ میں مارا گیا۔ عثمان دقنہ جو ایک بڑی سوداگر کا بیٹا تھا جو بردہ فروش بھی تھا اور اسکا بھائی احمد اگست ۱۸۸۳ء میں مہدی کا شریک ہوگیا مہدی نے اُسے مشرقی سوڈان میں اپنی طرف سے امیر مقرر کر دیا۔ بعد تباہی لشکر ہکس کے مدیونے ایک جدید فوج بیکر پاشا کی ماتحتی میں مہدی کے مقابلہ کو روانہ کی۔ مصری افسران فوج جو کھلے کھلے جانے سے انکار نہ کر سکتے تھے یہ حکم سنکر انہیں سوڈان جانا ہوگا رونے لگے۔ مہدی کے لشکر نے سواکم کی طرف پیشقدمی کی۔ ۱۰ دسمبر ۱۸۸۳ء کو بیکر پاشا قاہرہ سے سواکم کو روانہ ہوا۔ مگر عثمان دقنہ نے سواکم کی لڑائی میں انکو بھی شکست فاش دی اور مصری فوج ایک وحشیانہ طور سے ماری گئی۔ اور بعض انگریزی افسر جو اس فوج کے ساتھ تھے کام آئے اور باقی ماندہ فوج سواکم کو لوٹ آئی۔ اور ماہ فروری ۱۸۸۴ء میں انگریزی امیر البحر ہیوٹ جس نے سواکم کے پاس کچھ فوج مصری انگریزی کی اُتاری تھی جنگ کے لئے حسین پاشا کی جگہ مقرر ہوا اور بیکر پاشا اور انکی مفرور فوجوں کے واپس آنے کا قاہرہ سے حکم جاری ہوا۔ اور طوکار کی پناہ رہی اور امداد کے لئے افواج انگریزی مقیم مصر کی روانگی کا بندوبست کیا گیا۔ ہکس پاشا کی فوج کی بربادی سے قاہرہ میں فوراً ملکی نتائج نمایاں ہونے لگے اور اُس فوج کی شکست کے بعد ہی اکثر چھوٹی چھوٹی شکستیں افواج مصری کی سواکم کے قرب وجوار میں ہوئیں اور چونکہ گورنمنٹ مصر میں بغاوت کے رفع کرنے کی قوت نہ تھی اسلئے انگریزی سپہ سالار مقیمہ مصر اور شریف پاشا وزیر اعظم مصر نے یہ تجویز کی کہ مختلف حصوں سوڈان سے فوج واپس کر لی جائے۔ حفاظت مصر کے لئے دریائے نیل پر خرطوم تک قبضہ رکھنا چاہیے اور بحر احمر سے مشرقی سوڈان کا حصہ گورنمنٹ اٹلی کے سپرد کریں۔ انگریزوں نے اس رائے کے ساتھ رضامندی ظاہر کی اور یہ بات تجویز ہوئی کہ ایک انگریزی افسر اعلیٰ باختیارات کامل خرطوم کو اس غرض سے روانہ کیا جائے کہ فوج کو سوڈان سے واپس بھیجے۔ اور حتی الامکان آئندہ کے لئے وہاں عمدہ انتظام بقائے حکومت وملک کے لئے کرے۔ اور جنرل گارڈن اس کام پر مقرر ہو کر ۲۷ جنوری کو خرطوم کو بحیثیت اعلیٰ کمشنر برٹش گورنمنٹ کے اور نیز مصر کی طرف سے گورنر جنرل سوڈان مقرر ہو کر روانہ ہوا۔ ۹ فروری کو گارڈن نے بربر میں پہنچکر ایک اشتہار آزادی سوڈان کا جاری کیا اور نصف محصول بھی معاف کیا اور

علی العموم لوگوں کے قصور بخشدیئے بلکہ یہاں تک کیا کہ باشندگان سوڈان کو امتیاز دیا کہ وہ لونڈی اور غلام رکہیں اور اسی اشتہار کے ذریعہ سے مہدی کو سلطان دارفور مقرر کیا اور کچہ تحفے بہی اُسے بہیجے۔ مگر مہدی نے انکار کیا۔ اور گارڈن سے سلطان ہونیکی درخواست کی اور مہدی نے گارڈن کے لئے ایک لباس درویشی کہ ایک پیوند لگا ہوا کثیف پیراہن تہا بطور تحفہ کے بہیجا تہا وہ گارڈن نے واپس کر دیا تو مہدی نے بہی وہ تحفے جو گارڈن نے اُسے بہیجے تہے واپس کر دیئے۔ جنرل گارڈن کی کارروائیوں میں جو امن وامان پر مشتمل تہیں رفتہ رفتہ کمی آنے لگی اور وہ ایک سخت مصیبت میں پہنس گیا۔ اور مہدی نے ایسی شکستیں دیں کہ اسکی فوج کا دل چہوٹ گیا بلکہ اسکا وہاں سے سلامت واپس چلا آنا مشکل ہوگیا۔ گورنمنٹ انگلستان نے انکی کمک کے لئے ایک فوج لارڈ ولسلی کی ماتحتی میں روانہ کی۔ اصلی غرض اس جدید فوج کشی سے جنرل گارڈن اور کرنیل سٹوارٹ کا خرطوم سے بچاکر واپس لانا تہا اور اس سے زیادہ کسی اور قسم کی کارروائی مقصود نہ تہی اسلئے کہ برٹش گورنمنٹ کی یہ رائے قائم ہوگئی تہی کہ سوڈان حکومت مصر میں باقی نہ رہے۔ اگر رہے بہی تو وادی حلفا تک یعنے دوسری آبشار تک اور قریب دوسو میل کے بالا تر قدیم سرحدی قریہ اسوان کے شروع اکتوبر ۱۸۸۴ء میں لارڈ ولسلی نے وادی حلفا میں پہونچکر فوج کی روانگی کا حکم دیا۔ ۲۰ اکتوبر کی صبح کو وہ حلفا سے روانہ ہوئے۔ مہدی نے خرطوم کا محاصرہ کر لیا تہا اُسکے ساتہہ عیسائی قیدی لباس درویشی میں فوجی خدمات پر مامور تہے اور مہدی کے سرداروں سے اور شہر خرطوم والوں سے خفیہ صلاح اور مشورے ہونے لگے۔ شیخ الاسلام اور قاضی اور مفتی اور حاکم اور عربی پاشا کا سکرٹری جو بوجہ جلاوطنی کے وہاں رہتا تہا وغیرہ اشخاص اس صلاح ومشورے میں شریک تہے مگر بوجہ اشتعال بغاوت کے مجال دم زدن نہ تہی اور ان لوگوں کی سزادہی میں مبادرت نہ ہوسکتی تہی سرکاری کمک بالکل بے سود ہوگئی۔ کیونکہ لارڈ ولسلی وقت پر خرطوم نہ پہونچ سکے اور گارڈن کو نہ بچا سکے۔ اور مہدی نے ۲۶ جنوری ۱۸۸۵ء کی شب کو خرطوم فتح کر لیا شہر کے دروازے کہل گئے اور ایک سخت قتل عام شروع ہوا۔ جنرل گارڈن بہی مارا گیا اور بہت سے انگریز وقنسول یونانیوں کے جو سلاح خانہ پر متعین تہے اور اکثر معزز لوگ قتل

ہوئے۔ سفیر اسٹریا بھی مارا گیا۔ اور سفیر یونان اور ایک ڈاکٹر قتل سے بچکر قید ہوا۔ عورتوں اور بچوں کے سنہرے اور روپہرے زیور اور جواہرات چھین لئے گئے۔ اور قبیلہ بشاریز کے سوداگروں کے ہاتھ بشکل لونڈی غلاموں کے فروخت کر دیئے گئے اور انگریزی و مصری اور سرکیشیا کی سفید رنگ عورتیں سب کی سب فروخت کر ڈالی گئیں۔ بعض تین سو چالیس روپیہ یا نائیڈ پر بعض دوسو پاس پر باعتبار اپنی عمر و حسن کے اور حبشی عورتیں سو اور اسی اور ستر روپیہ تک بیچڈالی گئیں۔ اور انکے شوہر اور آقا انکے سامنے قتل کر ڈالے گئے۔ دوپہر تک یہ جنگ اور قتل عام جاری رہا۔ دوپہر کے بعد لوٹ کے لئے جھگڑا اور فساد شروع ہوا۔ اور نماز مغرب تک بجز کوسنے اور بددعاؤں کے اور کچھ نہ سنائی دیتا تھا۔ نہ تو موذن نے آذان دی اور نہ کوئی نماز مسجد میں ادا کی گئی۔

وفات سے قبل مہدی کے اقتدار اور سطوت میں بہت کچھ ضعف بسبب قحط اور جنگ کے آگیا تھا۔ ماہ مارچ ۱۸۸۵ء میں مولوی حسن علی مخالف مہدی نہایت تزک اور احتشام سے العبید میں داخل ہوا گھوڑے پر سوار اور ایک برہنہ شمشیر ہاتھ میں لئے ہوئے کہتا جاتا تھا کہ یہ تلوار مجھے محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے مہدی کے قتل کرنیکے لئے اور کافروں کے مصر سے نکالنے کے لئے عطا فرمائی ہے اور چند روز بعد اس مولوی کے مقلدین نے پیروان مہدی کو ایک شکست دی اور اسکے سرداروں کو قتل کر ڈالا مہدی نے چھ ہزار آدمیوں کے ساتھ ام درمان میں اپنا ہیڈ کوارٹر قایم کیا تھا اور یہاں وہ سفید کرتہ پائجامہ پہنے رہتا تھا اور مرصع کار عصا اپنے پاس رکھتا تھا اور مصر پر حملہ کرنیکے لئے فوج جمع کرتا تھا۔ کہ ۱۶ جون ۱۸۸۵ء کو عارضہ چیچک میں مبتلا ہوا۔ مرتے وقت اپنے پاس اپنے بھتیجے کو خیمہ کے اندر بلایا اور اپنی تلوار اُسے دی اور اپنا جانشین اُسے مقرر کیا۔ دوسرے روز مہدی کی حالت خراب ہوگئی۔ اور اپنے اعزہ و اقربا کو الوداع کیا اور یہ وصیت کی کہ انگریزوں سے سلسلہ جنگ برابر جاری رکھنا اُسی روز پانچ بجے قریب شام اُسکا انتقال ہوگیا۔ اور فوراً ہی دفن کر دیا گیا۔ اور جس خیمہ میں وہ تھا جلا دیا گیا۔ عبد اللہ خلیفہ تعائیشی چار خلفاء میں سے جسے مہدی نے نامزد کیا تھا

اپنی جانشینی کا ہوا لیکن اسکی اطاعت عام لوگوں نے نہ تسلیم کی اور سخت نزاع واقع ہوئی مہدی کے دفن ہونے کے بعد عبد السلام درمان سے مہدی کی فوج اور خزانہ جسے اس نے فراہم کیا تھا چھوڑ کر خرطوم چلا آیا۔ اور محل شاہی میں قیام پذیر ہوا۔ اور فوج جو ام درمان میں تھی اُسے مہدی کا خزانہ دینے سے انکار کیا اور وجہ انکار یہ بیان کی کہ میں لنے جاتا کہ یہ لوگ متصل کافروں سے جنگ و پیکار کریں مگر یہ لوگ نہ گئے۔ چند روز بعد اسکے درمیان قبیلہ بغارا اور شہر والوں کے ایک ہنگامہ واقع ہوا اور کسی قدر ایک فوج بھی انکی مدد کو آئی۔ عبد اللہ یہ قصد کر کے کہ اس ہنگامہ میں جلد امن قائم کیجئے قرآن ہاتھ میں لئے ہوئے آیا مگر اُسکی کہنی میں ایک تلوار لگی اور قریب المرگ ہو گیا اسی حالت میں اُسے لوگ محل میں اُٹھا لائے۔ الغرض پیروان عبد اللہ نے اپنے مخالفین کو پسپا کر دیا اور شہر پر بدستور قابض رہے۔ ﴿۱﴾

اب تک یہ عبد اللہ زندہ ہے اور گورنمنٹ مصر انگریزوں کی مدد سے اس سے وقتاً فوقتاً جنگ کرتی ہے اور پے در پے شکستیں دے رہی ہے۔ چنانچہ مقام خرطوم و بعض مقامات بربر وغیرہ بھی اسکے ہاتھ سے چھین لئے ہیں اور اکثر مقامات سے درویش شکست کھا کر ہٹ گئے ہیں حکومت مصر قایم ہو گئی ہے۔

ششم

اس زمانہ میں مرزا غلام احمد قادیانی نے دعویٰ کیا ہے کہ میں وہی عیسیٰ مسیح ہوں جنکی قیامت کے قریب موجود ہونیکی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے۔ انکے زعم میں یہ بات صحیح نہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم آسمان پر اُٹھائے گئے ہیں اور زندہ ہیں۔ مرزا جی اپنے دعوےٰ کی تائید میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب عزیز یعنے قرآن کریم میں ان کو

﴿۱﴾ ۱۸۹۸ء میں جبکہ یہ کتاب ختم ہو چکی تھی انگریزوں نے مصری فوجوں کے ساتھ سردار کچنر سپہ سالار افواج مصر کی سرکردگی میں ام درمان کو فتح کیا اور چند ماہ بعد نومبر ۱۸۹۹ء میں خلیفہ عبد اللہ معہ اپنے تمام امیروں اور اکثر حصہ فوج کے مارا گیا۔ اسکا ایک سپہ سالار عثمان دقنہ بھاگ گیا تھا وہ بھی گرفتار ہو گیا۔ ‎‏"

متوفیوں کی جماعت میں داخل کرچکا ہے اور سارے قرآن میں ایک دفعہ بھی اُنکے خارق عادت زندگی اور اُنکے دوبارہ آنیکا ذکر نہیں کیا۔ بلکہ انکو صرف فوت شدہ کہکر پھر چپ ہوگیا۔ لہذا انکا زندہ بجسد العنصری ہونا اور پھر دوبارہ کسی وقت دنیامیں آنا نہ صرف اپنے ہی الہام کے رو سے خلاف واقع سمجھتا ہوں۔ بلکہ اس خیال احیات مسیح کو نصوص بینہ قطعیہ قرآن کریم کی رو سے لغو اور باطل جانتا ہوں۔ اور نہ کوئی حدیث صحیح مرفوع متصل موجود ہے جس نے متوفی کے لفظ کی کوئی مخالفانہ تفسیر کر کے مسیح کی حیات جسمانی پر گواہی دی ہے۔ بلکہ بخاری میں بجائے ان باتوں کے اماکم منکم لکہا ہے اور حضرت مسیح کی وفات کی شہادت دی ہے۔ انتہی کلامہٗ بمسلمانوں نے مرزا کو مسیح الدجال کا خطاب دے رکھا ہے۔ مسیح اسم مشترک ہے۔ دجال اور عیسی میں مگر دجال کو خالی مسیح نہیں کہتے دجال کے ساتھہ مقید کر کے کہتے ہیں اور حضرت عیسی کو خالی مسیح بھی کہتے ہیں۔

حضرت عیسی کو مسیح کئی سبب سے کہتے ہیں (۱) جب وہ اندہے اور کوڑہی کو چہوتے تو وہ اچھے ہوجاتے (۲) وہ ماں کے پیٹ سے آلائش سے پاک صاف چونچے پانچے نکلے تھے (۳) مسیح صدیق کے معنے میں ہے (۴) بعضے کہتے ہیں کہ اُنکے پاؤں کا تلوا ہموار تہا نہ ابہار کہ اُسمیں گڈہا ہو جیسا کہ لوگوں کا ہوتا ہے (۵) یا مسیح اسلئے کہتے ہیں کہ زبان عبرانی میں مسیحا کے معنے مبارک کے ہیں (۶) یا مسیح اسلئے کہتے ہیں کہ بہت سیاحت کرتے تہے۔ یعنے ملک میں پہرتے رہتے تہے اور یہ وجہ تسمیہ مشترک ہے حضرت عیسی اور دجال میں اور دجال کو بھی مسیح کہتے ہیں۔ اسکی بھی کئی وجہ بیان کی ہیں (۱) دجال کی ایک آنکہ ممسوح اور ہموار ہوگی اور ممسوح الوجہ اور مسیح الوجہ اُسے کہتے ہیں جسکے منہ کی ایک طرف ہموار ہو آنکہ اور بہوں نہ ہو۔ بخاری ومسلم میں عبداللہ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان المسیح الدجال اعور عین الیمنٰی کان عینہ عنبۃ طافیۃ تحقیق مسیح دجال کی داہنی آنکہ کانی ہوگی گویا آنکہ اسکی انگور کا دانہ ہے پہولا ہوا اور مسلم میں ایک روایت یوں ہے ان الدجال ممسوح العین علیہا ظفرۃ غلیظۃ

یعنے آنکھ دجال کی مٹی ہوئی ہوگی یا نماک کہ اُسپر آنکھ کی علامت نہ ہوگی اور اُسپر ہوتا ناخنہ ہوگا۔ جبکہ ممسوح کے یہ معنے ہیں کہ ایک طرف آنکھ اور بھوں اصلا نہ ہو صاف جگہ ہو تو اُسمیں ناخنہ ہونیکے کیا معنے ہونگے۔ مگر یہ کہ ممسوح سے مراد معیوب مطلق رکھیں تو مطلب بن سکتا ہے۔ اور عور کے معنے بھی اصل میں عیب کے ہیں یا یہ کہ ناخنہ دوسری آنکھ پر ہوگا۔ اور یہاں دوسری حدیث یہ ہے کہ حذیفہ سے مسلم نے روایت کی ہے کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الدجال اعور عین الیسریٰ یعنے دجال کی بائیں آنکھ کانی ہوگی۔ اور اوپر کی روایات سے دائیں آنکھ کا کانا اور ایک کا ممسوح ہونا ثابت ہوتا ہے۔ پس تطبیق انمیں یہ ہے کہ ایک آنکھ اُسکی بالکل نہ ہوگی اور دوسری عیب والی ہوگی پس صحیح یہ ہے کہ ہر ایک آنکھ کو عور یعنے عیب دار کہا جائے اور تحقیق سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ انمیں سے ایک بات بسبب ہو رامی کے ہوگی۔ (۲) یا اسلئے مسیح کہتے ہیں کہ دجال سے مسح کی گئی یعنے پونچھی گئی۔ اور دور کی گئی ہے خیر و خوبی جیسے کہ مسح کی گئی ہے حضرت عیسٰے سے شر و بدی۔ پس وہ مسیح الضلالۃ ہے اور حضرت عیسٰے مسیح الہدیٰ ہیں۔ اور حضرت عیسٰے کا نام مسیح میم کی زیر اور سین مشدد کے ساتھ بھی آتا ہے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ مشدد نام دجال کا ہے اور مخفف نام حضرت عیسٰے کا۔ اور یہ جو کہا ہے کہ دجال کا نام مسیخ ہے خائے معجمہ کے ساتھ یہ خطا ہے۔

مرزا کے حالات اور زیادہ تحقیق معاملات منظور نہیں۔ اخبارات ہندوستان اور متفرق رسالوں میں یہ مباحث چھپتے رہتے ہیں اور انکے دعوے اور نیز اعتراضات شایع ہوتے رہتے ہیں۔ میں تو صرف حضرت عیسٰے کا زندہ بجسد العنصری ہونا اور انکا آسمان پر اُٹھا لیا جانا اور یہودیوں کا انکو سولی نہ دے سکنا ثابت کرتا ہوں۔ اور انکی نسبت جو متوفی کا لفظ وارد ہے اُسکا اور "امامکم منکم" کا مطلب کھولے دیتا ہوں۔ اور احادیث صحیحہ میں یہ دکھائے دیتا ہوں کہ جب قیامت کے قریب امام مہدی رضی اللہ عنہ ظاہر ہونگے اور یہود میں دجال پیدا ہوگا تب حضرت عیسٰے آسمان سے زمین پر اُترینگے تاکہ مرزا کے دعوٰی کی تکذیب کھل جائے اور مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ مسیح علیہ السلام آسمان پر زندہ موجود ہیں اور آخر زمانہ

میں ویسا ہی منقول فرماوینگے۔ لفحات النبویہ فی الفضائل العاشوریہ کے صفحہ ۴۴ میں مذکور ہے
کہ یہود حضرت عیسےٰؑ کو سولی ویدینے کے باب میں جو شبہ میں پڑ گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے
انکے شبہ کی حکایت سورۂ نساء میں کرتا ہے وقولھم انا قتلنا المسیح ابن مریم رسول
اللہ وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لھم یعنے بسبب کہنے انکے کے کہ ہم نے حضرت
عیسےٰ علیہ السلام کو کہ پیغمبر اسکا تھا مار ڈالا اور نہ اسکو مارا ہے اور نہ سولی پر چڑہایا ہے
ولیکن وہی صورت بنگئی انکے آگے۔ وان الذین اختلفوا فیہ لفی شک منہ مالھم
بہ من علم الا اتباع الظن وما قتلوہ یقینا بل رفعہ اللہ الیہ یعنے جن لوگوں نے
اختلاف کیا اس معاملہ میں وہ اس جگہ شبہ میں پڑ گئے ہیں کچھ نہیں انکو اسکی خبر مگر
اٹکل پر چلنا اور نہیں قتل کیا اسکو بے شک بلکہ اٹھا لیا اسکو اللہ نے اپنی طرف۔ جلد اول تفسیر
کشاف مطبوعہ قاہرہ کے صفحہ ۴۰۰ پر ولکن شبہ کی تفسیر یوں کی ہے کہ جب یہود کے ایک
گروہ نے حضرت عیسےٰ کو اور انکی والدہ کو برا بہلا کہا تو انہوں نے انکے حق میں بد دعا کی اللہ نے
انکو مسخ کردیا کوئی سور ہوگیا کوئی بندر بنگیا۔ تو یہود نے جمع ہوکر یہ مشورہ کیا کہ انکو قتل کر ڈالنا چاہیے
اللہ نے حضرت عیسےٰؑ کو کہلا بھیجا کہ تم کو میں آسمان پر اٹھا لونگا اور یہود کی کثیف صحبت سے
پاک کر دونگا۔ یہودیوں نے حضرت عیسےٰ کو قتل کرنیکے لئے ایک جگہ قید کردیا حضرت
عیسےٰ نے حواریوں سے کہا کہ تم میں سے کون بخوشی میری صورت قبول کرتا ہے تاکہ
اسکو اللہ اسکے اجر میں جنت دیوے۔ انمیں سے ایک نے کہا کہ یہ بات مجھے منظور ہے
یہ کہنا تہا کہ اسکی شکل مسیح کی سی ہوگئی۔ اور وہ آسمان پر چلے گئے یہود نے اس حواری
کو سولی دیدی۔ اور بعضے کہتے تہے کہ ایک حضرت عیسےٰ کے ساتھ منافقانہ عقیدت رکھتا تہا
جب یہود نے حضرت عیسےٰ کے قتل کا تہیہ کیا تو اس نے ان سے کہا کہ میں تمہیں حضرت عیسیٰ
کا پتہ دیدونگا اور وہ حضرت کے مکان میں گیا۔ اللہ نے انکو تو آسمان پر اٹھا لیا اور اسکو حضرت
عیسےٰ کے مشابہ کردیا۔ یہودی پیچھے سے آکر اسے حضرت عیسےٰ سمجھکر مار ڈالا اسکے بعد اس شخص کی تلاش
کے بعد بعض کہنے لگے کہ حضرت عیسےٰ اللہ تھے انکا مقتول ہونا صحیح نہیں اور بعض نے کہا تحقیق
وہ مارے گئے اور بعض کہنے لگے کہ اگر یہ مقتول حضرت عیسےٰ ہیں تو ہمارا یکہاں ہے اور اگر ہمارا

یا رہے تو حضرت عیسےٰ کدہر ہیں اور بعض کہنے لگے کہ وہ آسمان پر اٹھا لئے گئے اور بعض کہنے لگے کہ اسکا منہ تو حضرت عیسےٰ کا ہے مگر بدن ہمارے یار کا ہے۔ اور علامہ ابو علی مجمع البیان مطبوعہ طہران صفحہ ۲۰۷ میں جبائی سے نقل کیا ہے کہ یہود نے ایک آدمی کو ایسی جگہ پر سولی دی کہ کوئی اُسکے پاس نہ پہونچ سکتا تہا اُسکا بدن متغیر ہوگیا اور کہنے لگے کہ ہم نے حضرت عیسےٰ کو مار ڈالا تاکہ عوام کو معلوم ہو جائے کہ حضرت عیسےٰ مارے گئے اسلئے کہ انہوں نے مکان کو گھیر رکھا تہا۔ جب اندر داخل ہوئے اور وہاں حضرت عیسےٰ کو نہ پایا تو خاص یہود کو یہ خوف ہوا کہ شاید عوام اس وجہ سے اُنپر ایمان لے آویں۔ اور جنہوں نے حضرت عیسےٰ کے باب میں اختلاف کیا ہے وہ انکو سولی دینے والے یہود کے علاوہ تہے۔ کیونکہ سولی دینے والے اصل ماجرے سے واقف تہے۔ انتہیٰ۔ قاضی بیضاوی نے اپنی تفسیر میں لکہا ہے کہ زمانہ نبوت میں ایسے خوارق عادات کا ظہور بعید نہیں ہے۔ اور امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر کی جلد سوم کے صفحہ ۱۰۵ میں لکہا ہے کہ اگر یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک انسان کو دوسرے انسان کی صورت پر کر دیتا ہے تو اس سے سفسطہ کا دروازہ کھل جائیگا اسلئے کہ ہم نے زید کو دیکہا پس یہ خیال ہو سکتا ہے کہ شاید یہ زید نہ ہو کوئی اور شخص ہو کہ اُسکی صورت زید کی سی ہوگئی ہو۔ اس صورت میں نہ طلاق کا نہ نکاح کا نہ ملکیت کا اعتبار رہیگا۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ اس سے تواتر میں خرابی لازم آتی ہے کہ اسلئے کہ خبر متواتر سے علم کا فائدہ جب حاصل ہوتا ہے کہ وہ محسوس پر منتہی ہو۔ اور جبکہ محسوسات میں یہ شبہ پڑگیا تو متواترات پر بہی اعتبار نہ رہیگا اور اس سے تمام شرائع میں خرابی واقع ہو جائے گی۔ اور اس سے انبیا کی نبوت پر طعن لازم آتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب صورت کے بدلنے سے اصل بگڑتا ہے تو یہ صحیح نہیں۔ جواب اسکا یہ ہے کہ علما کی رائیں اس معاملہ میں مختلف ہیں اور اُنہوں نے اسمیں دو طریق لکہے ہیں۔

طریق اول بہت سے متکلمین یہ کہتے ہیں کہ یہود نے جب حضرت عیسےٰ کے قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ نے انکو آسمان پر اُٹھا لیا سرداران یہود کو عوام میں فتنہ پیدا ہونے کا خوف ہوا اسلئے ایک آدمی کو پکڑ کر قتل کیا اور سولی دی اور لوگوں پر ظاہر کر دیا کہ ہم نے عیسےٰ کو سولی دے دی

اور لوگ چونکہ حضرت عیسےٰ سے صورت شناس نہ تھے صرف اُنکا نام سنتے تھے کیونکہ حضرت عیسےٰ لوگوں سے میل کم رکھتے تھے اسلئے اُنکو یقین آگیا۔ اس صورت میں اعتراض مذکور وارد نہیں ہوسکتا۔ اور نصاریٰ کیطرف سے اگر اسبات کا دعویٰ پیش ہو کہ ہم کو اپنے بزرگوں سے خبر متواتر کے ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت عیسےٰ بالضرور مصلوب ہوئے تو یہ خبر متواتر انکی اسلئے نامعتبر ہے کہ اسکا تواتر تہوڑے سے آدمیوں پر منتہی ہوتا ہے جنکی نسبت کہہ سکتے ہیں کہ عجیب نہیں جو اُنہوں نے کذب پر اتفاق کرلیا ہو۔ **طریق دوم** یہ ہے کہ اللہ نے حضرت عیسےٰ کی سی صورت ایک اَور آدمی کی کردی۔ پھر اسمیں کئی قول ہیں کہ وہ آدمی انکے حواریوں میں سے تہا۔ یا وہ شخص تہا جو سردار یہود کے حکم سے حضرت عیسےٰ کو قتل کرنیکے لئے لانے کو مکان میں گھُسا تہا۔ یا وہ شخص تہا جسکو یہود نے پہاڑ کی غار میں حضرت عیسےٰ کی حراست کے لئے متعین کردیا تہا یا وہ شخص تہا جو حضرت عیسےٰ سے منافقانہ عقیدت رکھتا تہا۔ اور یہود کو انکے بتانے کے لئے مکان کے اندر گیا تہا۔ چونکہ یہ سب وجہیں باہم مخالف ہیں اسلئے قابل التفات نہیں اسلئے کہ ایک کو دوسری نے غلط کردیا ہے۔ پس طریق اول صحیح و درست ہے اور نتیجہ یہ نکلا کہ شُبِّهَ لَهُمْ سے مراد یہ نہیں کہ کوئی اَور شخص حضرت عیسےٰ کی صورت پر ہوگیا بلکہ مطلب یہ ہے کہ شبہ ڈالا گیا اُنکے لئے اور وما قتلوہ یقیناً میں دو معنے کا احتمال ہے۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ اسبات کی خبر دیتا ہے

ف ۵ اجوبۃ الفاخرہ عن الاسئلۃ الفاجرہ میں مذکور ہے کہ یوحنا باوجودیکہ حضرت عیسےٰ کے حواری تھے مگر اُنکے آسمان پر چڑھنے سے غفلت کی ذکر نہ کیا اور مرقس و لوقا باوجودیکہ حواری نہ تھے مگر انہوں نے اس واقعہ کو ذکر کیا ہے لیکن ان دونوں میں بہی باہم اختلاف ہے۔ مرقس نے کہا ہے کہ مسیح کہڑے ہوئے اور اپنے شاگردوں کو نوید و دعا کیا اور چڑہ گئے۔ اور لوقا نے کہا ہے کہ وہ اسکے چالیس دن کے بعد آسمان پر چڑہے۔ اور متی نے کہا ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام کو پیلاطس سردار کے پاس لیگئے تو اُس نے کہا کہ انہوں نے کیا کیا ہے یہ سنکر یہود چلائے اور کہنے لگے کہ سولی دو سولی دو۔ سردار نے اسوقت پانی مانگا اور ہاتھ دہو کر کہا کہ میں اس صدیق کے خون سے بری ہوں تم جانو۔ اور یوحنا نے اس قول کی تکذیب کی ہے اور کہا ہے کہ اس سردار نے عیسےٰ علیہ السلام کو مارا پہر یہود کے سپرد کردیا۔ پس جبکہ انکے متقدمین میں اسقدر اختلاف ہے تو انکی روایات اور بیانات کا کیا اعتبار ہے ۱۲ منہ

کہ یہود کو اسمیں شک ہے۔ کہ ہم نے حضرت عیسےٰ کو قتل کیا ہے یا نہیں پھر اللہ پاک اپنے رسول محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو یقین دلاتا ہے۔ یعنے کہتا ہے کہ اس امر کا یقین حاصل ہے کہ اُنھوں نے حضرت عیسےٰ کو قتل نہیں کیا۔ دوسرا یہ کہ یہود نے جب اُس شخص کو قتل کیا تو اُنکو یہ یقین نہ تہا کہ ہم نے حضرت عیسےٰ ہی کو قتل کیا ہے بلکہ قتل کے وقت اس شک میں تھے کہ یہ عیسےٰ ہیں یا ہمارا یار ہے۔ مگر پہلا احتمال راجح ہے۔ یعنے خدا تعالیٰ اپنے حبیب کو حضرت عیسےٰ کے مقتول نہ ہونے کا یقین دلاتا ہے اسلئے کہ اللہ نے بعد اس بیان کے کہا ہے بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ تو مطلب یہ ہوا کہ یہود اس شک میں ہیں کہ ہم نے حضرت عیسےٰ کو قتل کیا ہے یا نہیں۔ اور اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم یہ یقینی بات ہے کہ انہوں نے انکو قتل نہیں کیا بلکہ اُنکو اللہ نے اپنی طرف اُٹھا لیا ہے۔ کیونکہ اُٹھانا تو جب ہی صحیح ہو گا کہ پہلے اُس سے عدم قتل کا یقین حاصل ہو چکے۔ امام رازی کہتے ہیں کہ حضرت عیسےٰ کا آسمان پر اُٹھا لیا جانا اس آیت سے بخوبی ثابت ہے۔ اور نظیر اسکی اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ سورہ آل عمران میں فرمایا ہے اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ (جس وقت کہا اللہ نے اے عیسےٰ میں تجھکو لینے والا ہوں اور اُٹھانیوالا ہوں تجھکو اپنی طرف اور پاک کرنیوالا ہوں تجھکو اُن لوگوں سے کہ کافر ہوئے) اس آیت میں مُتَوَفِّيْكَ کے معانی بیان کرنے میں بہت تاویلیں کی گئی ہیں۔ بعض اس آیت کے الفاظ میں تقدیم و تاخیر مانتے ہیں۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ اسکی کچھ ضرورت نہیں ظاہر الفاظ جس ترکیب کے ساتھ موجود ہیں یہی درست ہے۔ مذہب ثانی والے کئی وجوہ کے ساتھ متوفیک کے معانی بیان کرتے ہیں۔ تفسیر جلالین میں لکھا ہے کہ مُتَوَفِّيْكَ قابضتك کے معنے میں ہے۔ یعنے لینے والا ہوں تجھکو اپنی طرف وَرَافِعُكَ اِلَيَّ من الدنيا من غير موت انتھے۔ یعنے اُٹھانیوالا ہوں تجھکو اپنی طرف دنیا سے بغیر موت کے پس اس صورت میں جملہ رَافِعُكَ عطف تفسیری ہوگا۔ اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے فتح الرحمٰن میں لکھا ہے "اے عیسےٰ ہر آئینہ من برگزیدم ترا یعنے ازیں جہاں" اور موضح القرآن میں شاہ عبد القادر صاحب نے اسی لفظ کا ترجمہ "تجھکو پھیر لونگا" کیا ہے۔ اور تفسیر

مدارک میں مُتَوَفِّیکَ کے معانی کئی طور پر لکھے ہیں (۱) مُتَوَفِّی توفیہ سے مشتق ہے جسکے معنے استکمال ہیں۔ یعنے کامل کرنے والا تیری مدت عمر کا ہوں۔ اور مراد اس سے یہ ہے کہ میں محفوظ رکھنے والا ہوں تجھکو اس سے کہ کفار قتل کریں اور مارنیوالا ہوں تجھکو تیری موت کے ساتھ نہ کہ کفار تجھکو قتل کرینگے۔ (۲) مارنے والا ہوں تجھکو تیرے وقت میں بعد نازل ہونیکے آسمان سے اور اُٹھانیوالا ہوں تجھکو اب کیونکہ واو جمع کے واسطے ہے اسمیں ترتیب لازم نہیں اور مطلب یہ ہے کہ یہ ساری باتیں ظہور میں آوینگی مگر ترتیب ضرور نہیں کہ اول وفات واقع ہو پھر آسمان پر چڑہائے جائیں۔ پس آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسےٰ کے ساتھ یہ معاملات کرے گا۔ مگر یہ کب کرے گا اور کس طرح کرے گا اسکی تحقیق دلیل پر موقوف ہے اور بیشک دلیل ثابت ہے اسبات پر کہ وہ زندہ ہیں۔ اور آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ وہ زندہ ہیں قیامت کے قریب زمین پر اُترینگے اور دجال کو قتل کرینگے اسکے بعد خدا اُنکو وفات دیگا۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عیسےٰ زمین پر نازل ہونیکے بعد سات برس دنیا میں رہینگے اور ابن جوزی نے عبداللہ بن عمرؓ سے کتاب الوفا میں روایت کی ہے کہ حضرت عیسےٰ زمین پر اُترینگے اس کے بعد ۴۵ سال رہینگے بعد ازاں وفات پائینگے اور قبر مبارک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں دفن ہوں گے۔ علما نے دونوں روایتوں کی تطبیق میں گفتگو کی ہے مگر محققین کی رائے یہ ہے کہ صحیح مسلم کی روایت مرجح ہے (۳) وفات دینے والا ہوں تیرے نفس کا سوتے میں اور اُٹھانے والا ہوں تجھکو جب کہ تو سوتا ہوا ہو تاکہ تجھکو خوف پیدا نہ ہو اور تو ایسی حالت میں بیدار ہووے کہ آسمان پر امن و تقرب کے ساتھ موجود ہو۔ بیضاوی نے اس آخری معنے کے تلے لکھا ہے کہ یہ روایت بھی آئی ہے کہ حضرت عیسےٰ سوتے ہوئے آسمان پر اُٹھائے گئے۔ (۴) بیضاوی نے کہا ہے کہ یا مراد اس سے یہ ہے کہ مارونگا تجھکو تیری شہوات[1] سے جو عالم ملکوت پر تیرے عروج کرنے سے حارج ہیں اسلئے کہ جب تک ماسوی اللہ سے کوئی فانی نہیں ہوتا مقام معرفت الٰہی میں نہیں پہونچ سکتا۔ پس حضرت عیسےٰ جس وقت آسمان پر پہونچے اُنکی حالت ملائکہ کی سی ہوگی خواہش اور غضب اور برائیاں سب

[1] دیکھو تیسیر الوصول کی جلد اول میں کتاب التفسیر کا باب ثانی ۱۲

اُن سے جاتی رہیں (۵) بخاری نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یہاں متوفیک کے معنے ممیتک ہیں یعنے مارنے والا ہوں تجھکو۔ اب اسمیں اختلاف ہے کہ حضرت عیسےٰ کتنی دیر مرے رہے۔ تفسیر ابو مسعود میں لکھا ہے کہ یہ بھی ایک قول ہے کہ حضرت عیسےٰ سات گھڑی تک کے لئے مرگئے تھے پھر اللہ نے اُنکو آسمان پر اُٹھا لیا اور نصارٰی کا یہی عقیدہ ہے اور امام فخر الدین رازی نے کہا ہے کہ سات گھڑی تک اُنکے مرجانیکا اور بعد اسکے زندہ ہوکر آسمان پر اُٹھائے جانے کا قول محمد بن اسحاق کا ہے اور وہب نے کہا ہے کہ تین ساعت کے لئے مرگئے تھے پھر آسمان پر اُٹھائے گئے۔ ابوسعود یہ بھی کہتے ہیں کہ قرطبی نے کہا ہے صحیح یہ ہے کہ اللہ نے اُنکو بغیر وفات اور نیند کے آسمان پر اُٹھا لیا ہے اور طبری وحسن وغیرہ کا یہی مختار ہے اور صحیح بھی یہی ہے۔ پھر ابوسعود یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالی نے حضرت عیسےٰ کو سراپا نورانی کرکے کھانے پینے کی خواہشات کو اُن سے سلب کرلیا اور متوفیک سے یہی مراد ہے۔ کہ انکی شہوات زائل کردی گئیں اور حضرت عیسےٰ کے واقعہ قتل کے مشہور ہونیکے بعد اُنکے معتقدین میں اختلاف ہوکر تین عقیدے ٹھہر گئے۔ ایک گروہ کہنے لگا کہ وہ اللہ تھے ہم میں رہے پھر آسمان پر چڑھ گئے اور یہ یعقوبیہ کہلاتے ہیں۔ اور دوسرا فرقہ کہنے لگا کہ ہم میں اللہ کا بیٹا تھا پھر اللہ نے اسکو اپنے پاس اُٹھا لیا اور یہ نسطوریہ کہلاتے ہیں۔ اور تیسرے گروہ نے کہا کہ ہم میں اللہ کا بندہ اور اُسکا رسول تھا پھر اللہ نے اسکو آسمان پر اُٹھا لیا۔ امام فخر الدین رازی نے جلد دوم تفسیر کبیر میں متوفیک کے معنے نو وجہوں کے ساتھ بیان کئے ہیں جنمیں سے پانچ وجہیں تو وہی ہیں جو اوپر مذکور ہو چکی ہیں۔ اور باقی وجہیں یہ ہیں (۶) توفی کہتے ہیں پورا لینے کو اس صورت میں متوفیک سے مطلب یہ ہے کہ تجھکو پورا لے لونگا اور پورا لینے کی صورت یہ ہے کہ روح اور جسد کے ساتھہ آسمان پر اُٹھا لئے گئے (۷) مراد متوفیک سے یہ ہے کہ میں تجھکو مثل متوفی کے کردونگا اور ظاہر ہے کہ جبکہ وہ آسمان پر اُٹھا لئے گئے تو خبر اور اثر اُنکا دنیا سے جاتا رہا تو خود مانند متوفی کے ہوگئے۔ اور ایسا بطور تشبیہہ کے کہدینا استعمال عرب میں جائز ہے (۸) توفی کے معنے قبض کرنے یعنے لینے کے ہیں اور حضرت عیسےٰ کو جو زمین سے آسمان پر اُٹھا لیا تو یہی قبض کرلینا یا پورا مانا تھا اب اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب توفی کے معنے زمین سے

آسمان پر اُٹھا لینے کے ٹھہرے تو رَافِعُكَ اِلَيَّ مکرر ہوگا اور تکرار رہتا نہیں۔ جواب اسکا یہ ہے
کہ متوفیک والا لفظ دلالت کرتا ہے توفی یعنے قبضہ کرنے اور لینے پر اور قبضہ کرنا و لینا ایک
جنس ہے کہ کبھی موت کے ذریعہ سے واقع ہوتا ہے اور کبھی زمین سے آسمان پر چڑھا دینے سے
پھر جب رافعک الیّ فرمایا تو اس سے دوسری نوع متعین ہوگئی اور یہ ثابت ہوگیا کہ یہاں قبضہ
کرنے اور لینے کی صورت آسمان پر چڑھانے کے ساتھ وقوع میں آئی ہے اور نوع دوم خارج ہے

(۹) متوفی اور رافعک کے بعد ایک مضاف مقدر ہے یعنے اصل عبارت یہ ہے۔
انی متوفی عملک و رافع عملک الیّ۔ مطلب یہ ہے کہ میں تیرے عمل کو پورا لوں گا
اور آسمان پر اٹھا لونگا اور نظیر اسکی یہ ہے کہ قرآن میں آیا ہے کہ اعمال اللہ کیطرف چڑھتے
ہیں۔ چنانچہ سورۂ فاطر میں ہے اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ اُسکی طرف چڑھتا ہے کلام پاکیزہ
نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالے عیسے علیہ السلام کو بشارت دیتا ہے کہ تیری طاعات اور عمل قبول
کرلوں گا اور جو کچھ تجھکو مشقت اور تکلیف دین کے پھیلانے اور شریعت کے جاری کرنے
میں دشمنوں سے پہونچی ہے وہ اکارت نہ جائیگی اُسکا اجر ضرور ملیگا۔

اور جو لوگ اس آیت میں تقدیم و تاخیر کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ الفاظ آگے پیچھے
ہیں اور واؤ ترتیب کے لئے نہیں ہے اصل عبارت یوں ہے انی رافعک الیّ و مطہرک من
الذین کفروا و متوفیک بعد انزالی ایاک فی الارض یعنے تجھکو اپنی طرف اُٹھا لونگا اور کافروں
سے پاک کرونگا۔ اور پھر دنیا میں نازل کرکے موت دونگا۔

اور امامکم منکم جس حدیث کا ٹکڑا ہے اُسمیں حضرت عیسے کے نزول کی ہی خبر دی ہے
اور پوری روایت بخاری و مسلم میں اسطرح ہے کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم و امامکم
منکم یعنے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا کیا حال ہوگا جبکہ عیسے بن مریم تم میں اُترینگے
اور امام تمہارا تمہیں میں سے ہوگا۔ اور امامکم منکم سے یہ کب ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسے کا
انتقال ہوچکا ہے بلکہ اذا نزل نص ہے اس باب میں کہ عیسے علیہ السلام حیات ہیں فوت نہیں
ہوئے اور امامکم منکم کا یہ مطلب ہے کہ امام قریش میں سے ہوگا۔ یا تمہارے اہل ملت میں سے
علمانے اسکی دو طرح سے شرح کی ہے۔ ایک تو یہ کہ امام تمہارا نماز کا وہ شخص ہوگا کہ تم میں سے

اور حضرت عیسے اُسکی اقتدا کرینگے اور وہ مہدی ہے اور یہ بسبب تعظیم و تکریم امت محمدی کے ہوگا جیسے کہ جابر سے مسلم نے روایت کی ہے لاتزال طائفۃ من امتی یقاتلون علی الحق ظاھرین الی یوم القیامۃ قال فینزل عیسے ابن مریم فیقول امیرھم تعال صل لنا فیقول لا ان بعضکم علی بعض امراء تکرمۃ اللہ ھذہ الامۃ -
یعنے آنحضرت نے فرمایا کہ میری امت ہمیشہ لڑتی رہیگی حق پر اس حال میں کہ دشمنوں پر فتحیاب ہونگے قیامت تک فرمایا حضرت نے پھر حضرت عیسے پسر مریم آسمان سے اُترینگے میری امت کا امیر (یعنے مہدی ؑ) اُن سے کہیگا کہ آؤ ہمکو نماز پڑھاؤ وہ جواب دینگے کہ میں امامت نہیں کرتا تحقیق بعض تم میں سے بعضوں پر امیر ہے بسبب بزرگی دینے اللہ تعالی کے امت محمدی کو اور حضرت عیسے کی امامت سے انکار کرنیکی وجہ یہ ہے کہ انکی امامت سے دین محمدی کے منسوخ ہونے کا وہم پیدا ہوتا پس امام زمانے کے مہدی ہی ہوں گے ۔ ہاں اُس زمانہ میں حضرت عیسے حاکم اور خلیفہ اور تعلیم کرنے والے اچھی باتوں کے ہوں گے ۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ مراد امام سے حضرت عیسے ہیں پس مراد اس سے کہ امام تم میں سے ہوگا یہ ہے کہ حضرت عیسے تمہاری شریعت کے موجب حکم کرینگے نہ مطابق انجیل کے پس امامکم منکم کے یہ معنے ہونگے کہ امامت کرینگے تمہاری حضرت عیسے اس حالت میں کہ وہ تمہارے دین میں سے ہونگے اور تمہاری کتاب و سنت کے موجب حکم کرنیوالے ہونگے ۔
اور بعض علما کہتے ہیں کہ جس روایت میں عیسے علیہ السلام کا امام نماز ہونا لکھا ہے اُس روایت پر امامکم منکم کے یہ معنے ہیں کہ جہاد اور غزوات میں امام تمہارا تمہیں میں سے ہوگا ۔ حضرت عیسے علیہ السلام تو صرف دجال کو قتل کرینگے ۔ اور بخاری اور مسلم اور ابو داؤد اور ترمذی نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا والذی نفسی بیدہ لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکما عدلا فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الجزیۃ و یفیض المال حتی لا یقبلہ احد حتی تکون السجدۃ الواحدۃ خیرا من الدنیا وما فیھا ۔
قسم ہے اُس خدا کی کہ بقائے جان میری اُسکے ہاتھ میں ہے تحقیق اُترینگے آسمان سے تم میں عیسے علیہ السلام اس حال میں کہ حاکم عادل ہونگے صلیب کو توڑینگے سور کو قتل کرینگے یعنے اسکی

پالنے کو اور کہانے کو حرام کرینگے اور جزیہ اہل ذمہ پر رکھیں گے اور بہت ہوگا مال یہانتک کہ اسکو کوئی قبول نہ کرے گا۔ یہانتک کہ ایک سجدہ دینا اور اُسکی چیزوں سے بہتر ہوگا۔ یہ حدیث صحیح مرفوع متصل ہے اور ایسی ہی بہت سی احادیث سے ثابت ہوا ہے کہ حضرت عیسےٰ بن مریم آسمان سے زمین پر قیامت کے قریب اُترینگے اس سے بخوبی عیاں ہے کہ وہ اپنے جسم عنصری کے ساتھ حیات ہیں۔

اور یہ جو فواتحہ سبعہ مقدمہ شرح دیوان حضرت علی قاضی حسین میبذی نے لکہا ہے کہ بعض کی رائے یہ ہے کہ حضرت عیسےٰ کی روح مہدی میں ظہور کرے گی اور نزول عیسےٰ سے مراد یہی ظہور ہے اور مطابق اسی کے ہے یہ حدیث لا مھدی الا عیسےٰ ابن مریم علیہ السلام یعنے مہدی اصل میں عیسےٰ علیہ السلام ہی ہونگے۔ انتہیٰ فوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ میں شوکانی نے لکہا ہے کہ صغانی نے لکہا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔

اور مرزا صاحب کے ایک بہائی نے طمع نفسانی اور شکم پروری کے لیے بہنگیوں کے لال گرو ہونے کا دعویٰ کیا ہے اُنکی وہاں آؤ بہگت ہو رہی ہے۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً وَّهَيِّئۡ لَنَا مِنۡ اَمۡرِنَا رَشَدًا ط

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی

تمت

بقلم شکستہ رقم اضعف من عباد اللہ الفقیر حبیب اللہ منشی فاضل متوطن ضلع راولپنڈی وارد لاہور ۲۴ جولائی سنہ ۹۶ء